جلد 37 شمارہ 10

اکتوبر 2015ء

قیمت -/60 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

افسانے

انٹرویو

سلسلے وار ناول

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس، monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! حنا کا شمارہ اکتوبر 2015ء پیش خدمت ہے۔

گذشتہ دنوں مسجد الحرام میں ایک المناک حادثے میں قیمتی انسانی جانوں کے زیاں پر ہر شخص رنجیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے التماس ہے کہ وہ مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)۔

خواتین کے خلاف گھریلو تشدد ایک ایسا مسئلہ ہے، جس پر تمام دنیا میں قانون سازی ہو رہی ہے اور اس کے خلاف آواز اٹھائی جا رہی ہے۔ پاکستان میں بھی اس مسئلے پر قانون سازی کی کوششیں گزشتہ کافی عرصہ سے ہو رہی ہیں۔ آئین میں اٹھارہویں ترمیم کے بعد جب صوبوں کو قانون سازی کا اختیار دیا گیا تو پنجاب میں بھی اس سلسلے میں قانون سازی کی کوششیں شروع ہوئیں اس سلسلے میں مسودہ قانون کو جون میں اسمبلی میں لایا گیا۔ لیکن ممبران کے اعتراضات پر اس کو دوبارہ سٹینڈنگ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ اب کابینہ نے اس کی منظوری دے دی ہے اور اس کا یقین دلایا گیا کہ اس کو اگست اور ستمبر میں ہونے والے اسمبلی اجلاس میں پیش کیا جائے گا۔ مگر نا معلوم وجوہات کی بنا پر اس بل کو اس اجلاس میں پیش نہ کیا جا سکا، اس اہم مسئلہ پر قانون سازی میں تاخیر گھریلو تشدد کا شکار خواتین کے لئے باعث تشویش ہے۔ اس معاملے میں اسلام اور آئین میں خواتین کو دیئے گئے تحفظ کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ علاقائی رواج کے تحت خاتون خانہ کو تشدد کا شکار بنایا جاتا ہے جو کہ سراسر زیادتی ہے۔

یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ خواتین کو تحفظ فراہم کرے اگر گھر میں سکون نہیں تو معاشرہ کیسے پر سکون رہ سکتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم کھلے دل سے سوچیں کہ آدھی آبادی کو ریاستی تحفظ نہ دے کر ہم پر امن اور خوشحال معاشرے کی کیسے اُمید کر سکتے ہیں۔

اس شمارے میں:۔ ایک دن حنا کے ساتھ میں مہمان اُم ایمان، نایاب جیلانی اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناول، غزالہ حبیب اور سونیا چوہدری کے ناول، نائلہ طارق اور ہما راؤ کے ناولٹ، شگفتہ شاہ، مصباح نوشین، روشانے عبدالقیوم، حمیرا نوشین اور سباس گل کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

اسی کا حکم جاری ہے زمینوں آسمانوں میں
اور ان کے درمیان جو ہیں مکینوں اور مکانوں میں

ہوا چلتی ہے باغوں میں تو اس کی یاد آتی ہے
ستارے چاند سورج ہیں سبھی اس کے نشانوں میں

اسی کے دم سے طے ہوتی ہے منزل خواب ہستی کی
وہ نام اک حرف نورانی ہے ظلمت کے جہانوں میں

اسی کے پاس اسرار جہاں کا علم ہے سارا
وہی برپا کرے گا حشر آخر کے زمانوں میں

وہ کر سکتا ہے جو چاہے وہ ہر اک شے پہ قادر ہے
وہ سن سکتا ہے رازوں کو جو ہیں دل کے خزانوں میں

بچا لیتا ہے اپنے دوستوں کو خوف باطل سے
بدل دیتا ہے شعلوں کو مہکتے گلستانوں میں

منیر اس حمد سے رتبہ عجب حاصل ہوا تجھ کو
نظیر اس کی ملے شاید پرانی داستانوں میں

را جذب دل میرے کام آ گیا ہے
ینے سے آخر پیام آ گیا ہے

ہاں ذکر خیر الانام آ گیا ہے
وں پہ درود و سلام آ گیا ہے

چمن میں جو وہ خوش خرام آ گیا ہے
بہاروں کو گویا پیام آ گیا ہے

کہا جس کی آمد پہ انسانیت نے
کہ خیر البشر لاکلام آ گیا ہے

ستاروں کو تابندگی بخشنے کو
فق پہ وہ ماہ تمام آ گیا ہے

ازل سے زمانہ تھا مشتاق جس کا
وہ محبوب بالائے بام آ گیا ہے

خدا کے کرم کی کرامت تو دیکھو
کرم بن کے راس الکرام آ گیا ہے

کوئی کاش آ کر عنایت سے کہہ دے
غلاموں میں تیرا بھی نام آ گیا ہے

سید اختر ناز

توبہ

عبد اللہ بن کعب بن مالکؓ سے روایت ہے، یہ (عبداللہ) حضرت کعب کے بیٹوں میں سے ان کا رہبر تھے، جب وہ نابینا ہو گئے تھے، یہ کہتے ہیں، میں نے (اپنے باپ) کعب بن مالکؓ کو وہ واقعہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے، جب وہ غزوہ تبوک میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے۔

حضرت کعبؓ نے فرمایا۔

''جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی غزوہ (جہاد) کیا، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا، سوائے غزوہ تبوک کے، البتہ غزوہ بدر میں بھی میں پیچھے رہا تھا، لیکن غزوہ بدر میں پیچھے رہنے والوں پر ناراضی کا اظہار نہیں کیا گیا تھا، اس غزوے میں تو دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان قافلہ قریش کے تعاقب میں نکلے تھے، (یعنی ابتدا جہاد کی نیت نہیں تھی) یہاں تک کہ اللہ نے ان کو اور ان کے دشمنوں کو بغیر وعدے (بغیر ارادہ اعلان قتال) کے ایک دوسرے کے مقابل جمع (صف آرا) کر دیا، اور عقبہ کی رات (منی میں) میں حاضر تھا، جب ہم نے اسلام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد وفا باندھا تھا، اگرچہ واقعہ بدر کا چرچا لوگوں میں عقبہ کی رات سے زیادہ ہے، لیکن مجھے بدر کی حاضری سے اس رات کی حاضری زیادہ محبوب ہے، (کیونکہ اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے)

اور میرے غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ میں اتنا زیادہ قوی اور اتنا زیادہ خوش حال کبھی نہ تھا جتنا اس وقت تھا، جب میں غزوہ تبوک میں آپ سے پیچھے رہا۔

اللہ کی قسم! میرے پاس کبھی اکٹھی دو سواریاں نہیں ہوئی تھیں، جبکہ اس موقع پر مجھے بیک وقت دو سواریاں میسر تھیں، (مطلب یہ ہے کہ اسباب و وسائل کے اعتبار سے میرے پیچھے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے غیر کے ساتھ توریہ فرماتے، (یعنی سفر کی اصل سمت چھوڑ کر عام طور پر دوسری سمت کا ذکر فرماتے، تاکہ دشمن سے اصل حقیقت مخفی رہے) حتی کہ یہ غزوہ تبوک ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت گرمی کے موسم میں یہ غزوہ فرمایا، سفر دور کا اور جنگل بیابانوں کا تھا اور مدمقابل دشمن بھی بہت بڑی تعداد میں تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (توریے کی بجائے) مسلمانوں کے معاملے (یعنی اس محاذ جنگ) کو مسلمانوں کے سامنے کھول کر بیان فرما دیا، تاکہ وہ اس کے مطابق بھرپور تیاری کر لیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہ سمت بھی بتلا دی، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارادہ فرما رہے

تھے۔

مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بڑی تعداد میں تھے اور کوئی یادداشت کی کتاب ایسی نہیں تھی جس میں ان کے نام درج ہوتے، اس سے ان کی مراد رجسٹر تھا، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں، اس لیے اگر کوئی شخص جنگ سے غیر حاضر رہتا تو وہ یہی گمان کرتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخفی رہے گا اور وحی الٰہی کے بغیر اس کی غیر حاضری آپ کے علم میں نہیں آئے گی اور یہ غزوہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب پھل پک چکے تھے اور ان کا سایہ عمدہ اور خوشگوار تھا اور میں ان ہی (پھلوں اور سایوں) کی طرف میلان رکھتا تھا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں نے تیاری کی اور میرا حال یہ تھا کہ صبح کو آتا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تیاری کروں، لیکن بغیر کوئی فیصلہ کیے لوٹ جاتا اور اپنے دل میں کہتا کہ میں جب چاہوں گا (چلا جاؤں گا، کیونکہ.....) میں پوری طرح اس پر قادر (وسائل سے بہرہ ور) ہوں۔

میری یہی (گومگو کی) حالت رہی اور لوگ جہاد کی تیاری میں لگے رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلمان ایک صبح کو جہاد پر روانہ ہو گئے اور میں اپنی تیاری کے سلسلے میں کوئی فیصلہ ہی نہ کر پایا۔

میری کیفیت یہی رہی، حتیٰ کہ مجاہدین تیزی سے آگے چلے گئے اور جہاد کا معاملہ بھی آگے بڑھ گیا، میں نے ارادہ کیا کہ میں بھی سفر پر روانہ ہو جاؤں اور ان سے جا ملوں، اے کاش! کہ میں ایسا کر لیتا، لیکن یہ میرے مقدر میں نہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلے جانے کے بعد جب میں لوگوں میں نکلتا تو یہ بات میرے لیے حزن و ملال کا باعث بنتی کہ میرے سامنے اب کوئی نمونہ ہے تو صرف ایسے شخص کا جو نفاق سے مطعون ہے، (یا نفاق کی وجہ سے لوگوں میں حقیر ہے) یا ایسے کمزور لوگوں کا جنہیں اللہ نے معذور قرار دیا۔

(سارے راستے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یاد نہیں فرمایا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک پہنچ گئے، تبوک میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں تشریف فرما تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔

''کعب بن مالک نے کیا کیا؟''

بنو سلمہ کے ایک آدمی نے کہا۔

''اسے اس کی دو چادروں اور اپنے دونوں پہلوؤں کو دیکھنے نے روک لیا ہے۔'' (یعنی دولت اور اس کے عجب اور کبر نے اسے نہیں آنے دیا۔)

معاذ بن جبلؓ نے اس سے کہا۔

''تو نے ٹھیک نہیں کہا، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے اس (کعب) کے اندر خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے، یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفید پوش آدمی کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ابو خیثمہ ہو گا۔''

اور واقعی وہ ابو خیثمہ انصاری تھے اور یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے (ایک مرتبہ) ایک صاع (تقریباً ڈھائی کلو) کھجور کا صدقہ کیا تو منافقین

نے انہیں (اس کے تھوڑا ہونے کا) طعنہ دیا تھا۔
حضرت کعبؓ نے کہا، جب مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوک سے واپسی کا سفر شروع فرما دیا ہے تو مجھ پر غم کی کیفیت چھا گئی اور جھوٹے بہانے گھڑنے کا سوچنے لگا اور (دل میں) کہتا کہ کل (جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائیں گے تو) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضی سے میں کیسے بچوں گا اور اس معاملے میں، میں اپنے گھر کے ہر سمجھ دار آدمی سے بھی مدد طلب کرتا رہا۔
جب مجھے بتلایا گیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنے ہی والے ہیں تو (جھوٹے بہانے گھڑنے کا) باطل خیال میرے دل سے دور ہو گیا اور میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ بلاشبہ میں جھوٹ سے کبھی بھی بچاؤ حاصل نہیں کر سکوں گا، چنانچہ میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔
صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے، پھر لوگوں کے سامنے بیٹھ جاتے۔
(اس سفر سے واپسی پر بھی) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا تو منافقین نے آ کر عذر پیش کرنے اور حلف اٹھانے شروع کر دیے اور یہ تقریباً 80 آدمی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ظاہری عذر کو قبول فرما لیا، ان سے بیعت لی، ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی اور ان کی باطنی کیفیت کو اللہ کے سپرد کر دیا۔
میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا، جب میں نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض آدمی والا تبسم فرمایا، پھر فرمایا۔
''آگے آجاؤ۔''
میں آگے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سامنے بیٹھ گیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا۔
''تمہیں کس چیز نے (جہاد سے) پیچھے رکھا؟ کیا تم نے اپنی سواری نہیں خریدی تھی؟''
میں نے کہا۔
''اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کی قسم! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے پاس بیٹھا ہوتا تو یقیناً میں کوئی (جھوٹ موٹ) عذر کر کے اس کی ناراضی سے بچ جاتا، مجھے بحث و تکرار کا بڑا ملکہ حاصل ہے، لیکن اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے کہ اگر آج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جھوٹ بول کر سرخ رو ہو جاؤں اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مجھ سے راضی ہو جائیں تو عنقریب اللہ تعالیٰ (وحی کے ذریعے سے مطلع فرما کر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی بات عرض کر دوں تو اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر ناراض ہوں گے، لیکن اس میں مجھے اللہ سے اچھے انجام کی امید ہے، (اس لئے سچ سچ عرض کرتا ہوں) اللہ کی قسم! (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانے میں) مجھے کوئی عذر نہیں تھا، اللہ کی قسم! میں اتنا طاقت ور اور خوش حال کبھی نہیں رہا جتنا میں اس وقت تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہا۔''
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''اس شخص نے یقیناً سچ کہا ہے، چنانچہ تم (یہاں سے) کھڑے ہو جاؤ، یہاں تک کہ

تمہارے متعلق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے۔''
''میرے پیچھے بنو سلمہ کے کچھ لوگ آئے اور مجھ سے کہا۔''
''اللہ کی قسم! ہمیں نہیں معلوم کہ اس سے قبل تم نے کوئی گناہ کیا ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی ایسا عذر پیش کرنے سے کیوں قاصر رہے جیسا دوسرے پیچھے رہنے والوں نے پیش کیا، تمہارے گناہ (کی معافی) کے لئے یہی کافی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لئے مغفرت کی دعا فرماتے۔''
حضرت کعبؓ نے فرمایا۔
''اللہ کی قسم! مجھ وہ (میری سچائی پر) ملامت کرتے اور ڈانٹتے رہے، یہاں تک کہ میرے جی میں آیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہو کر اپنی پہلی بات کی تکذیب کر دوں (اور کوئی جھوٹا عذر پیش کر دوں) لیکن پھر میں نے ان سے پوچھا۔
''کہ میرے ساتھ والا معاملہ کسی اور کو بھی پیش آیا ہے؟''
انہوں نے کہا۔
''ہاں تمہارے جیسا معاملہ دو اور آدمیوں کو بھی پیش آیا ہے اور انہوں نے بھی وہی بات کہی ہے جو تم نے کہی ہے اور انہیں بھی (بارگاہ رسالت سے) وہی کچھ کہا گیا ہے جو تمہیں کہا گیا ہے۔''
میں نے ان سے پوچھا۔
''وہ شخص کون ہیں؟''
انہوں نے کہا۔
''مرارہ بن ربیع عمری اور لال بن امیہ واقفی۔''
یہ دونوں آدمی جن کا انہوں نے میرے سامنے ذکر کیا، نیک تھے اور جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے اور ان میں میرے لئے نمونہ تھا، جس وقت انہوں نے ان دونوں آدمیوں کا میرے سامنے ذکر کیا تو میں اپنے سابقہ موقف پر جم گیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے رہ جانے والوں میں ہم تینوں سے، لوگوں کو گفتگو کرنے سے روک دیا۔
حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگ ہم سے کنارہ کش ہو گئے، یا یہ کہا کہ لوگ ہمارے لئے بدل گئے، حتیٰ کہ زمین میرے لئے اوپری بن گئی، یہ زمین میرے لئے وہ نہ رہی جو میری جانی پہچانی تھی۔
اس طرح پچاس راتیں ہم نے گزاریں، میرے دوسرے دو ساتھی تو عاجز آ گئے اور گھروں میں بیٹھے روتے رہے، لیکن میں بالکل جوان اور نہایت قوی وتوانا تھا، چنانچہ میں گھر سے باہر نکلتا مسلمانوں کے ساتھ نماز میں حاضر ہوتا اور بازاروں میں گھومتا پھرتا، لیکن مجھ سے کلام کوئی نہ کرتا۔
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام بھی عرض کرتا اور اپنے دل میں کہتا کہ سلام کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مبارک لبوں کو جنبش دیتے بھی ہیں یا نہیں؟
پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی نماز پڑھتا اور دزدیدہ نظروں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا، (تو میں نے دیکھا کہ) جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رخ کرتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے اعراض فرما لیتے۔
یہاں تک کہ جب مسلمانوں کی (میرے ساتھ) سختی اور بے رخی زیادہ دراز ہو گئی تو ایک

روز میں ابو قتادہ کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر چلا گیا اور وہ میرا چچازاد بھائی اور لوگوں میں مجھے محبوب ترین تھا، میں نے اسے سلام کیا، لیکن اللہ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، میں نے اس سے کہا۔

''ابو قتادہ! میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تو میرے متعلق جانتا ہے کہ میں اللہ سے اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں؟''

وہ خاموش رہا، میں نے دوبارہ قسم دے کر پوچھا تو بھی وہ خاموش رہا، حتی کہ تیسری بار دے کر سوال دہرایا تو اس نے یہ کہا۔

''کہ اللہ اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔''

جس پر میری آنکھوں سے (بے اختیار) آنسو جاری ہو گئے اور میں (جیسے گیا تھا ویسے ہی) دیوار پھاند کر واپس آ گیا۔

اسی اثنا میں (ایک روز) میں مدینے کے بازار میں جا رہا تھا کہ اچانک اہل شام کے نبطیوں میں سے ایک نبطی جو مدینے میں غلہ بیچنے کے لئے آیا تھا، کہہ رہا تھا۔

''کہ کون ہے جو کعب بن مالک کی طرف میری رہنمائی کرے؟''

لوگ اس کے لئے میری طرف اشارہ کرنے لگے، یہاں تک کہ وہ میرے پاس آ گیا اور اس نے مجھے شاہ غسان کا ایک خط دیا، میں پڑھا لکھا تو تھا ہی، میں نے اسے پڑھا، اس میں اس نے لکھا تھا۔

''امابعد! ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے ساتھی نے تم پر ظلم کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلت کے گھر میں رہنے یا ضائع کرنے کے لئے نہیں بنایا ہے، ہم تمہیں دعوت دیتے کہ ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تم سے پوری ہمدردی کریں گے۔''

جب وقت میں نے یہ پڑھا تو میں نے کہا۔

''یہ بھی ایک آزمائش ہے۔''

میں نے اس (خط کو) تنور میں ڈال کر جلا ڈالا، حتی کہ جب پچاس دنوں میں سے چالیس دن گزر گئے اور (میرے بارے میں) وحی کا سلسلہ بھی (ابھی تک) موقوف ہی تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک قاصد کو اپنے پاس آتے ہوئے دیکھا، اس نے آ کر کہا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے (بھی) علیحدگی اختیار کر لو۔''

میں نے پوچھا۔

''کیا میں اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں؟''

اس نے کہا۔

''(طلاق) نہیں، اس سے علیحدگی اختیار کرو، اس کے قریب مت جاؤ۔''

اور میرے دوسرے دو ساتھیوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی پیغام بھجوایا، میں نے اپنی بیوی سے کہا۔

''اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ اور ان ہی کے پاس رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کا فیصلہ فرما دے۔''

☆☆☆

ابن انشاء

ہم رات بہت روئے بہت آہ و فغاں کی
دل درد سے بوجھل ہو تو پھر نیند کہاں کی

سر زانو پہ رکھے ہوئے کیا سوچ رہی ہو
کچھ بات سمجھتی ہو محبت زدگان کی؟

تم میری طرف دیکھ کے چپ ہو سی گئی تھیں
وہ ساعت خوش وقت نشاطِ گزراں کی

اک دن یہ سمجھتے تھے کہ پایانِ تمنا
اک رات ہے مہتاب کے ایامِ جواں کی

اب اور ہی اوقات ہے اے جانِ تمنا
ہم نالہ کشاں، بے گنہاں، غم زدگاں کی

اس گھر کی کھلی چھت پہ چمکتے ہوئے تارو
کہتے ہو کبھی بات وہاں جا کے یہاں کی؟

برگشتہ ہوا ہم سے، یہ مہتاب تو پیارو!
بس بات سنی، راہ چلا کاہکشاں کی

اللہ کرے میر کا جنت میں مکاں ہو
مرحوم نے ہر بات ہماری ہی بیاں کی

پڑھتے ہیں شب و روز اسی شخص کی غزلیں
غزلیں کہ حکایات ہیں ہم دل زدگاں کی

تم چرخِ چہارم کے ستارے ہو کہ لوگو!
تاراج کرو زندگیاں اہلِ جہاں کی

اچھا ہمیں بنتے ہوئے مٹتے ہوئے دیکھو
ہم موجِ گریزاں ہی سہی آبِ رواں کی

انشا سے ملو اس سے نہ روکیں گے و لیکن
اس سے یہ ملاقات نکالی ہے کہاں کی؟

مشہور ہے ہر بزم میں اس شخص کا سودا
باتیں ہیں بہت شہر میں بدنام میاں کی

اے دوستو اے دوستو اے درد نصیبو
گلیوں میں چلو سیر کریں شہرِ بتاں کی

ہم جائیں کسی سمت کسی چوک پہ ٹھہریں
کہیو نہ کوئی بات کسی سود و زیاں کی

انشا کی غزل سن لو پہ رنجور نہ ہونا
دیوانہ ہے دیوانے نے اک بات بیاں کی

ہوتا ہے یہی عشق میں ہنجار سبھی کا
باتیں یہی دیکھی ہیں محبت زدگاں کی

ام ایمان

پیاری پیاری قاری بہنوں کو ام ایمان ہاشمی کا سلام۔

آپ میں سے بہت سی بہنیں شاید میرے نام سے ابھی واقف نہ ہوں کہ ادب کے اس بحر بیکراں کا ایک ادنیٰ سا ذرہ ہوں اور آپ سب کی طرح تمام رائٹرز کو شوق سے پڑھنے والی قاری بھی، یہ تو نوازش ہے حنا کی محبت اور شفقت ہے یہ، وہ رائٹرز کو جو احترام اور محبت دیتی ہیں اس سے مجھ جیسی نوآموز رائٹرز بھی ان سے اور حنا سے جڑے رہنے میں خوشی اور فخر محسوس کرتی ہیں، میرے شب و روز بھی ان تمام عورتوں سے ہرگز مختلف نہیں ہیں جو کسی بھی خاتون خانہ کے ہوتے ہیں، جو ساتھ ساتھ ورکر بھی ہو، جی ہاں میں ایک ٹیچر ہوں، میری صبح کا آغاز بھی صبح کی نماز سے ہوتا ہے، اس کے بعد گویا وقت اور ہاتھ، پاؤں کو مشینی پہیے لگ جاتے ہیں، میرے ماشاء اللہ تین بچے ہیں، بڑی بیٹی سات سال کی، اس سے چھوٹی پانچ سال کی اور بیٹا تین سال کا ہے، ان تینوں کا ناشتا بنانے میں لگ جاتی ہوں، بڑی بیٹی اپنی پھپھو کے ہاتھ سے ناشتا کرتی ہے، چھوٹی خود ہی کر لیتی ہے، ساتھ ساتھ فرمائشیں چلتی رہتی ہیں، آج سالن نہیں کھانا، چھولے ہوں، آملیٹ برا لگتا ہے، لنچ میں نہیں لے کر جانا، خیر وہ ایک گھنٹہ کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتا ہے، بیٹا چائے کے ساتھ یا جیم کے ساتھ سلائس لیتا ہے، پھر بچوں کو سکول کی تیاری کا مرحلہ، اب بچیاں کپڑے وغیرہ خود تبدیل کر لیتی ہیں، شوز اب بھی میں ہی پہناتی ہوں، بچیوں کو تیار کر کے ان کے چاچو کے ساتھ سکول روانہ کرتے ہی گھڑی پر نظر پڑتے ہی چودہ طبق روشن ہوتے ہیں کہ میرے اپنے سکول کا ٹائم بھی ہو چکا ہوتا ہے، میدان جنگ کی صورتحال پیش کرتے گھر کو سمیٹنے میں بھی گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ بھاگتے خود تیار ہو جاتی ہوں، اتنے میں وین کے پہنچنے کا میسج ملتا ہے اور میں بیٹے کو لے کر گھر سے باہر آ جاتی ہوں، سکول گھر سے آدھے گھنٹے کی ڈرائیو پر ہے، آج کل گرمیوں میں چھٹی کا ٹائم ڈیڑھ بجے ہے تو گھر آتے آتے دو بج جاتے ہیں۔

بیٹیاں گھر آ چکی ہوتی ہیں، بیٹا نیند سے بے حال جھول رہا ہوتا ہے یہاں وہاں، اللہ کا شکر ہے ساس نے جو کہ میری پھپھو بھی ہیں، کھانا بنا کر رکھا ہوتا ہے، کھانا کھانے اور بچوں کو کھلانے کے بعد ظہر کی نماز ادا کر کے خود بھی ایک گھنٹہ کے لئے سو جاتی ہوں اور بچوں کو بھی سلا دیتی ہوں چاہے زبردستی ہی سہی، گھنٹہ ریسٹ کرنے کے بعد اٹھ کر ایک کپ چائے پی کر ذرا ہوش ٹھکانے آتے ہیں، بچوں کو اٹھا کر ہوم ورک کے لئے بٹھاتی ہوں، عصر کی نماز کے ساتھ تھوڑی سی قرآن پاک کی تلاوت کرتی ہوں، بچوں کو ہوم ورک کرانے کے بعد میں امی کے گھر آ جاتی ہوں جو کہ ساتھ والی سٹریٹ میں ہے، بچے اپنے کزنز کے ساتھ کھیل میں مصروف ہو جاتے ہیں اور میں، بھابھی، بہنیں اپنے اپنے دن کی روداد ایک دوسرے کو سناتے ہیں، کہیں آنا جانا بھی اسی ٹائم

بھگتایا جاتا ہے بچوں کو امی کے گھر چھوڑ کر (بھابھی، بہنیں، نندیں، کزنز سب ٹیچرز ہیں) مغرب کی نماز پڑھتے ہی بچوں کو لے کر گھر کی راہ لیتی ہوں، کبھی کھانا وہیں کھا کر آتے ہیں، کبھی گھر آ کر کھاتے ہیں، اکثر سالن دوپہر والا ہی ہوتا ہے، شام کو بھی کچھ ارجنٹ بن جائے تو بنا لیتی ہوں یا چاول وغیرہ کھانے کے بعد اب ایک بار پھر بچوں کا سٹڈی ٹائم سٹارٹ ہو گیا، اگلے دن ہونے والے ٹیسٹ اور سبق تیار کراتی ہوں بچوں کو، ہوم ورک پر ایک نظر پھر ڈال لیتی ہوں، تینوں بچوں کو قرآن پاک بھی اسی ٹائم پڑھاتی اور سنتی ہوں، عشاء کی نماز کے ساتھ ہی بچوں کو دودھ دے کر سلاتی ہوں خود نماز کے بعد سورہ رحمٰن سورہ ملک، سورہ واقعہ کی تلاوت کرتی ہوں اب جب بچے سو جاتے ہیں، تو اب یہ ٹائم ہوتا ہے میری اپنی ذات کی تسکین کا جس میں میرا لکھنا پڑھنا ساتھ ساتھ چلتا ہے، ہر مہینے میں سات ماہنامے میں اور میری بہنیں لیتی ہیں، آدھا مہینہ وہی پڑھنے میں اور آدھا مہینہ خود لکھنے میں گزرتا ہے، پورے دن میں یہ وقت ہوتا ہے جب میں خود کو بہت پرسکون محسوس کرتی ہوں، نو سے ساڑھے گیارہ بارہ بجے تک کے اس وقت میں، میں خود کو بالکل تازہ دم محسوس کرتی ہوں، درمیان میں شوہر سے ایس ایم ایس کا سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے۔

پسندیدہ مشاغل میں مطالعہ کرنا، کہانیاں لکھنا، نعتیں پڑھنا، سننا اور یاد کرنا شامل ہیں، الحمدللہ فیملی میں سب باپردہ ہیں، عبایا اور حجاب لیتی ہیں سب خواتین اور بچیاں اور میں تو اپنے گھر سے امی کے گھر تک جانے کے لئے ٹوپی والا برقع بھی بڑے شوق اور خوشی سے استعمال کر لیتی ہوں، نہ باندھنے کا جھنجھٹ نہ لپیٹنے کا ٹنٹا، سر پہ رکھا ایک منٹ سے بھی کم وقت میں عورت پوری ڈھک چھپ جاتی ہے، اتوار کو روٹین تھوڑی تبدیل ہوتی ہے، صبح نماز کے بعد دیر تک سونا، پھر پورا ہفتہ ماسی کے ہاتھ سے صاف ہونے والے گھر کی صفائی، اپنے اور بچیوں کے پورے ہفتے کے کپڑے پریس کرنا، ہاں کپڑے دھونے والا کام روز کا روز کر لیتی ہوں اس لئے اتوار اس کام سے آزادی ہوتی ہے، بچوں کا فرمائشی پروگرام بھی اتوار ہی کو پورا کرتی ہوں، دوپہر دو تین بجے تک تھکا ہارا ذہن و جسم صاف ستھرا گھر اور نپٹائے سارے کام دیکھ کر فریش ہو جاتے ہیں، ٹی وی ہے گھر میں مگر کبھی نہ دیکھا نہ چلایا کہ مجھے یہ وقت کا ضیاع لگتا ہے، کوشش کر رہی ہوں کہ بچوں کو بھی اس سے دور رکھوں مگر گھر میں اپنی روٹین سے خوش رہنے والے بچے تب اس کوشش کو ناکام بنا دیتے ہیں جب رشتہ داروں کے گھر ٹی وی دیکھ کر گھر میں ٹی وی چلانے کی فرمائش کرتے ہیں، میرے شوہر کی جاب دوسرے شہر میں ہے، وہ ہر تین ماہ بعد دس بارہ دن کے لئے اور مہینے میں ایک بار ویک اینڈ پر آ جاتے ہیں۔

بس جی یہ ہے میرے دن اور رات کی مصروفیت، اوکے قارئین! جن لوگوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر یہ وقت ام ایمان قاضی کے ساتھ گزارا ان کا بے حد شکریہ اور جن کو وقت ضائع کرنے کے مترادف لگا ان سے معذرت، زندگی رہی تو پھر ملیں گے، تب تک کے لئے اللہ حافظ۔

☆☆☆

ربت کے اس بار کہیں

نایاب جیلانی

نویں قسط کا خلاصہ

شادمان کی محدود زندگی میں نشرہ حالات کی چکی میں پستی جارہی ہے، سلیمان تایا اور نوازش چچا کے رحم وکرم پہ اس کی زندگی وبال ہے۔
دوبئی سے آنے والا پھوپھو زاد دلبد نشرہ کے لئے اپنے دل میں نرم جذبات رکھتا ہے، صائمہ تائی کی عینی نشرہ سے جلتی ہے۔
ہوٹل روز گل میں اسامہ جہانگیر کا قیام ہے، اسامہ آرکیالوجسٹ ہے، ایک حادثے میں اس کی ملاقات عشیہ سے ہوتی ہے، دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لئے نرم جذبات ہیں۔
سباخانہ اور حمت کے تعلقات سرد ہیں، حمت سردار بٹو کی بھتیجی ہے، اس کی حیثیت بی جاناں کی نگاہ میں صفر سے بھی کم ہے، البتہ سباخانہ میں بی بی جاناں کی جان بند ہے۔
نیل بر سردار بٹو کی اکلوتی طرح دار بیٹی ہے، جہاندار سردار بٹو کا معتمد خاص ہے اور نیل بر کی ذمہ داری پلس حفاظت پہ مامور بھی۔
ہیام کو کرائے کے مکان کی تلاش ہے، بیہ کی مدد سے اسے ایک مکان میں کرائے پہ کمرہ مل جاتا ہے، ہیام اچھی رہائش کے لئے پرامید ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

دسویں قسط

☆☆☆

منگورہ شہر دھیرے دھیرے سیاہی میں لپٹ رہا تھا۔

وسیع سبزہ زار اس وقت تاریکی میں گم تھا، سیاحوں کے خیموں کی مدھم روشنی اور دور بیال گاؤں کے جھونپڑوں میں روشن چراغوں کے سوا ہر سمت شب کی تاریکی کا راج تھا۔

مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے ماہ انجم کی جلوہ نمائی بھی نہیں تھی، ہر طرف ہو کا ایسا عالم تھا کہ دل و دماغ میں ہول و ہراس کا طوفان سا اٹھنے لگا۔

یا پھر یہ کیفیات کچھ الگ تھیں، کچھ دیر پہلے ہونے والی بوندا باندی موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر گئی تھی اور وہ ابھی تک ایک شیڈ تلے گم صم ساکت اور بے حس کھڑا تھا۔

کچھ دیر پہلے کا منظر یاد آتا تو جیسے لہو گرم ہو کر کھولنے لگتا تھا، اس کی آنکھیں لال بوٹی خون چھلکانے لگتی تھیں اور وہ اپنی ٹانگوں پہ تن کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہو گیا۔

دائیں کندھے پہ سفری بیگ لدا تھا، جس کی وجہ سے کندھا الگ شل ہو رہا تھا، لیکن اسے کسی بوجھ کا فی الوقت احساس تک نہیں تھا، وہ دھندلی آنکھوں سے گرتی ہوئی بوندوں کو دیکھتا تو ہر چیز دھند میں لپٹی نظر آتی تھی، لیکن ایک منظر ابھی تک جاوداں تھا۔

چھتری تلے دو اجنبی، جو اجنبی ہی نہیں ہر رشتے سے الگ دکھائی دیتے تھے، ان میں ایک تو اس کی بہن عشیہ تھی اور اس کے برابر کون تھا؟ غیر شناسا؟ اجنبی؟ پرایا؟ وہ کس کو اپنے چھاتے تلے لئے چل رہی تھی؟ ہیام کے اندر کلبلاتے سوال ہر حد کو کراس کرنا چاہتے تھے۔

اس کی غیر موجودگی میں یہاں کیا ہو رہا تھا؟ اس کی بہن کس غیر آدمی کے ساتھ چل رہی تھی؟ وہ کون تھا جو عشیہ کے برابر چل رہا تھا؟ اور عشیہ کیا پاگل ہو چکی تھی؟ اس کی غیر موجودگی میں اتنا کھلم کھلا اجنبیوں کے ساتھ بے تکلفی سے چلتی اور باتیں کرتی تھی، اگر وہ زیادہ گہرائی میں جا کر غور کرتا تو ان دونوں کے درمیان اجنبیت کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے اس انداز میں دکھائی دے رہے تھے جیسے دونوں برسوں سے ایک دوسرے کے شناسا ہوں، اس کی بہن اپنے بھائی کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا رہی تھی کیا؟ وہ کسی اجنبی مرد سے راہ و رسم بڑھا رہی تھی؟ یہ سوچ ہیام کے دماغ کو مفلوج کرنے کے لئے کافی تھی، وہ جتنا سوچتا اتنا الجھتا، غصہ کرتا، خود پہ تاؤ چڑھتا، اس کی غیرت و حمیت کے لئے یہ بہت بڑا دھچکا تھا، اس کے گھر اس کی غیر موجودگی میں کیا کیا سین چل رہے تھے؟ ہیام کا دل چاہا آس پاس کے ہر پہاڑ سے سر ٹکراتا پھرے، اپنا گریبان چاک کرے اور کچھ نہیں تو مارے شرم کے ندی میں ڈوب جائے۔

وہ اس دن کے لئے پردیس کاٹ رہا تھا کہ پیچھے سے اس کی بہنوں کو آزادی مل جائے اور وہ اس کی غیرت کو گلیوں میں للکارتی پھریں، ہیام سوچ کی انتہا پہ غصے سے پاگل ہوتا لمحہ بھر کے لئے ٹھٹک گیا، پھر جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے سے ایک پردہ ہٹا تھا۔

''میں کیا بکواس سوچے جا رہا ہوں، کیا میں اپنی بہنوں کو نہیں جانتا اور پھر عشیہ تو ایسی نہیں، وہ تو بڑی ہمدرد اور خدا ترس ہے، کسی کو بھیگتا دیکھا ہو گا تو اس پہ ترس آ گیا ہو گا، مجھے خواہ مخواہ وہموں

میں نہیں پڑنا چاہیے، مجھے کچھ بھی غلط نہیں سوچنا چاہیے۔" ہیام نے خود کو ڈپٹتے ہوئے سوچوں کے بہاؤ کو مثبت کیا تو چلتے چلتے کروٹیں لیتے دل کو قرار آ گیا تھا۔

اور جب وہ اپنے گھر کے قریب پہنچا تب تک بارش رک چکی تھی، بادل اچانک چھٹ گئے تھے اور ماہ انجم کی اچانک رونمائی ہوئی تھی، دودھیا چاند نے اپنی تمام تر لطافت اور روشنی کو زمین کے سپرد کر دیا تھا، اس کا گھر چاند کی روشنی میں بہت واضح طور پہ جگمگا رہا تھا۔

وہ ایک ترنگ میں باؤنڈری وال کے سبزے کو عبور کر کے اندر آیا، احاطے میں دور دور تک چاندنی چٹک رہی تھی، اس سے آگے داخلی دروازہ تھا، جیسے ہی ہیام آگے بڑھا، اسے ایک ہیولا احاطے سے نکلتا اور آگے بڑھتا دکھائی دیا تھا، ہیولا بھی ایسا جس نے ہاتھ میں چھاتا پکڑ رکھا تھا، ہیام لمحہ بھر کے لئے بھونچکا رہ گیا تھا، کیونکہ گیٹ پہ عشیہ بھی موجود تھی۔

☆☆☆

امام بالکل اچانک بغیر بتائے واپس اسلام آباد آ گیا تھا، اس خبر نے دونوں پورشن میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی، پلوشہ، کومے، شانزے اور ہمان بہت خوش اور پر جوش تھے، ہمان نے تو امام کو دیکھ کر ایک نعرہ مستانہ بلند کیا تھا۔

"صد شکر کہ تم آ گئے، میں اس گھر کے لئے سودے ڈھو ڈھو کر عاجز آ چکا ہوں۔" ہمان جو ناک بھوں چڑھاتا ہر اتوار کو اتوار بازار جاتا تھا، سودے خریدنے کا ناپسندیدہ کام کرتا تھا، امام کو دیکھ کر خوشی سے چہکنے لگا تھا، یوں کہ تھکا ہارا امام صوفے پہ ڈھیر ہوتا ایک دم سیدھا ہوا تھا۔

"منہ دھو رکھو ہمان! میں صرف ایک رات کے لئے آیا ہوں، میرا وہاں بہت کام ہے، چھٹی کا تو نئی نئی ٹرانسفر میں سوال ہی نہیں تھا، میں تو کومے سے ملنے آ گیا ہوں۔" امام کے جتلانے پہ اندر آتی شانزے کا دل دھک سے رہ گیا تھا، کیا صرف کومے سے ملنے؟ اس کے اندر ایک عجیب سا انگڑائی لیتا احساس اٹھا تھا، وہ لمحوں میں ریت کی طرح بکھر گئی تھی، قریب تھا کہ وہ واپس ہی پلٹ جاتی، اچانک ہمان نے اسے دیکھ لیا تھا، پھر آواز دے کر روک بھی لیا۔

شانزے خود پہ قابو پاتی ذرا مسکرا کر آگے بڑھی تھی، سامنے ہی وہ دشمن جاں جلوہ افروز تھا، شانزے کا دل بے قابو ہونے لگا۔

"تمہیں یاد آ گئی ہماری۔" اس نے آگے آتے ہوئے بے ساختہ شکوہ کیا تھا، امام بھی چونک کر سیدھا ہوا، پھر اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی تھی، شانزے تھم کر دیکھنے لگی، شمالی علاقہ جات کی صحت افزا آب و ہوا نے اسے پہلے سے زیادہ وجاہت بخش دی تھی، وہ بے خیالی میں دیکھتی چلی گئی تھی، معاً ہمان کو گلا کھنکار کے اسے اپنی طرف متوجہ کرنا پڑا۔

پلوشہ اس وقت کچن میں تھیں اور امام کے لئے خاص الخاص ڈشز کا اہتمام کر رہی تھی، شانزے کو اس خفت سے بچنے کے لئے پلوشہ کو ڈھونڈنا پڑا تھا، لیکن ہمان اسے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا، اس نے بے ساختہ پلوشہ کو دیکھتے ہوئے شانزے سے کہا۔

''برائے مہربانی کچن میں جانے کی ضرورت نہیں، آج کومے اور تمہارے ہاتھ سے بنے کھانے سے ہم محفوظ رہنا چاہتے ہیں، بڑے دنوں بعد امام کے طفیل خالہ کے ہاتھ کا کھانا نصیب ہوگا۔'' ہمان کے ہاتھ جوڑنے پہ کومے چیخ کر غرائی تھی۔

''تو پھر پورا سال ترستے رہنا، خالہ تو امام بھائی کے لئے اتنا تردد کر رہی ہیں، ورنہ وہ تو اب کچن میں جھانکتی تک نہیں، بھائی تو چلا جائے گا کل شام تک، تم بھی اپنا بوریا بستر گول کر کے کسی ہوٹل میں قیام کر لینا، کیونکہ میں اور شانزے تمہیں سوکھی روٹی کا ٹکڑا تک نہیں دیں گی۔'' کومے کے خطرناک تیور دیکھ کر ہمان کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے، وہ فوراً پینترا بدل کر خوشامد پہ اتر آیا تھا۔

''میں نے تمہارا نام تو لیا ہی نہیں، تم تو میری بہت پیاری بہن ہو، شیف ذاکر اور زبیدہ آپا سے زیادہ اچھی کوکنگ کرتی ہو، ان لوگوں نے تمہاری ریسپیز چرا چرا کر اپنا نام بنا رکھا ہے، دل چھوٹا کیوں کرتی ہو، میں تو شانزے کے بارے میں بات کر رہا تھا۔'' اس کی خوشامد پہ کومے کیا خوش ہوتی اچانک شانزے بھی غصہ دکھا گئی تھی۔

''یعنی کہ میں اچھی کوکنگ نہیں کرتی؟ اب آنا تم میری طرف پراٹھے کھانے، تمہاری منت سماجت پہ ہرگز کان نہیں دھروں گی، یہ تم ہی ہونا جو شانزے شانزے کرتے ہی اچھے سالن کے لئے ہمارے کچن کی چوکھٹ پکڑ لیتے تھے کہ کومے ہانڈی ایسے بناتی ہے جیسے گھانس پھونس پکا رکھی ہو، پراٹھے اتنے موٹے جیسے نان ہوں، تم سے کھائے نہیں جاتے تھے۔'' شانزے نے بھی اگلے پچھلے حساب برابر کیے تو ہمان کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔

''یقین کرو کومے! ایسا کچھ نہیں۔'' کومے کو مٹھیاں بھینچتے دیکھ کر ہمان مری مری آواز میں اپنی صفائی دینے لگا تھا، لیکن کومے اس کی ایک بات بھی سن نہیں رہی تھی، بلکہ کشن لے کر اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی، یوں کہ ہمان آگے آگے تھا، کومے اس کے پیچھے پیچھے تھی، ان دونوں کے باہر نکلتے ہی امام نے شانزے سے کہا۔

''تم نے ان دونوں کو لڑا دیا ہے۔'' شانزے لاپرواہی سے شانے اچکانے لگی۔

''یہ کوئی نئی بات نہیں، ان دونوں کا لڑنا وطیرہ ہے۔'' اس کا انداز ہلکا پھلکا تھا، لیکن امام نجانے کیوں سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، یہ بات تو لگائی بجھائی کے زمرے میں آتی ہے، تم جانتی تو ہو، کومے کی ضد اور غصے کو، اب ہفتوں ہمان سے بولے گی نہیں، وہ بہت ضدی واقع ہوئی ہے۔'' امام تاسف سے کہہ رہا تھا، یہ جانے بغیر کہ لفظ لگائی بجھائی پہ شانزے بھونچکی رہ گئی تھی، امام کے اچانک آنے کی خوشی ہوا ہوتی نظر آ رہی تھی، وہ خالی خالی نظروں سے امام کو دیکھتی رہ گئی تھی، جیسے اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اس کے لئے امام نے کہا تھا، کیا شانزے لگائی بجھائی کرنے والی تھی؟

تمہیں یاد کرتی ہے میری جان
دل آویز رہتی ہے پریشان
پریشان پریشان پریشان
دل آویز پریشان پریشان

پری اپنی ہی دھن میں ڈسٹنگ کرتی گانا گنگنا رہی تھی، اس کے سبز تل والے چہرے پہ بڑی نرم اور کھلی کھلی مسکراہٹ تھی، اس کے ہاتھ پھرتی سے فرنیچر جھاڑ رہے تھے اور لبوں کی حرکت ہنوز جاری تھی، معاً سیڑھیاں اترتا صندیر خان باہر کی طرف جاتا ٹھٹک گیا تھا۔

اس کے پشاوری چپل میں مقید پاؤں کی ہلکی آہٹ پہ پری نے سر اٹھا کر دیکھا تو لمحہ بھر کے لئے گڑبڑا گئی تھی، سامنے صندیر خان پوری آن بان سے کھڑا تھا، پری کے ہاتھ سے ڈسٹر گرا اور زمین بوس ہو گیا، اس نے اپنی اوڑھنی کو جلدی سے سر پہ درست کیا اور کپکپاتی آواز میں بولی۔

''خان! کچھ چاہیے کیا؟'' وہ اس کی طرف بغور دیکھتا واضح طور پر اس کے لہجے کی کپکپاہٹ کو محسوس کر رہا تھا، پری کی جیسے جان پہ بن آئی تھی، خوف کے مارے وہ کپکپانے لگی۔

''خان! مجھ سے کچھ غلط ہو گیا؟'' وہ رو دینے کو تھی، اس کی پلکیں لرز رہی تھیں اور ہونٹ کپکپا رہے تھے، صندیر خان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا تاہم اس کے لبوں پہ معنی خیز سا ایک تبسم ضرور ابھر آیا تھا، یوں کہ پری کی جیسے جان میں جان آئی تھی۔

''غلط تو کچھ نہیں ہوا، مگر ہو بھی سکتا تھا۔'' اس کے انداز میں واضح مسکراہٹ تھی، پری ہکا بکا رہ گئی۔

''کک...... کیا؟''

''ضروری نہیں تمہیں بتایا جائے۔'' خان کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔

''جی۔'' وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی تھی۔

''میں نے سوچا آپ کو کوئی کام نہ ہو۔'' اس کا انداز عجیب بے ربط تھا، وہ عجیب الٹ پلٹ بول رہی تھی۔

''اچھا...... تو تم سوچتی بھی ہو۔'' خان جیسے فرصت میں کھڑا پوچھ رہا تھا، اپنے سارے کام بھلا کر، پری پہ زلزلہ کیسے نہ اترتا۔

''جی...... سوچتی ہوں۔'' اس نے اعتراف کیا۔

صندیر خان کے لبوں پہ ایک مرتبہ پھر معنی خیز قسم کا تبسم امڈ آیا تھا۔

''کیسے سوچتی ہو؟'' وہ بڑے انداز میں بولا تھا، اسے یہ کم گو سی بے ضرر خدمت گار پسند تھی، شروع سے اس گھر میں پلی بڑھی تھی، دوسرے زیادہ بولتی اور اٹھکیلیاں کرتی دکھائی نہیں دیتی تھی، کم گو اور سنجیدہ رہتی تھی۔

''آپ کو۔'' پری کے منہ سے بے ساختہ پھسل گیا تھا، جیسے تیر کمان سے نکل گیا تھا، اب کے ٹھٹکنے کی باری صندیر خان کی تھی، وہ جو ہلکے پھلکے انداز میں اس کی باتوں کو انجوائے کر رہا تھا، واضح

طور پر ٹھٹک گیا۔
"مجھے۔" اس کی آواز غراہٹ نما تھی، لہجہ تیز تھا، پری کا دل کرچی کرچی ہو گیا، خوف کے مارے اس پہ کپکپی طاری تھی۔
"او...... میری ماں! میرے منہ سے کیا نکل گیا؟" پری کو جیسے خوف کے مارے دل کا دورہ پڑ گیا تھا، جبکہ صندیر خان اسے ڈر سے کپکپاتے اور زرد پڑتے دیکھ کر تھوڑا نرم ہوا، اسے یہ سوال ذرا نرمی سے پوچھنا چاہیے تھا، غصے میں وہ بھلا کیا بتا سکتی تھی؟ کیونکہ صندیر خان کے رعب اور غصے کو برداشت کرنا عام بندے کے بس کا روگ نہیں تھا۔
"بتاؤ نا، میرے بارے میں کیا سوچتی ہو؟" اب کہ صندیر خان نے لہجہ بدل لیا، اک نظر گھڑی کی آگے بڑھتی سوئیوں کو دیکھ کر اس نے بڑی فرصت سے سوال کیا تھا، پری پہ کپکپی طاری ہو گئی۔
اب بتائے تو کیا بتائے، خان جان چھوڑنے والا نہیں تھا، ٹلنے والا نہیں تھا، اس کی جان شکنجے میں آن پھنسی تھی۔
"بولو بھی، مجھے دیر ہو رہی ہے۔" صندیر خان تھوڑا جھنجھلایا، پری تھوک نگلتے ہوئے آنکھیں بند کیے ایک وجد کے عالم میں بول اٹھی تھی۔
"یہ سوچتی ہوں...... صندیر خان بہت خوبصورت ہے۔" اس کے لہجے میں بہتے جھرنوں کی سی روانی تھی، صندیر خان کچھ چونکا پھر مسکرا دیا، پھر وہ سر کو دائیں بائیں ہلاتے مسکراتا چلا گیا تھا۔
"بس؟"
"اور بھی سوچتی ہوں۔" پری نے روانی سے بے دھیانی میں بے ساختہ کہہ دیا۔
"کیا؟" خان کی دلچسپی قابل دید تھی۔
"یہ کہ خان کبھی ہر روز مسکرائے تو کس قدر اچھا لگے۔" پری نے سر جھکا کر کہا تھا، صندیر خان خلاف عادت مسکراتا چلا گیا، پھر آگے بڑھنے سے پہلے اس نے پری کے سر پہ دو انگلیوں سے کر اس لگایا اور مسکراتا ہوا آگے نکل گیا، لیکن اس کے الفاظ پری کو کتنی دیر تک مسحور کرتے رہے تھے۔
"تم کبھی کبھی اچھا بول لیتی ہو، اس دماغ میں بھوسے کی جگہ اچھے لفظوں کا سبزہ اگ رہا ہے۔" وہ خان کے الفاظ دوہراتی مسکراتی جا رہی تھی، جب اچانک سبا خانہ کی اس پہ نظر پڑی تھی، کچھ ہی دیر میں وہ چیل کی طرح لپکتی ہوئی اس کے قریب آ گئی تھی۔
"صندیر خان تمہارے پاس کھڑا کیا کہہ رہا تھا؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا تھا یوں کہ پری کے ہاتھ سے ڈیکوریشن پیس چھوٹ کر قالین پہ گر گیا، سبا خانہ اچانک ہی اس کے سر پہ سوار ہو گئی تھی، پری گھبرا اٹھی۔
"کچھ بھی نہیں۔" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا تھا، سبا خانہ نے اسے شعلہ فشاں نظروں سے گھورا۔
"جھوٹ بولتی ہو۔"
"نہیں تو...... میں سچ کہہ رہی ہوں، ماں کی قسم۔" پری نے جان بچانی چاہی تھی، ورنہ

سبا خانہ تو بال کی کھال اتارتی تھی۔
''وہ تو بڑا ہنس رہا تھا، ہمارے سامنے تو کبھی مسکرایا تک نہیں۔'' وہ دھاڑی تھی اور اب بھی مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
''مجھے نہیں پتا، آپ خان سے خود کہہ لو، تمہارے سامنے بھی مسکرا لیا کرے۔'' پری کا انداز سادہ سا تھا، لیکن سبا خانہ کو تو بڑی تپ چڑھ گئی تھی۔
''کبھی جہاندار تو کبھی صندید خان سب کو تمہاری پرواہ ہے، کیا گھول کر پلاتی ہو انہیں۔'' وہ زہر خند ہوئی۔
''کیسی باتیں کرتی ہو آپ، میں کیوں گھول کر پلاؤں گی۔'' پری برا مان گئی۔
''تو پھر وہ دونوں تمہارے گرد پروانوں کی طرح کیوں گھومتے ہیں؟'' سبا خانہ نجانے کس کا غصہ پری پر اتار رہی تھی۔
''میں غریب آدمی ہوں خانزادی، اگر کوئی میری پرواہ کرتا ہے تو ہمدردی یا ترس کے لئے، آپ کو غصہ کیوں آ رہا ہے؟'' پری رودینے کو تھی، سبا خانہ اسے مسلسل گھورتی رہی۔
''بی جاناں نے تمہیں سر پہ چڑھا رکھا ہے، ورنہ تمہارا دماغ ٹھکانے لگا دیتی۔'' اس نے تلخی سے سر جھٹک دیا۔
''اور ہاں ایک بات یاد رکھو، جہاندار سے دور رہا کرو، وہ زیادہ تمہارا ہمدرد بنتا ہے، رات کو بھی بی جاناں سے کہہ رہا تھا، پری کو اسکول کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں، تم نے پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے؟ خبردار جو آئندہ تم نے جہاندار سے کتابوں کی بات کی تو، بہت بری طرح سے پیش آؤں گی۔''
سبا خانہ کا انداز دھمکانے والا تھا، وہ پاؤں پٹختی باہر نکلی تب ہی جہاندار اندر داخل ہوا تھا۔
جہاندار اندر آتے ہی صورتحال کو بھانپ گیا تھا، سبا خانہ کا پری کے پاس سے ہٹ کر جانا خوش آئند نہیں ہو سکتا تھا، پری کے نانا کی خواہش پہ جہاندار نے ایک دو مرتبہ بی جاناں سے بات کی تھی کہ پری کا اسکول شروع کروا دیں، خلاف توقع بی جاناں بھی مان گئی تھیں، سو جہاندار شہر گیا تو اس کے لئے کتابیں وغیرہ لے آیا تھا، جب سبا خانہ کو پتا چلا تو اس نے اس بات پہ لاحاصل بحث کی تھی، وہ نوکروں کی تعلیم کے سخت خلاف تھی۔
''اس نے پڑھ لکھ کر افسر نہیں لگ جانا، نوکروں کو ان کی اوقات میں رکھنا چاہیے۔'' سبا خانہ کا انداز بہت برا تھا، اس وقت کھانے کی میز پہ وہ دونوں ہی تھیں، نیل بر رات سے گھر نہیں تھی، جہاندار اس کے ہمراہ تھا اور سبا خانہ کو اسی بات پہ غصہ تھا، جہاندار جب جب کسی کے ساتھ نظر آتا یا کسی کے لئے نرمی یا ہمدردی دکھاتا تب سبا خانہ کی برداشت اپنی حد کراس کر جاتی تھی۔
وہ جہاندار کی نظر میں کیا تھی؟ شاید کچھ بھی نہیں؟ تبھی تو جہاندار کو اس گھر میں سب کی پرواہ ہوتی تھی سوائے سبا خانہ کے۔
اور اب وہی جہاندار ایک مرتبہ پھر پری کے قریب کھڑا اس سے کچھ پوچھ رہا تھا، سبا خانہ جو باہر نکل رہی تھی لمحہ بھر کے لئے رک گئی تھی، اس کا رواں رواں سلگنے لگا، کیونکہ جہاندار کی واضح آواز اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

''تمہاری کتابیں لے آیا ہوں، تم بتاؤ کیا ہوا ہے تمہیں، کیوں رو رہی ہو؟'' جہاندار کے لہجے میں واضح تفکر تھا، وہ اسے پریشانی کے عالم میں دیکھتا رہا، پری جو آنکھیں مسل رہی تھی، لمحہ بھر کے لئے گڑبڑا گئی۔

''مجھے کچھ نہیں ہوا، آنکھ میں شاید کچھ چلا گیا ہے۔'' وہ ہکلا سی گئی تھی۔

''جھوٹ نہیں چلے گا، شاباش بتا دو، سباخانہ نے کچھ کہا؟'' جہاندار کی ملائم آواز سباخانہ کو بری طرح سے کھولا گئی تھی، اس کا دل چاہ رہا تھا، ہمدردیاں بٹورتی پری کے منہ پر دو تھانچے مار آئے۔

''نہیں تو۔'' وہ صاف مکر گئی تھی، لیکن وہ بھی جہاندار تھا، بغیر اس کے بتائے ہی سمجھ گیا۔

''سباخانہ جو بھی کہے، دھیان مت دیا کرو اس کی تو عادت ہے۔'' وہ ملائمت سے اسے سمجھانے لگا۔

''تمہاری کتابیں آ گئی ہیں، اب پڑھائی پہ توجہ دو، بی جاناں نے تمہیں آگے پڑھنے کی اجازت دے دی ہے۔'' جہاندار نے اسے مژدہ جاں فزا سنایا تھا، پری سارا رونا دھونا بھول گئی تھی۔

''کیا واقعی؟'' اس کا چہرہ جگمگا اٹھا۔

''ہاں۔'' جہاندار مسکرایا، تو پری خوشی خوشی اپنی کتابیں لینے کے لئے گاڑی کی طرف چلی گئی تھی، جس کی ڈگی میں اس کے لئے خزانہ موجود تھا۔

پری کے نکلتے ہی اس کی نگاہ سباخانہ پر پڑی تھی، جہاندار جو باہر جا رہا تھا لمحہ بھر کے لئے رک گیا، گو کہ اس نے سباخانہ کو پہلے ہی دیکھ رکھا تھا، پھر بھی اس سے بات کرنے کا جہاندار نے ارادہ ترک کر دیا تھا۔

جیسے ہی وہ اس سے کترا کر باہر جانے لگا، سباخانہ اچانک اس کے سامنے آ گئی تھی، جہاندار کو لامحالہ رکنا پڑا، وہ اسے شعلہ بار نظروں سے گھور رہی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' جہاندار نے بڑے ضبط سے پوچھا تھا، سباخانہ اسے مسلسل گھورتی رہی تھی، وہ ذرا جھنجلا گیا۔

''تم پری کے اتنے ہمدرد کیوں ہو؟ وہ اس گھر کی ملازمہ ہے، تم لوگ اسے اتنا پروٹوکول کیوں دیتے ہو۔'' سباخانہ نے کھول کر کہا تھا، جہاندار نے گہرا سانس کھینچ لیا۔

''تمہیں پری سے اتنی چڑ کیوں ہے؟''

''میں کیوں اس سے چڑوں گی؟'' سباخانہ کی تیوری چڑھ گئی تھی۔

''پھر؟ مجھ پہ غصہ ہے؟'' وہ اس کے اندر تک اتر گیا تھا، سباخانہ اندر تک سلگ گئی۔

''مجھے کیوں غصہ ہونے لگا؟''

''یہ تو تمہیں پتا ہو گا۔'' جہاندار مسکرایا۔

''غلط فہمی ہے تمہاری۔''

''چلو مان لیتا ہوں۔'' وہ بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔

''تم نیل بر کی خدمتیں کر کے لوٹ آئے؟'' سباخانہ کوئی بھی طنز کا وار خالی جانے نہیں دیتی

تھی، جہاندار ہلکا سا مسکرا دیا۔
"خدمتیں؟ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا، نیل بر میری فل ٹائم جاب کا حصہ ہے۔"
"ہونہہ۔" سہا خانہ نے سر جھٹک دیا تھا۔
"جیسے تم تو بھوکے ننگے تھے، اتنی زمین ہے تمہاری، بیچ کر کاروبار کر لیتے، کسی شہر میں نوکری کر لیتے، یہاں نیل بر کا باڈی گارڈ بننا ضروری تھا۔" وہ زہر خند ہوئی تھی۔
"ضروری تھا، بہت ضروری تھا۔" اچانک جہاندار سنجیدہ ہو گیا تھا، اس کے چہرے پہ پتھروں کی سی سختی اتر گئی تھی، پھر وہ پلٹ کر باہر جانے کی بجائے بارہ دری کی طرف مڑ گیا تھا، اس کا انداز عجیب تھا بلکہ بہت ہی عجیب۔

☆☆☆

وہ رونئی کی آبادی طرف محو سفر تھا۔
رونئی کی آبادی بٹو گاہ ندی کے قریب تھی، یہاں تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل تعمیر ہونے والے انگریز پولیٹیکل ایجنٹ کی رہائش گاہ کے علاوہ جیل کی عمارت، پولو گراؤنڈ، سرکاری ملازمین کی رہائش گاہیں اور دفاتر تھے۔
وہاں ایک مچھلی کی افزائش نسل کے لئے ایک چھوٹا سا مچھلی گھر بھی قائم تھا، رونئی سے متصل شلکٹ نامی آبادی تھی، چلاس کی سب سے قدیم اور بڑی آبادی "بٹوٹ" تھی جو بٹو گاہ نالے کے ساتھ ساتھ شاہراہ ریشم تک پھیلی تھی، چلاس کی تیسری آبادی سونی وال کوٹ تھی، جو وادی کوہستان اور کشمیر سے نقل مکانی کر کے آنے والے لوگوں کا مسکن تھی، وہ اس وقت چلاس کے قدیم قلعے کی جانب رواں تھا۔
اس نے خیالوں میں جو اس تاریخی قلعے کی عمارت کا خاکہ بنایا تھا اس وقت اپنا سا منہ لے کر رہ گیا، یہ قلعہ جس کو دیکھنے کی چاہ اسے کشاں کشاں کھینچ لائی تھی، وہ اس وقت پولیس کی تحویل میں تھا، جس نے اس کی تاریخی حیثیت کو پائمال کر کے اسے اپنے دفاتر میں تبدیل کر دیا تھا، نظریہ ضرورت کے تحت اس کے سامنے والے بیرونی حصے میں کافی تبدیلیاں کی گئی تھیں، ان تبدیلیوں سے قلعے کا قدیم طرز تعمیر متاثر ہوا تھا۔
تاہم اس کی مضبوط دیواروں سے آج بھی اس کی عظمت رفتہ کی جھلک دیکھی جا سکتی تھی، وہ بڑا ہی بدمزہ ہو کر قلعے سے باہر نکلا تھا، جس شوق کے عالم میں وہ آیا تھا وہ شوق مٹی تلے دب چکا تھا۔
اس سے بہتر تھا وہ بٹو خاندان کے آبائی قبرستان میں مزید کھدائی کا کام مکمل کر لیتا، آج سے دو دن پہلے جب وہ حمت کی موجودگی میں رات کے پہلے پہر کھدائی کا کام شروع کر رہا تھا، تب اسے بلوشہ خان نامی عورت کی قبر کے دائیں جانب سے ایک کتبہ ملا تھا، یہ کتبہ مٹی تلے دبا ہوا تھا، جو خاصا قدیم لگ رہا تھا، کتبے کے اوپر لکھے نام اجنبی تھے، ایک ہی تختی پہ دو نام کندہ تھے، وہ کتبہ دیکھ کر کچھ حیران ہوا تھا اور حمت کچھ ششدر رہ گئی تھی۔
کتبہ کس نے دبایا تھا؟ اور اتنے سال پہلے کیوں دبایا گیا تھا؟ اسے تو کسی کی قبر کے سرہانے

لگانا چاہیے تھا، زمین کے اندر دبانے کی کیا ضرورت تھی؟ کھدائی کے تیسرے دن نوادرات اور آثار قدیمہ کے نشانات ملنے کی بجائے اسے ایک بے جان سنگ مرمر کا کتبہ ملا تھا۔

اسامہ دل ہی دل میں سخت بیزار ہوا، اس نے کھدائی کا کام کچھ عرصہ کے لئے بند کر دیا تھا، لیکن اس رات حمت نے اسے اتنا ضرور کہا تھا۔

''اس قبرستان سے تمہیں کوئی تاریخی چیز ضرور ملے گی، تم ہمت مت ہارو۔'' اس کا انداز تسلی بخش تھا اور وہ اپنی ماں کی قبر کے پاس بیٹھی ہل ہل کر کچھ پڑھ رہی تھی، اسامہ جو دل برداشتہ بیٹھا تھا کدال سے مٹی برابر کر کے گڑھے کا نشان مٹاتے ہوئے بولا۔

''یہ کس کی قبر ہے حمت!'' اس کا انداز کچھ پرسوچ تھا۔

''یہ.....'' حمت نے حیرت سے اشارہ کیا۔

''یہی تو میری ماں کی قبر ہے۔''

''اچھا۔'' اسامہ نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔

''اور یہ کتبہ۔'' اس نے زمین پہ پڑے غبار آلود کتبے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''پہ پتا نہیں کس کا ہے۔'' حمت نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''میں اس کی مٹی کھرچتا ہوں۔'' اسامہ نے جھک کر کدال سے مٹی برابر کر کے کھدائی کے تمام تر نشان مٹا دیئے تھے۔

''تم اسے دھولو، مٹی سخت ہے، کھرچنے سے کام نہیں بنے گا۔'' حمت نے اسے مشورہ دیا تھا، اسامہ کچھ سوچ کر سر ہلا گیا۔

''دھونے کے لئے تو ندی تک جانا پڑے گا۔''

''ندی کون سا بہت دور ہے۔'' حمت نے سنجیدگی سے کہا تھا، اسامہ کچھ سوچ کر کتبہ اٹھاتے ہوئے چل پڑا تھا، حمت بھی ٹارچ پکڑ کے اس کے پیچھے ندی تک آ گئی تھی۔

ندی کے پار گنہ گار پہاڑ شان سے کھڑا تھا، یہ پہاڑ گنہ گار کیوں تھا؟ حمت آج تک پتا نہیں لگا سکی تھی اور اسامہ تک گنہ گار پہاڑ کی تاریخ کھنگالنے سے قاصر تھا۔

جانے اس بے چارے کو گنہ گار کیوں کہا گیا تھا؟ وہ سر جھٹک کر بھاری کتبے کو ندی کے پانی میں ڈبو ڈبو کر صاف کرنے لگا، تب حمت نے اپنے سر پہ لگے کیچر کو اتارا جس کے کنگھے جیسے دندان بنے ہوئے تھے، اس نے کیچر اسامہ کو تھمایا جس کے استعمال کو سمجھ کر اسامہ زور زور سے مٹی کھرچنے لگا تھا، تھوڑی سی محنت کے بعد مٹی گیلی ہو کر اتر گئی تھی، کتبے کی تحریر شفاف تھی اور اس پہ لکھے نام انتہائی اجنبی۔

☆☆☆

پوری رات عجیب سی بے کلی میں گزر گئی تھی۔

نیلی بر کی زندگی میں یہ پہلی رات تھی جس نے اسے اس قدر بے چین کیا تھا، وہ رات بھر سو نہیں سکی تھی، دن بھر چین نہیں پا سکی تھی۔

اپنے اندر ہوتی ہلچل اور تبدیلیوں نے اسے حواس باختہ کر دیا تھا، دل اتنا بے قابو تو کبھی نہیں

رہا تھا، دل اس قدر بے چین تو ہرگز نہیں رہتا تھا، وہ تو فطرتاً لااُبالی اور لاپرواہ سی لڑکی تھی، چھوٹی چھوٹی باتوں کو چٹکیوں میں اڑا دیتی تھی، لیکن اب کی تبدیلی میں کیا نیا پن تھا؟ دل اختیار کی حدوں سے باہر کیوں تھا؟ دل اس قدر بے چین کیوں تھا؟

نیل بر اتنے دن اسی سوال جواب کے چکر میں رہی تھی پھر جانے اس کے دل میں کیا سمائی، وہ گھوڑے پہ چڑھی اور اندھا دھند پولو گراؤنڈ میں گھوڑے کو دوڑاتی رہی تھی۔

بے مقصد کئی گھنٹے گھوڑے کو تھکا دینے کے بعد جب وہ خود بھی نڈھال ہوگئی تو گھوڑے کا رخ بدل گیا، وہ بے مقصد بیال کی حدود میں چکرانے لگی تھی۔

یہاں سے نانگا پربت کا نظارہ بھی صاف دکھائی دیتا تھا، کچھ غیر ملکی سیاح بیال میں دکھائی دے رہے تھے، ان کے رنگ برنگے خیموں کی جھلک دور سے ہی دکھائی دیتی تھی۔

آسمان پہ بادلوں نے بسیرا کر رکھا تھا، ہوا میں خنکی بڑھنے لگی تھی، یوں کہ نیل بر کو گرم کپڑوں کی ضرورت کا احساس ہوا تھا مگر وہ کسی سویٹر اور جرسی کو پہننے کے لئے واپس بنو محل نہیں جانا چاہتی تھی۔

جب دل بہت بیزار ہوا تو اس نے گھوڑے کو ایک اجنبی راستے کی طرف دوڑا دیا تھا، وہ کہاں جا رہی تھی؟ اسے کچھ خبر نہیں تھی؟ کوئی احساس نہیں تھا؟

جب آدھے گھنٹے بعد ایک سنسان بنگلے کے قریب گھوڑے کے ٹاپ رکے اور لگامیں کھینچی گئیں تو نیل بر کو ہوش آیا تھا، وہ گھنے جنگلات کے سائے تلے موجود ایک سنسان، ویران، اجاڑ بنگلے کے پھاٹک پہ کھڑی تھی، ہکا بکا اور ششدر، وہ یہاں کیوں آئی تھی؟ کس لئے آئی تھی؟ کون سی طاقت اسے یہاں کھینچ لائی تھی؟ اس کا دل خوف کے مارے پھڑ پھڑا کر رہ گیا تھا۔

قریب تھا کہ وہ اندھا دھند پلٹ جاتی، جنگلات کے پار بیال کی طرف رواں دواں ہو جاتی، بیال کے اس آخری کنارے سے اپنے بنو محل کی طرف بھاگ جاتی۔

معاً پھاٹک کا دروازہ کھلا تھا اور پری کا باپ خان باہر کی طرف ٹارچ پکڑ کر جھانکنے لگا، پھاٹک کے قریب گھڑ سوار کو دیکھ کر خان ورطۂ حیرت میں مبتلا ہو گیا تھا، اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں خوف اور حیرانی اتر آئی تھی، لمحہ بھر کے لئے وہ خوفزدہ ہو گیا تھا، یہاں تک کہ گھڑ سوار کو نیچے اترنا پڑا، جیسے ہی خان کی نگاہ نیل بر پر پڑی اس کی جیسے جان میں جان آ گئی تھی، وہ اسے پہچان کر قریب آ گیا۔

''خانزادی نیل بر! آپ اس وقت یہاں کیوں آیا ہے؟'' پری کا باپ انتہائی حیرت سے سوال کر رہا تھا، نیل بر لمحہ بھر کے لئے سوچ میں ڈوب گئی تھی، بھلا اسے کیا جواب دیتی؟ کیا پوچھتی؟ پھر اچانک اسے ایک جواز مل گیا تھا۔

''اس بنگلے میں کوئی آفیسر رہتا ہے؟'' نیل بر نے حتی المقدور اپنے لہجے کو سرسری بنا کر پوچھا تھا، خان کی چھوٹی آنکھوں میں تحیر ایک مرتبہ پھر ابھر آیا، کیا وہ اتنی چھوٹی سی بات پوچھنے کے لئے اس پہر بنو محل سے یہاں آئی تھی؟ خان کیوں نا حیران ہوتا؟

''رہتا تو تھا۔'' خان کو بتانا ہی پڑا، اپنی حیرت پہ قابو پانا ہی پڑا، نیل بر جیسے چوکنا ہو کر ایک

دم چیخ پڑی تھی۔
''تھا؟ کیا مطلب؟'' اس کی چیخ میں بے ساختہ پن تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔
''وہ تو چلا گیا ہے۔'' خان کو اس کے صدمے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔
''کیا کوئی کام تھا خانزادی؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھ لیا تھا۔
''کام؟ نہیں تو۔'' وہ لمحہ بھر کے لئے گڑبڑائی تھی، پھر اچانک جانے لگی اور لمحہ بھر کے لئے رک گئی تھی۔
''وہ کب آئے گا؟ کیا ہمیشہ کے لئے چلا گیا؟'' نیل بر کی آواز میں کانچ سے چیخ رہے تھے، خان نے تابعداری سے بتایا۔
''نہیں۔''
''تو پھر کب آئے گا؟'' نیل بر کے مایوس لہجے میں امید کھنکنائی تھی۔
''وہ ٹرانسفر ہو کر نہیں گیا، وہ یہاں کا نیا سرد ئیر آفیسر ہے۔'' خان نے اس کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔
''ہاں، تو پھر؟'' نیل بر بے قرار ہو گئی تھی۔
''وہ پیر کی صبح آ جائے گا۔'' خان نے اس کی ٹوٹتی امیدوں کو تر و تازہ کر کے زندہ کر دیا تھا، نیل بر کی اندھیرے میں بھی آنکھیں جگمگا اٹھی تھیں، اسے یوں لگا زندگی کو ایک نیا سنگ میل مل گیا ہے۔

☆☆☆

ندی کا پل وہیں تھا، طویل اور لرزہ خیز، جب کوئی چلتا تو پل ہل ہل کر چلنے والے کو خوف میں مبتلا کر دیتا تھا، اس کے نیچے پانی بھی رواں تھا، لیکن نرم، بہتا ہوا۔
وہی پانی جو کسی البیلی لڑکی کا دوائیوں والا نسخہ بہا کر لے گیا تھا، وہ لڑکی جو بے دھیانی میں بھاگتی ہوئی شاہوار بٹو کے ہٹ کی طرف آ گئی تھی۔
اور آج شاہوار بٹو کا ہٹ بھی وہیں تھا اور شاہوار بٹو بھی وہیں تھا، مگر وہ البیلی لڑکی کہیں نہیں تھی، وہ کتنی ہی مرتبہ ندی کے پل کو عبور کر کے ڈھلوانوں کی طرف آیا تھا، شاید کہیں آتے جاتے اس لڑکی سے دوبارہ سامنا ہو جائے، جس کا خوبصورت نام ابھی تک اس کے حافظے میں محفوظ تھا۔
وہ چلتا چلتا آج بھی ندی کا پل عبور کر آیا تھا، ڈھلوانوں کی طرف بھی گیا تھا اور پھولوں کے جھنڈ سے بھی گزرا تھا، مگر عشیہ کا کہیں نشان نہیں تھا۔
وہ اس دن کے بعد سے اسے دکھائی نہیں دی تھی، شاہوار جانے کتنی مرتبہ ناکام حسرت لے کر پلٹ گیا تھا، لیکن اس کے مکان کی طرف جانے کی اسے جرأت نہیں ہو سکی تھی۔
وہ آج بھی انہی رستوں پہ چل رہا تھا، سوچوں میں گم اور خیالوں کی گلیوں میں بھٹکتا ہوا، معاً وہاں سے ایک لڑکی پھولوں کی ٹوکری اٹھائے گزر رہی تھی، پیچھے سے اسے یوں ہی لگا جیسے عشیہ ہو، یہ کا زبردست الوژن تھا جو خیالوں سے مجسم آ کھڑا ہوا تھا، شاہوار لمحہ بھر کے لئے متحیر رہ گیا تھا۔

پھر اس کے ساکت لبوں نے حرکت کی تھی اور ایک بازگشت سنسان وادی کی فضاؤں میں گونج اٹھی تھی، اس کے ہونٹوں سے ایک نغمہ برآمد ہوا۔

''عشیہ!''

آگے بڑھتی لڑکی ایک جھٹکے سے رکی تھی پھر اچانک ایڑیوں کے بل گھوم کر اس کے سامنے آ گئی، شاہوار بنو کو دیکھ کر اس لڑکی پہ شادی مرگ کی سی کیفیت طاری تھی، وہ جیسے لمحہ بھر کے لئے فریز ہو گئی تھی، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی سرخوشی کی لہر اٹھی تھی جس نے اس لڑکی کو سرتاپا مسرت سے ہم کنار کر دیا۔

''شاہوار خان!'' وہ مارے حیرت کے تھم گئی تھی، کیا شاہوار خان نے اسے بلایا تھا؟ وہ دیوانہ وار اسے دیکھتی رہی، جبکہ شاہوار خان الگ سے شرمندہ کھڑا تھا۔

''آئم سوری۔'' وہ عشیہ نہیں تھی، جیسے عشیہ سمجھ کر اس نے پکارنے کی غلطی کر لی تھی، اب سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ غلطی کا ازالہ کیسے کرے؟ وہ انتہائی شرمسار کھڑا تھا۔

''آپ نے مجھے بلایا تھا کیا؟'' وہ شوق الفت میں بڑی بے تابی سے پوچھ رہی تھی، شاہوار تھوڑا چونک گیا۔

''مجھ سے غلطی ہو گئی، میں پہچان نہیں سکا، معذرت چاہتا ہوں۔'' اس کا انداز انتہائی شائستہ تھا۔

''اٹس اوکے یہ میرے لئے اعزاز کی بات ہے، آپ نے مجھے اس قابل جانا۔'' مقابل کا لہجہ فدویانہ قسم کا تھا، شاہوار تھوڑا اور چونک گیا۔

''سوری، میں آپ کو جانتا نہیں۔'' وہ الجھ کر بولا تھا، سامنے کھڑی لڑکی کی بے تکلفی اس کے لئے باعث حیرت تھی۔

''تو جلدی کیا ہے؟ آپ مجھے اب جان سکتے ہیں، میرا نام۔'' لڑکی اپنے ازلی پرجوش لہجے میں چہک کر اپنا نام بتانا چاہتی تھی، جب شاہوار نے بے ساختہ اسے روک دیا تھا۔

''مجھے آپ کا نام نہیں جاننا۔'' اب کہ اس کا لہجہ تھوڑا درشت تھا، اس لڑکی کا رنگ اس واضح بے عزتی پہ اڑ سا گیا تھا، اس کے ہونٹ غصے سے کانپ اٹھے۔

''مگر۔'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''کوئی اگر مگر نہیں، میں کسی اور کے گمان میں آپ کو پکار بیٹھا۔'' شاہوار کا لہجہ کرخت تھا۔

''کس کے گمان میں؟'' اس نے اڑی رنگت کے ساتھ پوچھا۔

''میں تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔'' وہ شائستگی کا سارا چولا اتار چکا تھا، عجیب لسوڑا ٹائپ لڑکی تھی، جان ہی نہیں چھوڑ رہی تھی، خواہ مخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔

''بتانا تو آپ کو پڑے گا۔'' اس کھلی بے عزتی کے بعد وہ پہلی مرتبہ ڈھٹائی کے ساتھ مسکرائی۔

''کیوں؟''

''یہ تو آپ کو پتا ہو گا۔''

''کیا بکواس ہے۔'' وہ چڑ گیا تھا اور پلٹنے لگا تھا، وہ ڈھیٹ لڑکی اچانک اس کے سامنے آ گئی

تھی اور بڑے اعتماد کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔
''بکواس نہیں، حقیقت ہے۔'' وہ مسکراتی ہوئی عجیب انداز میں گویا ہوئی تھی، وہ سر جھٹک کر اس ملامت سے پیچھا چھڑواتا واپس پل کی طرف جا رہا تھا، اسے لمبے لمبے ڈگ بھر کے پل عبور کرنا تھا اور جلد از جلد اس لڑکی کی آنکھوں سے دور ہونا تھا، جیسے ہی وہ ڈھلوان سے اترا پیچھے سے ایک چنگاڑتی آواز آئی تھی۔
''میں عروفہ ہوں، عشیہ کی بہن، وہی عشیہ جس کی چاہ تمہیں یہاں کھینچ لائی۔'' وہ عروفہ کی چنگاڑ پہ شاہوار کو ہزار واٹ کا کرنٹ لگا تھا، وہ ایڑیوں کے بل گھوم کر پیچھے کی طرف پلٹا پیچھے عروفہ نہیں تھی۔

☆☆☆

شانزے کے لئے امام کا لیا دیا سنجیدہ رویہ بڑا تکلیف دہ تھا۔
امام بدل گیا تھا یا پھر دیا مر جا کر وہ ان لوگوں سے دور ہو چکا تھا، لیکن یہ دوری ہمان اور کومے کے لئے تو نہیں تھی، یہ دوری تو محض شانزے کے لئے تھی۔
یا پھر شانزے کے حسیات تیز تھیں جو آنے والی دوریوں کو بہت پہلے ہی سمجھ چکی تھیں، اس کا دل بڑا اداس اور ویران تھا، یوں لگتا تھا، دل کی گلیوں میں سناٹوں کے سوا کچھ بھی نہیں، نہ کوئی چہل پہل نہ کوئی آواز، ہر طرف خاموشی، گہرا سناٹا تھا، مہیب چپ تھی جو دل کی دیواروں سے لپٹ رہی تھی۔
شانزے کی ممی اسے غم زدہ دیکھ کر حیران رہ گئیں، وہ اس کے لئے انار کا رس نکال کر لائی تھیں، شانزے ابھی تک بستر میں پڑی تھی، اس کی ممی متفکر ہو گئیں۔
''شانو! میری جان کیوں لیٹی ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' وہ پردے ہٹا کر کھڑکیاں کھولتی ملائمت سے بولی تھیں، شانزے ماں کو دیکھ کر اچانک گھبرا گئی۔
''ممی آپ!'' اس نے ہونٹ چبا کر بمشکل بال سمیٹے تھے پھر اٹھ کر بستر سے نیچے اتر آئی۔
''یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے، حد ہے شانزے! تم ذرا بھی پریکٹیکل لڑکی نہیں لگ رہی، خود مختار، پڑھی لکھی ہو لیکن سمجھدار لگ رہی ہو اس وقت، انتہائی ست الوجود اور پوستی اٹھو فریش ہو جاؤ۔'' انہوں نے بے ساختہ اسے جھاڑ دیا تھا، شانزے نے جمائی روک کر کہا۔
''اس بے عزتی کا مطلب سمجھ سکتی ہوں؟'' ممی اسے برابر گھورتی رہی تھیں پھر ڈپٹ کر بولیں۔
''کومے تمہیں بلانے آئی تھی، مگر تم باہر نہیں آئی۔''
''میں سو رہی تھی۔'' اس نے سستی سے بتایا تھا۔
''بس سوتی ہی رہنا، امام اتنے ہفتوں بعد آیا ہے، کل وہ چلا جائے گا، میں سوچ رہی تھی، رات ڈنر پہ انہیں بلاتی۔'' ممی نے اپنا خیال ظاہر کیا تو شانزے بے ساختہ چونک گئی تھی۔
''آپ صرف سوچ رہی تھیں؟ ابھی تک عمل نہیں کیا؟'' اس کا انداز شرارتی تھا، ممی نے اسے

گھور کر دیکھا۔

"تم اٹھ کر ذرا مینیو چیک کرو، کچن دیکھو، میں کومے اور امام کو بتا آتی ہوں۔" وہ ذرا پرجوش سی اٹھ کر باہر نکل گئی تھیں، اس کی ماں امام کے لئے ایسے ہی پرجوش رہتی تھی، ان کی بہت سی ٹیپکل ماؤں کی طرح خواہش تھی کہ شانزے شادی کے بعد ہمیشہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہے، شانزے ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور یہ خواہش کوئی عجیب نہیں تھی، شانزے کو ایک ہی صورت میں اس گھر میں ہمیشہ کے لئے رکھا جا سکتا تھا، امام اور شانزے کی شادی کے بعد۔

یہ ان کی دیرینہ خواہش تھی، انہوں نے جب جب سوچا تھا، شانزے کو امام کے ساتھ ہی سوچا تھا، بظاہر اس رشتے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی، وہ جلد از جلد اپنی نند سے بات کر کے اس رشتے کو حتمی شکل دینا چاہتی تھیں۔

اور آج کی دعوت میں ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی خواہش کا اظہار کرنے کا وہ پکا ارادہ رکھتی تھیں، ممی کے جانے سے پہلے شانزے اٹھ کر کچن میں آ گئی تھی، لیکن ممی بھی جلدی پلٹ آئی تھیں، شانزے ایک دم حیران رہ گئی، اس نے دعوت کی تیاری کے لئے ابتدائی چیزیں سلیب پہ رکھنی شروع کر دی تھیں، جب ممی اچانک اندر آ گئیں، شانزے نے حیرت سے چکن کی پیکٹ فریج سے نکالتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ آ بھی گئیں ممی!"

"ہاں۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پیکٹس پکڑ کر فریز کرنے شروع کر دیئے تھے، شانزے حیران رہ گئی۔

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" وہ ممی کو دیکھ کر ششدر تھی، ممی کا انداز کچھ بجھا بجھا لگ رہا تھا، شانزے تھوڑا کھٹک گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ بتائیں تو سہی۔" وہ متفکر ہو گئی تھی، ممی نے ایک دم گہرا سانس خارج کیا تھا پھر سلیب کا سامان سمیٹتی ہوئی بولی تھیں۔

"امام نے منع کر دیا۔" ان کا انداز تھکا تھکا سا تھا، شانزے متحیر رہ گئی۔

"کیوں منع کر دیا؟" اس کا دل اچانک بجھ گیا تھا۔

"کومے سے پرامس کر چکا ہے، وہ لوگ سرینا میں کھانا کھائیں گے اور کل سویرے وہ چلا جائے گا، یوں دعوت تو نہیں ہو سکے گی اور وہ والی بات۔" ممی زیرلب بڑبڑاتی سخت دل برداشتہ تھیں اور اچانک شانزے کے دل میں بھی امام کے کٹھور پن کی وجہ سے "غصہ بھر" آ گیا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

روشنی کا سفر
فرزانہ حبیب فرزین

اپنے آفس کے قریب واقع لندن کے
خوبصورت Royal park میں موجود ہوتے
ہوئے بھی وہ ذہنی طور پر اس ماحول کا حصہ نہیں
معلوم ہورہی تھی اس کے پسندیدہ چیز سینڈوچ اور
کافی کا کپ کب کے ٹھنڈے ہوچکے تھے مگر اس
کی بے نیازی عروج پر تھی یہ پارک اس کا پسندیدہ
تھا یہاں موجود جاگنگ ٹریک پر بے فکر، شوخ اور
منچلے لڑکے لڑکیاں، سلائیڈنگ کرتے بچے اور
آپس میں گپ شپ کرتے بزرگ اسے وقتی طور
پر اس کی یاسیت بھری زندگی سے نکال دیتے تھے
یہاں آکر وہ ہمیشہ سکون وراحت محسوس کرتی تھی
مگر آج ٹھنڈی چلتی ہوا کے جھونکے، پارک کے
دائیں طرف موجود مصنوعی جھیل میں تیرتے
بطخوں کے جوڑے، چاروں طرف موجود ہریالی
کوئی بھی چیز اس کو اپنی طرف مائل نہیں کرسکی ہر
چیز اسے ایک گہری جامد خاموشی اور اداس کی دھند
میں لپٹی نظر آئی، جب سے اس نے ہوش سنبھالا
تھا اپنے گرد صرف ایک ہی رشتہ پایا تھا، جو کہ
گرینی کا تھا گرینی جو ایک ویمن ہوسٹل کی نگراں
تھی انہوں نے ہی اسے پالا تھا وہی اس کی ماں،
باپ، بہن، دوست غرض اس کی کل کائنات تھی
اس نے گرینی سے کئی بار اپنے والدین کے
بارے میں پوچھا انہوں نے صرف اتنا بتایا کہ اس
کی پیدائش سے پہلے اس کا باپ انہیں چھوڑ گیا تھا
اور پیدائش کے بعد اس کی ماں یعنی گرینی کی بہن
بھی ان کو چھوڑ گئی انہیں یہ سنہری بالوں اور نیلی
آنکھوں والی گلابی کمبل میں لپٹی نرم ملائم گالوں
والی بے بی اتنی پسند آئی کہ انہوں نے اپنی بہن
سے کیے وعدہ کے مطابق اسے گود لے لیا اور اپنی
بنا کر اس کی پرورش کی، گرینی کا بھی اب اس دنیا
میں کوئی نہیں تھا ان کے شوہر کا روڈ ایکسیڈنٹ
میں انتقال ہوگیا تھا لہٰذا اب جولیا کی صورت میں

مکمل ناول

ان کی ممتا کو تسکین مل گئی تھی، جولیا نے بھی ان کو سگی بیٹی جیسا مان اور پیار دیا، وہ ان کے ساتھ ہر ہفتے چرچ بھی جاتی تھی اور فارغ اوقات میں بائبل بھی پڑھتی تھی مگر جیسے جیسے وہ شعور کی دنیا میں قدم رکھ رہی تھی یہ تمام عبادتیں اس کو سکون کی بجائے ایک الجھن اور اضطراب میں منتقل کر رہی تھیں گرینی نے اسے بہترین کونونٹ (Convent) اسکول میں تعلیم دلوائی تھی اور اب وہ لندن کی مشہور میٹروپولیٹن یونورسٹی سے میڈیا سائنس میں گریجویشن کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ پارٹ ٹائم ایک ملٹی نیشنل ادارے میں Receotionist کے فرائض انجام دے رہی تھی اکثر جب وہ بے چینی اور الجھن محسوس کرتی تو اس قریبی پارک میں چلی آتی جہاں لوگوں اور شرارتی، ہنستے مسکراتے زندگی سے بھرپور معصوم بچوں کا شور کچھ دیر کے لئے اس کے اندر اٹھنے والے سوالات اور الجھن کو دبا دیتا تھا مگر آج اس کا دل کسی چیز میں بھی کشش محسوس نہیں کر رہا تھا بظاہر اس کی نظریں سامنے سلائیڈنگ لیتے بچوں کی طرف تھی مگر اس کی سماعت میں اب تک وہ آواز گونج رہی تھی جس نے اس کی توجہ اپنی طرف اس طرح کھینچی تھی کہ اب چاہ کر بھی وہ اس پر کیف آواز کے سحر سے نہیں نکل پا رہی تھی، آج اس کو اپنے پروجیکٹ کے سلسلے میں لندن کے اس علاقے میں جانا پڑا جہاں مسلم کمیونٹی کی اکثریت آباد تھی وہیں شام کے بڑھتے سائے دیکھ کر اس کے قدم گھر کی طرف اٹھے اسے اندازہ تھا کہ گرینی اس کے لئے فکر مند ہونگی اور پھر صبح سے کام میں معروفیت کی وجہ سے اس کی بھوک بھی بڑھ گئی تھی یہی سب سوچتے وہ اپنی گاڑی کی طرف آئی تو اسے سامنے سفید ماربل سے بنی گول محرابوں والی عمارت سے ایک آواز فضا میں بلند ہوتی ہوئی سنائی دی جس نے خود بخود اس کو اپنی طرف متوجہ کر لی اس کے قدم آگے بڑھنے سے انکاری تھے وہ اس آواز کے سحر میں کھو گئی وہ بالکل غیر مانوس زبان کے الفاظ تھے۔

''اللہ اکبر، اللہ اکبر...... حی الفلاح۔'' کچھ اس طرح کے الفاظ تھے جس کا مطلب تو اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا مگر اس آواز میں کوئی سحر کوئی طلسم تھا، اس نے اپنے گلاسز سر پر ٹکاتے ہوئے سامنے عمارت کی طرف دیکھا جس کے سفید گول محرابوں اور شیشم کی لکڑی کے دروازے پر اجنبی زبان میں کچھ الفاظ کندہ تھے، کیا؟ یہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھے پھر اس نے دیکھا بہت سے مرد سر پر Cap (ٹوپی) پہنے اس عمارت میں داخل ہو رہے تھے ان کے چہرے پر نور اور سکون تھا کچھ مردوں کے ساتھ پیارے پیارے شلوار کرتا پہنے معصوم بچے بھی تھے جو اپنے بابا کی انگلی تھامے ہنستے مسکراتے اس عمارت میں داخل ہو رہے تھے، جب وہ آواز آنا بند ہوئی تو ایکدم وہ ایک ٹرانس سے باہر آئی مگر ابھی تک وہ اس پراسرار اور پرکیف طلسم میں تھی وہ گاڑی میں بیٹھ کر کب اس پارک میں پہنچی اسے یاد نہیں تب سے ہی اس کی یہی حالت تھی کہ اچانک موبائل فون کی تیز آواز سے اس پرسکون ماحول میں ارتعاش پیدا ہوا، جولیا ایکدم اپنے خیالات سے چونکی اور فون ریسیو کیا جو گرینی کا تھا وہ اس کے لئے پریشان تھی، اس نے ٹائم دیکھا اسے گھڑی کے چمکتے ڈائل نے سات بجے کا پتہ دیا۔

''اوہ میں اتنی دیر سے یہاں بیٹھی ہوں گرینی کا پریشان ہونا فطری ہے میں، مجھے اب گھر چلنا چاہیے۔'' اپنے موجودہ کیفیت سے بمشکل خود کو نکالتے ہوئے اس نے گھر کی طرف سفر کیا۔

''اتنی دیر لگا دی؟ سوئیٹ ہارٹ، میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی اور اب تو ڈنر کا ٹائم ہو گیا ہے تم ایسا کرو جلدی سے فریش ہو جاؤ پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں۔'' گرینی نے عجلت بھرے انداز میں اس کے افسردہ چہرے پر نظر ڈالے بغیر کچن کا رخ کیا، کھانے کی ٹیبل پر اپنے فیورٹ میکرونیز اور چکن کارن سوپ کے باوجود وہ صرف پلیٹ میں تھوڑا سا میکرونیز ڈالے چمچ کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے بی؟ تم ڈنر کیوں نہیں کر رہی جبکہ صبح سے آج تم بزی تھی تم نے یقیناً لنچ بھی نہیں کیا ہوگا؟ کیا کوئی پریشانی ہے؟'' گرینی کو اس کی غائب دماغی اور خاموشی سے کسی انہونی کا احساس ہوا۔

''ہوں، ہاں..... گرینی بس ایسے ہی آج طبیعت تھوڑی سست ہو رہی ہے شاید کام کا برڈن تھا۔'' جولیا نے بمشکل اپنے خیالات سے پیچھا چھڑاتے ہوئے گرینی کو تسلی دینی چاہی اور نہ چاہتے ہوئے بھی کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''گرینی ایک بات پوچھوں؟ یہ اذان (Azaan) کیا ہوتی ہے؟'' اور جولیا کے سوال پر گرینی کا ڈش کی طرف جاتا ہاتھ وہیں ساکت رہ گیا۔

☆☆☆

''اوہ یار آج تو بہت دیر ہو گئی، اف چاچی کی تو مجھے فکر نہیں مگر دادی کا لیکچر، اوف، اب اتنی اچھی ڈانس پارٹی کے بعد میرا اب ان کا اخلاقیات پر مبنی لیکچر سننے کا کوئی موڈ نہیں۔'' بلال عرف بونی نے اپنے گاڑی کی طرف جاتے ہوئے اپنے دوستوں سے کہا۔

''اوہ یار یہ بوڑھے لوگ بھی ناں، اپنا وقت تو انجوائے کر چکے ہوتے ہیں اور بڑھاپے میں انہیں نماز، روزہ اور واعظ کا خبط ہوتا ہے، Thank God میرے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ایک ڈیڈ ہیں وہ بھی زیادہ تر ابروڈ رہتے ہیں اور یہاں آزادی ہی آزادی جو چاہے کرو، جیسے چاہے لائف گزارو کوئی ٹینشن نہیں۔'' جمشید عرف جمی نے آنکھ دباتے ہوئے کہا تو اس کے باقی دوست بھی ہاتھ میں ہاتھ مار کر ہنسنے لگے اور اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے، دور کہیں مسجدوں سے فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں، وہ وقت مسلمان کے اٹھنے اور اس کے در پہ حاضری دینے اور ایک اور خوبصورت دن عطا کرنے پر اس کے شکرانے کا ہوتا ہے وہ وقت ایسی ہائی سوسائٹی کے بگڑے ہوئے نوجوانوں کی خواب غفلت کا ہوتا ہے، کیونکہ پوری رات ان کی مختلف کلبوں اور پارٹیوں میں زندگی کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرتے گزرتی ہے، جن کے والدین اپنے بچوں کو دنیا کی ہر عیاشی اور آرائش مہیا کر کے اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان کی اولادوں کے پاس پر تعیش زندگی کی ہر سہولت موجود ہے۔

جب بلال گھر میں داخل ہوا، دادو لاؤنج میں فجر کی نماز کے بعد وظائف میں مصروف تھی بلال ان سے نظر بچا کر اپنے روم میں جانا چاہتا تھا۔

''بلال!'' دادو کی آواز پر اسے مجبوراً رکنا پڑا۔

''Good morning grandmoom۔''

''اس وقت تم کہاں سے آ رہے ہو؟ شریف لڑکوں کا یہ شیوہ نہیں بیٹا کہ پوری رات گھر سے باہر گزارو اور آج کل کے حالات کی وجہ سے میرا دل ڈرتا رہتا ہے اور ہاں تم مسلمان ہو، کتنی

بار منع کیا ہے کہ یہ انگریزوں والا سلام نہیں کیا کرو، سلام کا مطلب بیٹا سلامتی ہے اور یہ گڈ مارننگ......'' دادو نے اپنے مخصوص نرم انداز میں بلال کو ہمیشہ کی طرح سمجھانا چاہا۔

''اوہو گرینڈ مام I,m too tired ابھی یہ لیکچر سننے کا بالکل موڈ نہیں میں سونے جارہا ہوں بعد میں بات ہوتی ہے بائے۔'' یہ کہہ کر بلال نیند میں جھومتے اپنے روم کی طرف روانہ ہوگیا، دادو اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گئی اور اس کی ہدایت کے لئے دعا کرنے لگیں۔

☆☆☆

''تم نے یہ لفظ کہاں سے سنا؟'' گرینی نے جولیا کی طرف کچھ کھوجتی نگاہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پلیز آپ بس مجھے یہ بتائیں کہ (Azaan) کیا ہوتا ہے؟'' جولیا نے ان کی بات کو ان سنی کرتے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

''میرا خیال ہے تم بہت تھک گئی ہو Now you shouls take rest مجھے بھی کرسمس کی تیاری کرنی ہے تمہیں یاد ہے ناں؟ اگلے ہفتے Father نے جیسس مسیح کی تاریخ پر ایک لیکچر ''گراس چرچ'' میں ارینج کیا ہے اور تمہیں وہاں لازمی چلنا ہے۔'' گرینی نے اس کا دھیان بٹاتے ہوئے حتمی انداز میں کہا، جولیا بھی سمجھ گئی تھی کہ گرینی شاید اس کے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتیں۔

''او کے، گرینی میں اب آرام کرتی ہوں آپ بھی میڈیسن لے کر سو جائیں تھک گئی ہوں گی، گڈ نائٹ۔'' اس نے گرینی کے ہاتھ پر معمول کے مطابق بوسہ دیتے ہوئے کہا گرینی نے بھی سکون کا سانس لیا کو جولیا کا دھیان بٹانے میں وہ کامیاب ہوگئیں ہے، مگر یہ ان کی خام خیالی تھی رات سوتے وقت بھی جولیا کے کانوں میں وہ اجنبی عزبی زبن کے الفاظ گونج رہے تھے جو اس کی سمجھ سے بالاتر مگر شعور کو جھنجھوڑ دینے والے تھے، اسی کیفیت میں وہ دوسرے دن یونیورسٹی پہنچی تو اسے اپنی گلاس میں کسی نیو اسٹوڈنٹ کے آنے کا پتہ چلا۔

''Hi۔'' جولیا نے اس کے پاس جا کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا اسے وہ لڑکی بہت اچھی لگی تھی پورے سر کو اسکارف سے ڈھانپے سر جھکا کر نوٹ بک پر کچھ لکھتے ہوئے اسے بہت پیاری لگی نہ جانے کیوں اس کا دل اس سے دوستی کا خواہاں ہوا۔

''السلام علیکم!'' آمنہ نے خوشدلی سے اس کا ہاتھ تھاما، جولیا اس کی طرف چونک کر دیکھنے لگی یہ اسی زبان کے الفاظ تھے جس کی وجہ سے وہ کل سے الجھن میں تھی، اس نے ناسمجھی سے آمنہ کی طرف دیکھا شاید آمنہ اس کی کیفیت سمجھ گئی تھی جب ہی اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے وضاحت کی۔

''I m muslim اور السلام علیکم کا مطلب ہے آپ پر سلامتی ہو یعنی God bless you جیسے تم لوگ Wish,Good morning کرتے ہو۔''

''اوہ اچھا۔'' جولیا کو یہ Wishing بہت اچھی لگی۔

''تم سے مل کر بہت اچھا لگا Hope, now,we are friends۔'' جولیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''Same here مجھے بھی بہت اچھا لگا، ورنہ میں بہت پریشان تھی کہ لندن جیسے اجنبی اور بڑے شہر میں دو سال کیسے رہونگی مگر بابا کی خواہش تھی کہ میں لندن کی میرو پولیٹن یونیورسٹی

سے گریجویشن کروں تمہیں پتہ ہے، میرے چاچو یعنی بابا کے بھائی نے بھی اسی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی ہے اور میں اپنے بابا کی خواہش رد نہیں کر سکتی I love him v.much۔" اپنے بابا کے بارے میں بتاتے ہوئے آمنہ کی آنکھوں میں ایک الوہی انوکھی چمک تھی جس نے اس کے پرنور چہرے کو مزید دلکش بنا دیا تھا جولیا اس کی طرف حسرت سے دیکھ کر رہ گئی۔

''کیا تمہارے بابا تمہیں بہت پیار کرتے ہیں؟'' جولیا نے یاسیت سے پوچھا۔

''ہاں۔'' آمنہ نے اثبات میں جواب دیا۔

''اور تمہاری مام؟'' اس سوال پر آمنہ کچھ دیر خاموش ہو گئی۔

''وہ دراصل میری مام کی ڈیتھ میرے بچپن میں ہی ہو گئی تھی پھر مجھے میری Grandmom نے پالا، She is nice lady کبھی انہوں نے مجھے ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی اور پھر میرے چاچو بھی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں، I really miss tham'' آمنہ نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔

''اوہ سوری، میں نے تمہیں اداس کر دیا۔''

جولیا نے شرمندہ ہوتے کہا۔

''ارے نہیں Its ok مجھے اچھا لگا تمہارا یہ سب پوچھنا کیونکہ میں کل سے خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی تھی اب تم سے Share کر کے اچھا لگا، او کے اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ اتنی دیر سے میں ہی بولے جا رہی ہوں۔'' آمنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں بتانے کے لئے میرے والدین نہیں ہیں بس گرینی ہیں انہوں نے ہی میری پرورش کی آج تک میں نے کوئی دوست بھی نہیں بنائی مگر اب تم سے دوستی کر کے اچھا لگا۔''

''ہوں Don,t worry میں ہوں ناں تمہاری فرینڈ اب تم اپنی ہر بات مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔'' اس طرح پہلی ملاقات میں ہی دونوں نے اپنی سادہ طبیعت اور خوش مزاجی سے اجنبیت کی دیوار گرا دی اور ہر نئے آنے والے دن میں ان کی دوستی مضبوط ہوتی گئی، شروع میں اسٹوڈنٹ نے اس کے حجاب کا مذاق اڑایا مگر پھر اس کی خود اعتمادی اور ذہانت سے متاثر ہو کر پیچھے ہٹ گئے ویسے بھی اس یونیورسٹی میں مسلم کمیونٹی کو بھی تمام برابری کے حقوق حاصل تھے جن کے تحت اگر کوئی طالبعلم کسی مسلم اسٹوڈنٹ کو بلاوجہ تنگ کرتا تو یونیورسٹی کے وائس چانسلر اس کے خلاف سخت ایکشن لیتے، آمنہ اس سیٹ اپ میں اب کافی حد تک ایڈجسٹ ہو چکی تھی، مقامی ہوسٹل میں اس کی رہائش تھی رات کو سونے سے پہلے اپنے پاپا، دادو اور اکثر چاچو کی فیملی سے ضرور بات کرتی۔

☆☆☆

آج 25 دسمبر Jesuschrist کا یوم پیدائش ''کرسمس ڈے'' تھا گرینی بہت خوش تھی صبح سے ہی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں انہوں نے اسپیشل کرسمس کیک بھی بیک کیا تھا، مگر جولیا ابھی تک سست پڑی تھی اس کا کرسمس پارٹی میں جانے کو کوئی موڈ نہیں تھا مگر وہ ان کے دل کی خوشی کے لئے نا چاہتے ہوئے بھی تیار ہو گئی چرچ پہنچ کر بھی اس کی بیزاریت برقرار تھی، فادر کے لیکچر میں بھی دل نہیں لگا، جب فادر نے عیسیٰ کو God کا بیٹا بتایا اور مزید یہ کہا کہ God نے انہیں اپنے پاس بلا لیا ہے تو وہ ان کی بات سن کر چونک گئی، اسے آمنہ کی بات یاد آئی ایک بار وہ کچھ نوٹس لینے کے لئے جب آمنہ کے ہوسٹل گئی تو اس نے اسے

ایک کتاب کو بڑے احترام کے ساتھ پڑھتے دیکھا، اس کی آواز بہت خوبصورت اور پرسوز تھی اور سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا جگمگاتا چہرہ اسے بی بی مریم کی طرح مقدس اور نیک روح بنا رہا تھا، اس نے آمنہ سے اس کتاب کی بابت پوچھا تو اس نے بتایا۔

''یہ بھی بائبل کی طرح God (اللہ) کی مقدس کتاب قرآن پاک ہے جو آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی، مگر بائبل میں وقت کے ساتھ بہت سے صحیفے اور متن میں تبدیل کر دی گئی ہے مگر قرآن پاک وہ واحد کتاب ہے جو اپنے نزول (Reveal) سے لے کر قیامت تک ایسے ہی رہے گی اور یہ جو میں ابھی پڑھ رہی تھی یہ سورۃ اخلاص ہے جس میں اللہ پاک خود فرماتا ہے، ''کہو کہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا اس کا کوئی ہمسر نہیں'' اور اب فادر Teseus christ یعنی مسیح کو اللہ کا بیٹا بتا رہے ہیں کس کی بات درست ہے؟ وہ جو آمنہ نے بتایا یا یہ جواب فادر اپنی Speech میں بتا رہے ہیں۔'' جولیا کا ذہن الجھ گیا تھا، اسی الجھن میں کب فادر کا واعظ اختتام پذیر ہوا؟ اور اب کرسمس tree اور کرسمس کیک کی رسومات ادا کی گئی اسے کچھ خبر نہیں تھی، کرسمس سانٹا (Santa) بھی جولیا کو نہیں ہنسا سکا، واپسی میں وہ بہت خاموش تھی گرینی نے یہ بات شدت سے نوٹ کی آج کل وہ جولیا میں کافی تبدیلی محسوس کر رہی تھیں۔

''کیا بات ہے مائی چائلڈ؟ آج تم نے کرسمس انجوائے نہیں کیا نہ ہی مجھے وش کیا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' گرینی نے اسے پیار کرتے ہوئے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

''میری گرینی! میری طبیعت ٹھیک نہیں

Happy christmas to you۔'' جولیا نے بجھے بجھے لہجے میں جواب دیا۔

''ادھر آؤ مائی چائلڈ! مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ کوئی الجھن ہے تو مجھ سے شیئر کرو، گرینی میں فادر کے آج کے لیکچر سے الجھن میں ہوں فادر مسیح کو God کا بیٹا بتاتے ہیں، جبکہ آمنہ......!''

''یہ آمنہ کون ہے؟'' گرینی نے چونک کر پوچھا۔

''وہ آمنہ میری نئی یونیورسٹی فیلو ہے، She is muslim مگر وہ بہت نائس ہے اس نے مجھے کبھی کرسچن ہونے پر Criticise نہیں کیا وہ بہت نرم دل اور Polite ہے، گرینی اس کی شخصیت میں کوئی ایسا سحر (Mysty) ہے کہ ہر کوئی اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔'' جولیا نے کھوئے کھوئے لہجے میں آمنہ کی تعریف کی، گرینی کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

''جولیا!'' انہوں نے اسے ٹوکا، جولیا ایکدم کسی سحر سے باہر آئی۔

''پرامس کرو تم کبھی آمنہ سے نہیں ملو گی سنا تم نے؟ یہ مسلم ایسے ہی اپنی خوبصورت باتوں اور ساحر شخصیت سے لوگوں کو ورغلاتے ہیں ہمیں ہمارے مذہب کے خلاف کرتے ہیں۔''

''مگر گرینی......!'' جولیا نے آمنہ کی صفائی میں کچھ کہنا چاہا۔

''آمنہ ایسی نہیں ہے اس نے آج تک مجھ سے میرے مذہب کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔''

''بس میں نے کہہ دیا ہے ناں، یہ مسلم تعصب پسند ہوتے ہیں ان کی شخصیت (Diplomate) دوہری ہوتی ہے، باہر سے کچھ اور اندر سے کچھ، تم جیسی معصوم لڑکیوں کو اس

طرح بیوقوف بنا کر اپنے جال میں پھنسا لیتے ہیں مگر اب نہیں...... No more بس آج سے تمہارا اس لڑکی سے ملنا بند، ورنہ میں تمہاری یونیورسٹی چھڑوا کر دوسرے شہر بھیج دوں گی سنا تم نے؟ Now go to your room مجھے ابھی بائبل پڑھنی کرنی ہے۔'' یہ کہہ کر گرینی اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر گھر کے پچھلے حصے میں چلی گئیں جہاں انہوں نے ایک چھوٹا سا گرجہ گھر (عبادت گاہ) بنایا ہوا تھا جولیا گرینی کے رویے سے خائف تھی اس نے آج تک گرینی کو اتنا ہائپر اور اشتعال میں نہیں دیکھا تھا، وہ تو ہر ایک کا بہت خیال رکھتی تھیں پھر مسلمانوں سے اتنی نفرت؟ آخر کیوں؟''

☆☆☆

''Good morning every-one۔'' بلال جو ایک بجے سو کر اٹھا تھا ڈائننگ ٹیبل پر آتے ہوئے پرزور آواز میں کہا تو جہاں حسن صاحب چونکے وہی محسن صاحب بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''ہزار بار کہا ہے یہ انگریزوں والا اسلام نہ کیا کرو فرشتے نہیں آتے، مگر تم پتہ نہیں کب سدھرو گے؟'' دادو نے اس کی طرف ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا ابھی تک وہ رات والے لباس میں تھا آنکھیں ابھی بھی نیند سے بوجھل تھیں محسن صاحب نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔

''برخوردار! آج آپ گھر میں اس وقت کیسے نظر آ رہے ہیں؟ اور اس وقت آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ صبح نہیں بلکہ دوپہر ہے سیدھی طرح ہمارے ساتھ لنچ کرو۔''

''Noway dad لنچ کا موڈ نہیں بس دادو ایک گلاس فریش جوس پلوا دیں اور ڈیڈ آپ کی بات کا جواب یہ ہے کہ میں پارٹی سے صبح ہی لوٹا ہوں لہٰذا اس وقت گھر پر نظر آ رہا ہوں اور ابھی کچھ دیر میں میرا دوستوں کے ساتھ کرسمس انجوائے کرنے کا پروگرام ہے۔'' بلال نے موبائل پر نظر ڈالتے ہوئے سرسری انداز میں جواب دیا تو محسن صاحب کا خون کھول گیا، یقیناً اس کے آوارہ دوستوں کا پیغام ہوگا جو اس کے باپ کی بات سے کہی زیادہ اہم ہیں، حسن صاحب ان سب سے بے نیاز لنچ کرتے رہیں۔

''حسن! تم ہی اس کو سمجھاؤ یہ مسلمان ہے، روزے صاحبزادے رکھتے نہیں، عید کی نماز بھی بڑی مشکل سے ادا کرتے ہیں اور فرہنگیوں اور غیر مسلموں کے تہوار بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں آخر کیوں یہ ہمارا نام ڈوبنے میں لگا ہوا ہے؟'' محسن صاحب نے کرسی سے اٹھتے ہوئے غصے سے کہا اور اپنے روم کی طرف چلے گئے آج ان کی ضروری میٹنگ تھی مگر بلال کی حرکتوں سے ان کا موڈ خراب ہو گیا تھا، دادو بھی نماز ادا کرنے اٹھ گئی۔

''بلال! بلو یار کیوں تم اپنے پاپا کو تنگ کرتے ہو؟ وہ صحیح تو کہہ رہے ہیں انہوں نے شروع سے تمہاری تربیت پر خصوصی توجہ دی مگر نہ جانے تم کس کے نقش قدم پر چل رہے ہو؟ انہوں نے ابروڈ پڑھنے کے لئے بھیجنا چاہا مگر تم نے صاف انکار کر دیا، یہاں بھی تمہاری یونیورسٹی سے آئے دن پرنسپل کی کمپلین آتی رہتی ہے، بزنس میں تم ہاتھ نہیں بٹاتے۔'' حسن صاحب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''آپ کے نقش قدم پر چاچو۔'' یہ کہہ کر بلال نے ان پر ایک طنز بھری نگاہ ڈالی۔

''کیا؟'' حسن صاحب نے اس کی طرف حیرانی سے دیکھا۔

''جی چاچو آج آپ جو اتنے نیک اور سوبر بنے پھرتے ہیں مگر آپ کی اصلیت کیا ہے، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں، مجھے چاچی نے سب کچھ بتا دیا، یہی کہ آپ اپنی جوانی میں رنگین مزاج اور دل پھینک تھے لندن جیسے شہر میں رہے اور وہاں کے کلچر کا رنگ آپ پر نہ چڑھا ہوں ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ خیر میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں تھا صرف یہ بتانا تھا کہ آپ لوگ تو اپنی زندگی گزار چکے، اب پلیز مجھے لائف انجوائے کرنے دیں یہ مذہب وزہب کا ڈراوا ہر وقت نہ دیا کریں ہر جمعے نماز پڑھتا ہوں اور بچپن میں قرآن ختم کیا ہوا ہے کون سا میں اپنے دین سے خارج ہوں؟ رہی کرسمس ڈے منانا تو یہ جسٹ فن ہے دوستوں کے ساتھ ڈانس پارٹی، گیٹ ٹو گیدر، ہلہ گلہ اور بس، اس میں کون سا میرے مسلمان ہونے پر فرق آئے گا؟ پلیز چاچو، آپ تو کم از کم ڈیڈ اور دادو کی طرح نصیحت نہ کریں I hope you understand۔'' یہ کہہ کر بلال وہاں سے چلا گیا کیونکہ اسے کسی دوست کی کال آرہی تھی اور پیچھے حسن صاحب پر سوچ کے در وا کر گیا وہ انہیں حقیقت کے آئینے میں ان کا اصل چہرہ دکھا گیا تھا۔

☆☆☆

جب وہ جمشید (جمی) کے فلیٹ میں پہنچا سارے دوست وہاں پہلے سے موجود کسی انگلش مووی کے قابل اعتراض سین (Scene) پر تبصرہ کر رہے تھے۔

''اوہ، اپنا جگر آگیا، کہاں رہ گیا تھا یار؟'' جمی نے اسے صوفے پر جگہ دیتے ہوئے پوچھا۔

''بس یار وہی دادو اور ڈیڈ کا لیکچر، میں تنگ آگیا ہوں، سوچ رہا ہوں کسی ہوسٹل میں شفٹ ہو جاؤں کم از کم یہ بلاوجہ ہر وقت کی روک ٹوک سے آزادی تو ہوگی۔'' بلال نے مووی دیکھتے ہوئے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''ہوں، چل چھوڑ یار، اپنا موڈ خراب نہ کر، Chill کر یار، اوہ جگر کے لئے وہسکی لا، بالکل نیو برانڈ ہے، پیے گا تو سارا موڈ فریش ہو جائے گا۔'' جمی نے اس کے سامنے وہسکی کی بوتل اور گلاس رکھتے ہوئے کہا۔

''اور جگر تجھے آج ایسی جگہ لے جائیں گے جہاں کی رنگینی اور ہوشربا حسن کی چکا چوند میں تو اپنی ساری بوریت بھول جائے گا۔'' نومی نے بھی اطلاع دینا ضروری سمجھی۔

''یار تو اپنا موبائل کیوں بند رکھتا ہے؟ تانیہ تیرا پوچھ رہی تھی، تو اس سے بات کیوں نہیں کر رہا؟'' عدیل کے کچھ یاد آیا تو اس سے پوچھنے لگا۔

''اوہ یار بور ہو گیا ہوں اس سے تین چار بار ڈنر اور بریسلیٹ کا گفٹ اس کے حسن کی اوقات کے لحاظ سے کافی ہے، تو جانتا ہے نئے ماڈل کی کار اور گرل فرینڈ میرے پاس بس دو مہینے سے زیادہ نہیں رہتی۔''

''ہاہاہا۔'' اس کی بات پر سب نے بے ہنگم قہقہہ لگایا، پھر کرسمس کی رات شراب وشباب کی محفل جماتے اور ون ویلنگ کرتے انہوں نے اپنی زندگی کا ایک اور دن اپنے رب کی شکر گزاری کے بغیر گزار دیا۔

''یہ بلال مجھے کیا کہہ گیا ہے؟ میرے خلاف اتنا زہر، مانتا ہوں میں نے ماضی میں کچھ غلطیاں اور گستاخیاں کی ہیں بے جی، مگر آپ جانتی ہیں میں زندہ دل اور دوستوں کے ساتھ من موج کرنے والا ضرور تھا مگر میں نے کبھی کوئی ایسی غیر اخلاقی حرکت نہیں کی جس سے آپ کا یا بابا سائیں کا سر جھکتا، میں مانتا ہوں میری بہت

سی لڑکیوں سے دوستی تھی مگر صرف کلاس فیلوز کی حد تک، اس سے آگے میں نے کبھی آپ لوگوں کی تربیت اور اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی، مگر آج...... یہ بلال......'' حسن صاحب نے دادو کے سامنے بچوں کی طرح بلکتے ہوئے کہا دادو کی بھی آنکھیں نم ہو گئیں، آخر وہ ماں تھیں بیٹے کو تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

''بیٹا تم پریشان نہ ہو، وہ تو ابالی اور ناسمجھ ہے، یہ سب کیا دھرا تمہاری بیوی یاسمین کا ہے، جس کی خود تو کبھی گود ہری نہیں ہو سکی، مگر اب وہ بلال کی ماں کے مرنے کے بعد اسے اپنی جھوٹی محبت اور ممتا نچھاور کر کے تمہارے خلاف کر رہی ہے، اسے معلوم ہے تم سے اس کی شادی زبردستی کروائی گئی تھی، وہ سمجھتی ہے تم اسے ناپسند کرتے ہو، اس کے خیال میں اسی لئے اللہ نے تمہیں اولاد سے محروم رکھا اور محسن کے بچوں سے تمہاری وارفتگی اور محبت اس سے دیکھی نہیں جاتی، اس لئے وہ اب سارا زہر بلال کے ذہن میں بھر کر اپنی نامحرومی کا بدلہ لے رہی ہے، مگر بلال بچہ ہے جلد ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگا تو وہ تم سے معافی مانگے گا۔'' دادو نے انہیں تسلی دیتے ہوئے یقین دلایا۔

''مگر بی جان! آپ جانتی ہیں کہ میں نے کبھی یاسمین کے ساتھ زیادتی نہیں کی اس کے سارے حقوق پورے کیے مانتا ہوں کہ وہ مجھے شادی کے لحاظ سے ناپسند تھی مگر اس کے بعد میں نے دلی اور ذہنی آمادگی کے ساتھ اسے اپنایا، اولاد کا نہ ہونا تو اللہ کی مرضی ہے اس میں ہم انسانوں کا کیا قصور؟ ہو سکتا ہے مجھ سے ہی کوئی ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جو اللہ نے مجھے اس نعمت سے محروم رکھا اور اب میرا بھتیجا اور بھتیجی جن کو دیکھ کر میں جیتا ہوں یاسمین ان کو بھی میرے خلاف بدظن کر رہی ہے۔'' حسن صاحب نے دکھ سے سوچا مگر کہا کچھ نہیں انہوں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا، شاید اس طرح ہی ان کے ان دیکھے گناہوں کا کفارہ ادا ہو سکے جو انجانے میں شاید کسی مظلوم کے ساتھ انہوں نے کیا تھا۔

☆☆☆

''السلام علیکم! جولیا تم یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہو، میں تمہیں لائبریری، آڈیٹوریم ہر جگہ ڈھونڈ آئی، کیا بات ہے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' آمنہ نے جولیا سے پوچھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔''

''پھر آج کلاس کیوں بنک کر دی جانتی ہو ناں، آج سر جوزف کا کتنا اہم لیکچر تھا؟'' آمنہ نے اسے یاد دلایا۔

''بس ایسے ہی آج موڈ نہیں ہو رہا، تمہیں پتہ ہے میں نے جب گرینی کو تمہارے بارے میں بتایا تو وہ مجھ سے بہت ناراض ہوئیں، وہ چاہتی ہیں کہ میں تم سے دوستی نہ رکھوں، ان کے خیال میں مسلم اچھے نہیں ہوتے۔'' جولیا نے آمنہ سے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ تو یہ بات ہے اچھا، تم بتاؤ تمہیں کیا لگتا ہے، I mean تمہارا دل کیا کہتا ہے؟ کیا واقعی مسلم کرپٹ اور دہشت گرد ہیں؟'' آمنہ نے اپنا لہجہ سرسری بناتے ہوئے جولیا کی رائے لی۔

''نہیں آمنہ مجھے تو کبھی ایسا نہیں لگا خاص طور پر تم سے ملنے کے بعد تو میرے خیالات بالکل بدل گئے ہیں۔'' جولیا نے جلدی سے جواب دیا مبادا آمنہ کہیں اس سے ناراض نہ ہو جائے، آمنہ اس کے انداز پر مسکرا دی۔

''چلو تمہیں ایک واقعہ سناتی ہوں تم نے ہمارے آخری Prophet حضرت محمد ﷺ کا نام تو سنا ہوگا جس طرح تم لوگ عیسیٰ کو مانتے ہو بالکل

ویسے ہی ہم بھی ان کو اللہ کا Prophet مانتے ہیں جو دنیا میں Peace (امن) لے کر آئیں، جنہوں نے اپنی نیکی اور سچائی سے لوگوں کو ایک اللہ کی پہچان کروائی اور بالکل اسی طرح حضرت محمدؐ نے اپنے اخلاق اور محبت سے اسلام جو لافانی اور سچا دین ہے ایسے پھیلایا، تم جانتی ہو انہوں نے اللہ کے دین کی تبلیغ میں کفار یعنی اسلام کے دشمن سے پتھر بھی کھائے، ان کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ان کے دندان مبارک کو شہید کر دیا گیا ان پر نعوذ باللہ کچرا پھینکا جاتا، مگر آپؐ نے کبھی ان کو بد دعا نہیں دی بلکہ اپنے اخلاق اور نیک دلی سے ان کے دل جیت لئے اور ان کفار کو کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان ہونے پر راضی کر لیا، تو سوچو، ہم جوان کے پیروکار ہیں کیسے بدامنی اور دہشت گردی پھیلا سکتے ہیں؟ یہ غیر ملکی عناصر ہیں جو ہم مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے ہمارا روپ دھار کر یہ سب کر رہے ہیں، ہم بھی اسی God کو مانتے ہیں جس کو تم، فرق صرف اتنا ہے کہ ہم اس کے ''وحدہ لاشریک'' یعنی یکتا (Onlyone) ہونے پر یقین رکھتے ہیں جبکہ تم لوگ...... خیر چھوڑو ان باتوں کو ہر انسان کا اپنا عقیدہ اور آزادی رائے کا حق ہے میں تمہارے مذہب کو اپنے مذہب سے کمپیئر نہیں کر رہی بس تمہارے سوال کا جواب دے رہی ہوں، ہمارا مذہب امن کا مذہب ہے، تم نے کراچی ائیرپورٹ پر دھماکے کا سنا اور پھر اب پشاور سانحہ کو دیکھو، تمہیں کیا لگتا ہے؟ ان معصوم پھولوں کو کوئی مسلمان اتنی بے دردی سے مار سکتا ہے؟ نہیں جولیا، یہ طالبان کی آڑ میں غیر ملکی عناصر ہیں اس سانحہ میں نہ صرف پورا پاکستان بلکہ تمام مسلم کیمونٹی کی آنکھیں نم ہیں، ہمارے رحمتہ اللعالمین نے تو ہمیں انسانیت کا درس دیا ہے، مگر پھر بھی تمہیں لگتا ہے کہ تمہاری گرینی کا خیال ہمارے بارے میں درست ہے تو یقین کرو میں تمہارے دوستی ختم کرنے پر ناراض نہیں ہونگی لیکن تمہیں اپنی گرینی کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے او کے Nowcheerup اب میں بھی ہوسٹل جا رہی ہوں، بابا اور دادو سے بات کرنی ہے تم بھی گھر جا کر ریسٹ کرو اللہ حافظ۔'' آمنہ نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر چھوڑ دیا، جولیا کو ایسا لگا آمنہ اس سے دور نہیں جا رہی بلکہ اس کی سانسیں اس کی زندگی سے رشتہ توڑ رہی ہیں، وہ اتنی اچھی دوست کو کھونا نہیں چاہتی تھی، پھر اس نے ایک فیصلہ کیا، کہ آج وہ ضرور گرینی سے ان کی مسلمانوں سے اتنی نفرت کی وجہ پوچھ کر رہے گی، رات کو ڈنر کے بعد وہ اسٹڈی میں گئی جہاں گرینی کوئی بک پڑھ رہی تھیں۔

''گرینی مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' جولیا نے ان کے برابر بیٹھتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

''ہاں کہو، میں سن رہی ہوں۔'' گرینی نے اپنا نظر کا چشمہ سائیڈ میں رکھتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئیں انہیں جولیا کا لہجہ کچھ غیر معمولی لگا۔

''گرینی آپ وعدہ کریں جب تک میری بات ختم نہیں ہوگی آپ مجھے ٹوکیں گی نہیں۔''

''او کے۔'' گرینی نے اتنا ہی کہا۔

پھر جولیا نے انہیں آج آمنہ کے ساتھ ہونے والی ساری گفتگو بتا دی۔

''جی گرینی! اب بھی آپ کی رائے آمنہ کے بارے میں وہی ہے تو ٹھیک ہے میں آپ کی بات مان کر اس سے دوستی ختم کر لونگی لیکن پھر آپ کو بھی میری ایک بات ماننی ہوگی۔'' جولیا نے اٹل لہجے میں کہا۔

''وہ کیا؟'' گرینی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
''آپ ایک بار آمنہ سے مل لیں، اگر اس سے مل کر بھی آپ کا فیصلہ یہی رہا تو مجھے آپ کی ہر بات منظور ہوگی کیونکہ میرے لئے آپ کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔''
''او کے، تم کل لنچ پر اسے اپنے ساتھ لے کر آنا، اب تم جا سکتی ہو۔'' جولیا ان کے اتنی جلدی مان جانے پر حیران ہوئی مگر اس کو یقین تھا کہ آمنہ سے مل کر گرینی کے سارے خدشات دور ہو جائیں گے، یہی سوچ کر وہ اپنے روم میں آکر آمنہ کو فون کرنے لگی۔
اگلے دن یونیورسٹی سے واپسی پر وہ آمنہ کو اپنے ساتھ گھر لے گئی۔
''السلام علیکم گرینی! جولیا سے آپ کی بہت تعریفیں سنی تھی Realy nice to meet you۔'' آمنہ نے خوشدلی سے ان کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا جسے گرینی نے نا چاہتے ہوئے بھی تھام لیا۔
''جولیا نے ٹھیک کہا تھا واقعی یہ ایک مخلص لڑکی ہے۔'' گرینی نے آمنہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا اور ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہو گئیں۔
پھر ہلکی پھلکی باتوں کے دوران خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا، کھانے کے بعد گرینی اسے اور آمنہ کو لے کر ایک روم میں آگئیں جو برسوں سے بند تھا اور جس کے بارے میں جولیا کو جاننے کا بہت تجسس تھا، آج گرینی کے اس طرح روم میں آنے پر اسے کافی حیرانی ہوئی مگر وہ آمنہ کی وجہ سے خاموش رہی، کمرے میں جا کر گرینی نے جیسے ہی لائٹ روشن کی ہر چیز واضح نظر آنے لگی، جولیا کے ساتھ ساتھ آمنہ کو بھی دھچکا لگا کیونکہ یہ کمرہ کسی عیسائی گھرانے کے بجائے اسلامی گھرانے کا نقشہ کھینچ رہا تھا، ایک سائیڈ پر جائے نماز (چوکی) جس پر سفید چاندنی بچھی تھی اور ایک پر قرآن پاک، بہشتی زیور اسی طرح دوسری اسلامی کتب موجود تھیں، دوسرے سائیڈ سنگھار میز پر سرمہ، تسبیح، عطر وغیرہ ترتیب سے رکھی تھی پورا کمرہ بہت ہی معطر اور روح پرور تاثر دے رہا تھا۔
وہ دونوں ایک ٹرانس میں آگے بڑھی پھر گرینی نے دیوار گیر الماری میں سے کچھ حجاب (اسکارف) اور ایک تصویر لا کر جولیا کو دکھائی تصویر میں ایک بہت ہی خوبصورت عورت مکمل پاکستانی برائیڈل ڈریس میں ایک بہت ہی ہینڈسم اور پروقار ایشین مرد کے ساتھ مسکرا رہی تھی جہاں جولیا کو تصویر دیکھ کر جھٹکا لگا وہیں آمنہ بھی چونکے بنا نہ رہ سکی، کیونکہ سامنے تصویر میں موجود عورت اور جولیا دونوں ہو بہو تھے جبکہ وہ مرد آمنہ کے آئیڈیل اور ہر دلعزیز چاچو حسن رضا تھے۔
''مگر یہ یہاں؟ اس عورت کے ساتھ ان کا کیا تعلق ہے؟'' یہی سوالات جولیا کے ذہن میں گونج رہے تھے کہ ''یہ عورت کون ہے؟ جو میری ہم شکل ہے اور یہ مرد......؟'' گرینی نے دونوں کو آواز دی، وہ کھوئی کھوئی کیفیت میں ان کے پاس پہنچی۔
''جولیا تم مجھ سے ہمیشہ اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی تھی تم کہتی تھی ناں، گرینی میری ذات نامکمل کیوں ہے؟ مجھے اس دنیا میں لانے والے بے نام و نشان چھوڑ کر کہاں چلے گئے؟ آج تمہیں سارے سوالات کا جواب دوں گی۔''
''جولیا مائی چائلڈ! یہ عورت تمہاری ماں اور میری چھوٹی لاڈلی بہن ماریہ انتھونی ہے اور یہ شخص تمہارا باپ ہے جس نے مجھ سے میری بہن چھین لی۔'' جولیا اور آمنہ کو ایسا لگا کہ ان کے سر پر پہاڑ

گر گیا ہو۔

''کیا؟'' دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

''ہاں میں تمہیں پوری کہانی سناتی ہوں، کیونکہ اب میں تھک چکی ہوں یہ راز، یہ دکھ اکیلے اپنے سینے میں دفن کرتے کرتے۔'' گرینی نے تھکے ہوئے بوجھل لہجے میں جواب دیا۔

''آج سے تقریباً 22 سال پہلے تمہارا باپ جو ایک مسلم ایشین تھا یہاں لندن اعلیٰ تعلیم کے لئے آیا تھا تمہاری یونیورسٹی میں ہی اس کی ملاقات تمہاری ماں ماریہ سے ہوئی اسی لئے میں تمہارے اس یونیورسٹی میں داخلے کے خلاف تھی، بہر حال پھر ان کی ملاقات، محبت میں بدل گئی، ماریہ نے ہمارے مذہب، ہمارے کلچر سے بغاوت کر کے تمہارے باپ سے شادی کی خاطر اسلام قبول کیا۔'' جولیا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا آمنہ کی کیفیت بھی جولیا جیسی تھی، مگر اس نے ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا۔

''اور پھر تمہارے باپ سے شادی کے جرم میں اسے اپنے ماں باپ تمام رشتے ناطے اور جائیداد سب کچھ چھوڑنا پڑا ان دنوں میں دوسرے شہر میں شادی ہو کر جا چکی تھی، چاہ کر بھی ماریہ سے میری دوبارہ ملاقات نہ ہو سکی، مگر اس کو کیا صلہ ملا، صرف تین مہینے بعد ہی وہ تمہارا بزدل آوارہ باپ اسے چھوڑ کر چلا گیا۔'' گرینی نے نفرت سے کہا تو آمنہ اپنے نیک دل چاچو کے بارے میں یہ سب برداشت نہیں کر سکی مگر تمام حقیقت سے روشناس ہونے کے لئے اسے یہ کرب سہنا پڑا۔

''تمہاری ماں نے تمہارے باپ کا بہت انتظار کیا ایک ہوسپٹل میں اس نے نرس کی جاب کر لی اس نے مسلم کمیونٹی میں اسلامک سینٹر جوائن کر کے نماز اور قرآن پڑھنا سیکھا اس کی زندگی بہت کسمپرسی میں گزر رہی تھی پھر اسی ہوسپٹل میں تمہارے انکل کے ایکسیڈنٹ کے وقت میری اس سے ملاقات ہوئی اس کی حالت دیکھ کر میں اپنی محبت کا گلہ نہیں گھونٹ سکی اور اسے اپنے ساتھ لے آئی ویسے بھی میرے ماں باپ کی Death ہو گئی تھی پھر تمہارے انکل بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے تو تنہائی نے مجھے ماریہ کے پھر سے قریب کر دیا، وہ سرتاپا بدل گئی تھی، اس نے حجاب لینا شروع کر دیا تھا یہ تمام اسکارف اس کی ہی نشانی ہیں۔'' گرینی نے روتے ہوئے کہا۔

''حجاب میں وہ بالکل آمنہ کی طرح ہی معصوم اور پاکیزہ لگتی تھی وہ کہتی تھی حجاب عورتوں کا سوسائٹی کے ہوس پرست مردوں سے تحفظ دیتا ہے جس طرح کھلی میٹھی چیزوں پر مکھیاں بھنبھناتی ہیں مگر ان کو کوئی کھانا پسند نہیں کرتا اسی طرح بے پردہ عورت کو بھی لوگ صرف لوٹ کا مال سمجھتے ہیں مگر اپنا نام کوئی نہیں دیتا۔'' جولیا نے چونک کر گرینی کی طرف دیکھا۔

''بالکل ایسے ہی خیالات تو آمنہ کے بھی تھے جب ہی میں اتنی بے چین رہتی تھی چرچ اور بائبل میں دل نہیں لگتا تھا کیونکہ میں مسلمان والدین کی اولاد ہوں۔'' یہ سوچ کر جولیا کو ایک انجانی سی خوشی ہوئی۔

''پھر، پھر کیا ہوا گرینی؟'' جولیا نے بے چینی سے پوچھا۔

''میں ماریہ کو بہت سمجھاتی تھی کہ وہ God سے معافی مانگ کر واپس اپنے مذہب کو اپنا لے مجھے لگتا تھا اس نے گناہ کیا اسی کی سزا ملی، میں اسے بار بار کہتی تھی کہ اس بے وفا شخص کا انتظار فضول ہے اس نے تم کو دھوکہ دیا ہے تم اپنے مذہب میں واپس آ جاؤ میں فادر سے کہہ کر تم کو

معافی دلواؤ نگی، مگر وہ مسکرا کر کہتی "بے شک وہ بے وفا ہے، مگر اس کا شکر یہ ادا کروں گی کہ اس نے مجھے اتنے پیارے اور سچے دین سے ملایا"، مجھے اس کی باتیں سن کر غصہ آتا مگر وہ اس کمرے میں سارا دن عبادت میں مشغول رہتی، یا پھر اس تصویر کو دیکھتی رہتی، میں نے مایوس ہو کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا، مگر وہ کہتی تھی "مایوسی کفر ہے اسے یقین تھا کہ اللہ اس سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا، وہ ماؤں سے ستر گناہ زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے" وہ تمہارے باپ کے انتظار میں اللہ کے قریب ہوتی چلی گئی اور پھر اوائل اپریل کے پر بہار موسم میں تمہاری پیدائش کے وقت اس کی منتظر آنکھیں تھک گئیں اس نے مجھے اپنے پاس بلایا میں بھی ناراضگی بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی اس کی حالت بہت نازک تھی پھر اس نے تمہیں جنم دیا میرے منع کرنے کے باوجود مسجد امام کو بلا کر تمہارے کان میں اذان دلوائی۔"

"کیا؟" جولیا اور آمنہ کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

"اوہ جب ہی گرینی آپ نے میرے اذان کے بارے میں پوچھنے پر ٹال دیا تھا اب میں سمجھی۔" جولیا نے گرینی کی طرف دکھ سے دیکھا، گرینی نے آنکھیں چراتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہی وجہ تھی، تمہاری ماں اسی رات تمہارا وجود مجھے اس وعدہ کے ساتھ دے کر یہ دنیا چھوڑ گئی کہ میں تمہاری پرورش مسلمان لڑکی کی طرح کروں اور تمہارے باپ کا پتہ لگا کر اس کی امانت اس تک پہنچا دوں، مگر مجھے لگا کہ God نے تمہارے روپ میں مجھے میری ماریہ واپس لوٹا دی لہٰذا میں تمہیں زیادہ سے زیادہ چرچ لے جانے لگی تمہیں بائبل پڑھنا سکھایا، مگر یہ بھول گئی تھی کہ تمہاری رگوں میں مسلم ماں باپ کا خون ہے اسی لئے مجھے تمہارے آمنہ سے دوستی کرنے پر بھی اعتراض تھا مجھے لگا کہ ایک بار پھر میری ماریہ کو کوئی مجھ سے چھین لے گا، مگر میں Accept کرتی ہوں میں غلط تھی، میں نے زبردستی تمہیں اپنے مذہب پر چلا کر بہت بڑا جرم کیا، جس پر God بھی مجھے معاف نہیں کرے گا۔" یہ کہہ کر گرینی رونے لگی۔

"گرینی پلیز چپ ہو جائیں مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں سوائے اس کے کہ اتنے سال آپ نے مجھے میری اصل شناخت سے دور رکھا لیکن میں آپ کے دکھ کو سمجھتی ہوں مگر اب پلیز مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے باپ کے ملک جا کر ان کو ڈھونڈ سکوں ان سے ایک بار پوچھ سکوں کہ میری ماں کا کیا جرم تھا؟ جو اس طرح راہ میں چھوڑ کر واپس چلے گئے اگر اتنے بزدل اور کم ہمت تھے تو کیوں میری ماں سے شادی کی تھی، صرف ایک بار گرینی مجھے ضرور پاکستان جانا ہے تاکہ اس شخص سے اپنی اتنی زندگی جو بے نام و نشان گزر گئی اس کا حساب لے سکوں، میں وعدہ کرتی ہوں ان سے اپنی شناخت اور اپنی ماں کی وفاؤں کا حساب لے کر ضرور آپ کے پاس آؤں گی۔" جولیا نے روتے ہوئے کہا۔

آمنہ کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں وہ بہت شرمندہ تھی وہ تو اپنے چاچو کو بہت آئیڈیلائز کرتی تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے پروقار اور نرم خو چاچو نے اس طرح اپنی ماضی میں کسی کو ان دیکھی آگ میں جلنے کے لئے چھوڑ دیا ہوگا کسی کی زندگی کے شب و روز برباد کیے ہوں گے، وہ جولیا کو اپنے متعلق بتا کر مزید تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی، لیکن اس نے جولیا کی مدد کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

''او کے جولیا اگر گرینی کو مجھ پر بھروسہ ہو تو میں تمہیں پاکستان لے کر جاؤں گی، ایک سال بعد تمہارا سمسٹر مکمل ہو جائے گا پھر میں تمہیں پاکستان لے جا کر تمہارے پاپا کو تلاش کرنے میں تمہاری مدد کروں گی پلیز اب تم رونا بند کرو۔''
آمنہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
''اور ہاں جولیا، تمہاری ماں نے تمہارا اسلامی نام ام عائشہ رکھا تھا۔'' گرینی نے نظریں چراتے ہوئے آخری راز سے بھی پردہ اٹھایا۔
''کیا؟'' دونوں گرینی کی بات پر چونکے بنا نہ رہ سکی، جولیا نے کرب واضطراب سے آنکھیں بند کرلیں، پھر جولیا، اسے ام عائشہ تک کا سفر طے کرنے میں آمنہ نے اس کی قدم قدم پر رہنمائی کی۔

''آمنہ جب ہی میرا دل اور روح اسلام کی طرف کھنچتا تھا، تم جب نماز پڑھتی تھی، قرآن کی تلاوت کرتی تھی، تمہارا حجاب، رکھ رکھاؤ مجھے سب کچھ بہت اچھا لگتا تھا کیونکہ میں مسلمان ہوں۔'' ام عائشہ (جولیا) کو روحانی خوشی کا احساس ہوا، اسے لگا کہ وہ اتنے سالوں سے ہوا میں معلق تھی اس اس کی اصل شناخت اسلام نے اسے زمین پر قدم جمانے کے لئے توانائی عطا کر دی ہے۔'' آمنہ اس کی بات پر مسکرادی، آج وہ اس کی خواہش پر اسے اسلامک اکیڈمی لے کر آئی تھی، جہاں اس نے پروفیسر عبداللہ وحید کی معیت میں کلمہ پڑھ کر از سر نو اسلام قبول کیا، پھر انہوں نے اسلام کے اہم ارکان پر روشنی ڈالی۔
''سورۂ انساء میں اللہ واضح طور پر فرماتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اسی طرح ایک اور جگہ سورۂ فرقان میں فرمایا اور اس کے (اللہ) کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہے'' تو بس اس کے بعد کسی قسم کے شک وشبہات کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ اللہ کی وحدانیت کے ساتھ (نعوذ باللہ) ہم کسی کو شریک کریں، اللہ خود فرماتا ہے کہ جیسے آدمؑ نبی ہے ویسے ہی عیسیٰؑ بھی ہیں یعنی آدمؑ کو بھی اللہ نے بن ماں باپ کے پیدا کیا، مگر نعوذ باللہ انہوں نے خدا کے بیٹے ہونے کا دعویٰ نہیں کیا نہ ہی عیسیٰؑ نے ایسا کیا یہ تو ہم انسان ہیں جو ایسا فعل کر کے شرک جیسے کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ جب چاہے جیسے چاہے ایک ذرہ میں روح پھونک کر زندگی عطا کر دے صرف اس کے ''کن فیکون'' کی منتظر ہیں یہ کائنات، ہم سب صرف اس کے تابع ہیں۔'' پروفیسر عبداللہ نے بڑے نرم اور خوبصورت لہجے میں اللہ کی صفات پر روشنی ڈالی، ام عائشہ کے ساتھ ساتھ آمنہ کی بھی آنکھوں سے آنسوں تسبیح کے دانوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کو ہتھیلی میں جذب ہو رہے تھے۔
''پروفیسر صاحب کیا اللہ مجھے معاف کر دے گا؟ بے شک انجانے میں ہی سہی مگر مسلمان ہو کر بھی میں نے براہ راست اللہ کے سامنے سجدہ کرنے کے ہمیشہ جیسز کرائسٹ (مسیح) کے بت کو سجدہ کیا، اس سے مانگنے کی بجائے۔'' آگے عائشہ سے روندی ہوئی آواز میں کچھ بولا ہی نہیں گیا، پروفیسر صاحب نے اسے پانی کا گلاس دیا اور اسے اشکوں کو بہانے دیا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہ معصوم لڑکی جو غفلت میں گناہ کی مرتکب ہوتی رہی اپنے آنسوؤں کے ذریعے تمام غلطیوں اور گناہوں کو دھو کر شفاف اور اللہ کی محبت سے سرشار دل کی مالک ہو جائے گی۔
''کیوں نہیں بیٹا؟ اللہ غفور ورحیم ہے اس کی ایک صفت رحمٰن یعنی رحم کرنے اور ''عفو'' (معاف کرنے والی) بھی ہے، وہ تو گناہوں کی لذت میں ڈوبے بندوں کو بھی سچی توبہ پر معاف کر دیتا

ہے، تم تو پھر اپنی شناخت سے بے خبر تھی، لیکن شکر کرو اللہ نے آمنہ کو آپ سے ملوایا اور پھر آپ کی گرینی کے دل میں نرمی پیدا کی اور انہوں نے تمہیں اصل حقائق سے آگاہ کیا، ورنہ تم ساری زندگی لاعلم رہتی۔'' پروفیسر صاحب نے نرمی سے اسے سمجھایا اور اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا، عائشہ کو لگا وہ گھنے سایہ دار درخت کی چھاؤں میں آ گئی ہے اور تاریک راستوں میں بھٹکتے بھٹکتے اچانک نیکی کا جگنو آمنہ کی صورت میں ملا جو اسے روشنی کے راستے میں قدم قدم پر تھامے رہا، اسلامک سینٹر سے واپسی پر اس کا دل روئی کے گالے سے بھی ہلکا تھا اور آنکھوں میں الوہی چمک تھی جو بے شک اس دین اسلام کی عطا کردہ تھی۔

☆☆☆

''آمنہ! کیا تم مجھے نماز اور قرآن پاک پڑھنا سکھاؤ گی۔'' عائشہ نے معصومیت سے سوال کیا۔

''کیوں نہیں میری بہن، وہ میرا مطلب ہے دوست بھی تو بہن ہی ہوتی ہے ناں۔'' آمنہ نے جلدی سے بات بدلتے ہوئے جواب دیا، پھر صرف ایک سال کے قلیل عرصے میں عائشہ نے جتنی تیزی سے قرآن نماز اور اسلام کے دوسرے ارکان وفرائض سیکھے یہ سب حیرت انگیز تھا معصوم اور خوبصورت تو وہ پہلے ہی تھی مگر اب اس کے چہرے پر ایک نور کا ہالہ رہتا حجاب میں وہ بھی اپنی ماں کی طرح خود کو کافی محفوظ اور پروقار سمجھتی تھی۔

''بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔'' اس حدیث کے معنی ومفہوم اب اس کی سمجھ میں آئے تھے، اسے اللہ اور اس کے آخری بانی محمدؐ سے عشق ہو گیا تھا، اسے عبادت میں روحانی سکون ملتا، جو اس کی زندگی میں ایک اضطراب تھا وہ اب ختم ہو گیا تھا، بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب ان کی پاکستان روانگی تھی اس نے اپنی جاب سے بھی استعفیٰ دے دیا تھا، گرینی بہت اداس تھیں مگر ان کے دل کو بھی عائشہ کو مطمئن و سرشار دیکھ کر سکون مل گیا تھا، پھر وہ گرینی سے مل کر اپنی اصل منزل اپنی اصل شناخت پاکستان کی طرف پرواز کر گئی اس کا ماضی جو بے نام ونشان تھا بہت پیچھے رہ گیا تھا، پاکستان میں آمنہ پہلے ہی اپنے گھر اس کے بارے میں اطلاع کر چکی تھی مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کا اس گھر کے مکینوں سے کتنا گہرا تعلق ہے، آمنہ کو اس کے لئے مناسب وقت کا انتظار تھا۔

☆☆☆

آمنہ اور عائشہ کو ائرپورٹ پر ریسیو کرنے بلال کو آنا پڑا تھا کیونکہ محسن رضا کی آج ضروری میٹنگ تھی اور حسن رضا کسی بزنس ٹور کے سلسلے میں تین ماہ کے لئے جاپان گئے ہوئے تھے، بہرحال بلال جتنا بھی لاابالی اور لاپرواہ تھا اسے اپنی چھوٹی بہن آمنہ سے خاص لگاؤ تھا اور پھر یاسمین چاچی جو اس کی خالہ بھی تھیں اس کے لئے ماں کا درجہ رکھتی تھیں ان کا کہا بھی وہ نہیں ٹال سکتا تھا اسی لئے وہ اب یہاں موجود تھا ادھر ادھر لوگوں کو آتے جاتے بیزاری سے دیکھتے اور چیونگم چباتے اسے سامنے سے آمنہ اپنا کیری بیگ گھسیٹتے ہوئے آتی ہوئی نظر آئی، اس کے ساتھ ہی کوئی لڑکی تھی جو گلابی رنگت اور نیلی آنکھوں کے ساتھ کوئی فارنر لگ رہی تھی اپنے بالوں کو اس نے اپنی رنگت سے مشابہہ گلابی اسکارف سے ڈھانپا ہوا تھا اور لونگ شرٹ اور ٹراؤزر اسے خالصتاً پاکستانی ظاہر کر رہا تھا بلال کو اس کے حلیے پر اچنبھا ہوا۔

''السلام علیکم بلال بھائی!'' آمنہ نے قریب آ کر گرم جوشی سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' بلال نے عائشہ کے چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے خلاف معمول سلام کا جواب دیا، آمنہ کو خوشگوار حیرانی ہوئی۔

''اور کیسا رہا تمہارا سفر؟'' بلال نے مزید پوچھا۔

''شکر الحمدللہ بہت اچھا رہا، ان سے ملیے یہ میری بہت ہی پیاری اور سوئیٹ سی دوست عائشہ!۔'' آمنہ نے عائشہ کا تعارف کروایا، بلال اس کا نام سن کر مزید حیران ہوا شاید آمنہ بھی اس کی حیرانی بھانپ گئی تھی۔

''بھائی، عائشہ مسلم ہے مگر اس کی پیدائش لندن میں ہوئی اس لئے یہ وہاں کی سٹیزن ہے۔'' آمنہ نے تفصیل سے بتاتے ہوئے بلال کی حیرانی دور کی، عائشہ نے بھی سلام کیا اس کی آواز بہت ہی خوبصورت اور سحر انگیز تھی کہ بلال نہ چاہتے ہوئے دوبارہ اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا مگر اس کے چہرے پر ایسا نور اور پاکیزگی تھی کہ بلال فوراً نظریں ہٹا گیا، بلال نے ان کا سامان گاڑی میں رکھا، اس وقت عائشہ پر عجیب کیفیت طاری تھی اسے یہ ملک، یہاں کے لوگ، سڑکیں، دوڑتی بھاگتی گاڑیوں کا شور ان سب سے انسیت محسوس ہو رہی تھی کہ یہ اس کے باپ کا ملک ہے''نہ جانے وہ اس سرزمین کے کس حصے میں ہوں گے؟ انہیں تو میرے وجود کا بھی نہیں پتہ'' عائشہ نے یاسیت سے سوچا، اسی دوران وہ لوگ گھر پہنچ گئے، اس کی نگاہیں سفید سنگ مرمر سے بنے گھر کو دیکھے گئیں جس کے اطراف میں املتاس اور بام کے اونچے اونچے گھنے درخت تھے، اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ اپنی زندگی میں اس قابل ہو کہ اپنے لئے سفید ماربل سے بنا گھر تعمیر کر سکے، سفید رنگ کی چیزیں اسے بہت Attrack کرتی تھی وہ

ایک ٹرانس میں آمنہ اور بلال کی معیت میں اندر داخل ہوئی اندر سے بھی گھر بہت ہی خوبصورت تھا ایک طرف مختلف اقسام کے پودوں اور پھولوں سے سجا چھوٹا سا لان تھا جس کے مرکز میں سنگی بنچ اور ایک جھولا ڈالا ہوا تھا دوسری طرف ایک تالاب تھا جس کے نیلے پانیوں میں سفید بطخیں تیر رہی تھیں جنہیں دیکھ کر عائشہ کو ایکدم لندن کے Royol park کا خیال آیا فوارے سے گرتا آبشار کا پانی پرسکون ماحول میں ایک سر بکھیر رہا تھا، راہداری سے گزرتے ہوئے شیشم کا داخلی دروازہ تھا، جس پر ماشاء اللہ کے الفاظ سنہرے حرف سے کندہ تھے، عائشہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے دونوں کے ساتھ آگے بڑھی، اندر ڈرائینگ روم میں ایک بہت ہی پرشفیق خاتون جن کا جھریوں زدہ پرنور چہرہ سفید دوپٹے کے ہالے میں جگمگا رہا تھا اور ہاتھ میں سفید کرسٹل کے شفاف دانوں کی تسبیح تھامے ورد کر رہی تھی آمنہ نے ان کو آگے بڑھ کر سلام کیا اور محبت سے ان کا ہاتھ چوما۔

''جیتی رہو میری بیٹی آنکھیں ترس گئی تھیں تمہیں دیکھنے کے لئے۔'' بی جان نے نم آنکھوں سے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''میں نے بھی آپ کو بہت مس کیا دادو، مگر اب میں آ گئی ہوں ناں اب یہ اداسی چھوڑ کر میری دوست ام عائشہ سے ملیں جس کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا یہ پاکستان کے مختلف تاریخی جگہوں کا وزٹ کرنے آئی ہے اور جب تک اس کا کام پورا نہیں ہو جاتا یہ ہمارے پاس ہی رہے گی۔'' آمنہ نے ام عائشہ کا مکمل تعارف کروایا، عائشہ جھجکتے ہوئے آگے بڑھی اور انہیں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! آؤ بیٹا میرے پاس آؤ تم بھی میری آمنہ کی طرح ہو، اس گھر کو اپنا گھر سمجھو

اور تم بھی مجھے دادو کہو گی تو مجھے اچھا لگے گا۔'' ان کے پرشفیق اور محبت بھرے انداز پر عائشہ بے اختیار ان سے لپٹ گئی اسے لگا آج اس کی پیاسی روح کو قرار آ گیا، دادو کے نرم گرم ممتا کے لمس میں اسے اپنی ماں کی محبت محسوس ہوئی، دادو نے بھی اس کی پیشانی پر پیار کیا۔

''جب ان کو پتہ چلے گا یہ ان کا اپنا خون، ان کے بیٹے کے وجود کا حصہ ہے اس وقت ان کی کیفیت کیا ہو گی؟'' آمنہ یہ سوچ کر مسکرا دی۔

''او، تو محترمہ یہی قیام کریں گی، چلو ایک نیا تھرل، ایک نئی انجوائمنٹ، لائف میں کچھ تو تبدیلی آئے گی چلیں مس عائشہ، آنے والے وقت میں دیکھتے ہیں آپ کب تک بلال سے بے نیاز رہیں گی جس کی شاندار شخصیت پر صنف مخالف پکے ہوئے پھل کی طرح گرتی ہیں آپ بھی میری وجاہت اور سحر زدہ شخصیت سے زیادہ عرصہ بے گانہ نہیں رہ سکیں گی۔'' بلال نے مسکراتے ہوئے سوچا کیونکہ اسے عائشہ کی بے نیازی بہت کھل رہی تھی جس نے اس پر ایک نگاہ التفات ڈالنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا۔

''او کے دادو! میں سونے جا رہا ہوں بہت تھک گیا ہوں اور مس عائشہ آپ سے پھر جلد ملاقات ہوتی ہے۔'' بولی کے طرز تخاطب پر عائشہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر وہ اپنے روم کی طرف جا چکا تھا، پھر آمنہ بھی اسے لے کر اس کے روم میں آ گئی جو بالائی منزل میں آمنہ کے برابر اور بلال کے روم کے بالکل سامنے تھا، نئی جگہ کے باوجود عائشہ شاور لے کر پرسکون نیند سوئی، مغرب کی اذان سے اس کی آنکھ کھلی اس نے کھڑکی کے پردے ہٹا کر باہر جھانکا، اس وقت اذان کی آواز پر پورا وائٹ ہاؤس بہت ہی پاکیزہ اور پرنور لگ رہا تھا، کچھ دیر تک وہ یونہی اذان کی آواز میں کھوئی رہی پھر نماز پڑھ کر فریش ہو کر نیچے آ گئی، آتے ہوئے اس کا سامنا اپنے روم سے نکلتے بلال سے ہوا اسے دیکھ کر وہ سائیڈ پر ہو گئی اور نظریں جھکا لیں بلال اس کے انداز پر تلملا کر رہ گیا، وہ اس وقت بلیک پینٹ اور بلیو شرٹ میں ملبوس، خوشبو میں بسا نظر انداز کیے جانے کے ہرگز قابل نہیں تھا، مگر یہ لڑکی اس کے لئے چیلنج بنتی جا رہی تھی، بلال نے اس کی طرف بھرپور نظر ڈالی، اس وقت بھی اس نے سوٹ کا ہم رنگ دوپٹہ اپنے چہرے کے گرد لپیٹا ہوا تھا، کہ بلال اس کو دیکھے گیا مگر تھوڑی دیر پہلے والی منفی سوچ اس کے ذہن سے محو ہو چکی تھی، وہ خود اپنی اس کیفیت پر حیران ہوا۔

''لگتا ہے آپ نیچے جا رہی تھیں؟''

''جی!'' عائشہ نے اسی طرح نگاہ نیچے کیے جواب دیا۔

''او کے پھر چلتے ہیں دادو بھی ڈنر پر انتظار کر رہی ہوں گی۔'' یہ کہہ کر بلال عائشہ کی تقلید میں زینے اترنے لگا، بلال کا ارادہ آج اپنے کچھ ہندو یونیورسٹی فیلوز کے ساتھ دیوالی منانے کا تھا لیکن اپنا ارادہ ترک کر کے اسے ساتھ ہی ڈائننگ روم میں آ گیا، جہاں محسن رضا اور دادو کے ساتھ ساتھ آمنہ اور یاسمین بھی چونکے بنا نہ رہ سکی یاسمین کا سامنا عائشہ کے ساتھ ابھی ہوا تھا، انہوں نے اس اجنبی مگر ماورائی حسن والی لڑکی کو نخوت سے دیکھا۔

''اونہہ ایک تو ان بڑی بی اور پوتی صاحبہ کو مہمان نوازی کا بڑا شوق ہے، محنت میرا شوہر کرے اور مزے یہ لوگ کریں اب یہ مفت کی مہمان نوازی۔''

''السلام علیکم!'' عائشہ کی آواز پر سب نے پرجوش جواب دیا تو وہ جھینپ گئی، اس کو دیکھ کر

بولی نے بھی بلا ارادہ سلام کیا یہ ایک خوشگوار جھٹکا تھا ان سب کے لئے، دادو نے عائشہ کو پیار سے اپنے ساتھ والی کرسی پر بٹھایا اور ایک ایک ڈش محبت سے پیش کی عائشہ نے مزیدار اسپائسی کھانے کو انجوائے کیا، محسن صاحب نے بھی اس کے پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگے تاکہ اسے اجنبیت کا احساس نہ رہے مگر یاسمین کا رویہ لیا دیا رہا، عائشہ نے محسوس تو کیا مگر اسے برا نہیں لگا، کیونکہ یہ لوگ اس کے اپنے نہ ہونے کے باوجود اس کو جتنی عزت اور محبت دے رہے تھے وہی اس کے اپنے نہ ہونے کے باوجود اس کو جتنی عزت اور محبت دے رہے تھے وہی اس کے لئے کافی تھا۔

''کیا میرے پاپا اور ان کی فیملی بھی مجھے اتنی ہی محبت دے سکے گی؟ اگر انہیں پتہ چل جائے کہ ان کے وجود کا حصہ ان کی تلاش میں بھٹک رہی ہے، شاید نہیں...... ورنہ پاپا نے میری ماما کو بے یار و مددگار چھوڑا ہی کیوں ہوتا؟'' عائشہ نے کرب سے آمنہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا، جو اپنے پاپا اور دادو سے لاڈ اٹھا رہی تھی، پھر بولی تو دوستوں کی طرف چلا گیا جبکہ یاسمین بیگم اور محسن رضا بھی اپنے اپنے روم میں آرام کرنے چلے گئے اور دادو عشاء کی نماز پڑھنے اٹھ گئیں۔

''آؤ عائشہ ہم لان میں چہل قدمی کرتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اسے اپنے ساتھ لئے لان میں آ گئی جہاں کچھ دیر چہل قدمی کے بعد اب دونوں جھولے پر بیٹھی ہلکی پھلکی باتیں کر رہی تھیں۔

''آمنہ تمہارا گھر، خاص طور پر یہ لان بہت خوبصورت ہے اتنے ڈھیر سارے قسم قسم کے پودے اور رنگ برنگے پھول، پھر ناریل اور جامن کے درخت، ہری بھری گھاس میرے روح کو اپنی خوشبو اور شادابی سے معطر کر رہے ہیں، آمنہ تمہیں پتہ ہے مجھے Gardening کا بہت شوق ہے مگر ہمارے اپارٹمنٹ میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ میں اپنا شوق پورا کر سکتی۔'' عائشہ نے اپنی معصوم سی خواہش کا اظہار کیا۔

''تمہیں پتہ ہے باغبانی کا شوق میرے چاچا کا ہے، انہیں طرح طرح کے پھول اور پودے جمع کرنے کا بہت شوق ہے تمہیں یہاں بہت سے نایاب پودے نظر آئیں گے جو انہوں نے خاص طور پر بیرون ملک سے منگوایا ہے انہیں اپنا یہ چھوٹا سا گارڈن بہت عزیز ہے۔'' آمنہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے مزید کہا۔

''آج کل وہ بزنس ٹور کے سلسلے میں باہر ملک ہے تو تم ان کی جگہ اس لان کی دیکھ بھال کر سکتی ہو اور چاہو تو اپنی پسند کے مطابق نئے پودوں کا اضافہ بھی کر سکتی ہو۔'' آمنہ نے اس کی دلچسپی اور شوق کو دیکھتے ہوئے اپنائیت سے کہا۔

''کیا واقعی؟ مگر تمہارے چاچو کو برا لگے گا۔'' عائشہ نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

''ارے نہیں، میرے چاچو بہت سوئیٹ ہیں انہیں تو خوشی ہو گی کہ کوئی ان کے جیسا ذوق رکھنے والا ہے۔'' آمنہ نے مسکراتے ہوئے کہا، عائشہ اس کی محبت پر مسکرا کر رہ گئی۔

صبح اس کی آنکھ سورج کی کرنوں کے استقبال سے کھلی جو اس کے کمرے کی مشرق کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے چھن چھن کرتی اندر آ کر صبح روشن کی نوید دے رہی تھیں، عائشہ نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں اور سورج کی پر حدت روشن کرنیں بہت بھلی لگیں، وہاں لندن میں سورج تو کبھی کبھار ہی کھل کر جلوہ دکھاتا تھا اور لوگ پھر (Sunny day) انجوائے کرتے

تھے اسے اپنی نماز قضا ہونے کا بھی افسوس ہوا نئی جگہ کی وجہ سے وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا تھا، جلدی سے اس نے قضا ادا کی اور پھر تلاوت قرآن کرنے لگی، ابھی وہ روانی سے نہیں پڑھ سکتی تھی مگر اس کی آواز میں ایک سوز اور انجانی سے کشش تھی، اسی وقت بلال کے کمرے کا دروازہ کھلا وہ خود حیران تھا کہ آج اتنی صبح کیسے اٹھ گیا؟ ورنہ اس کی صبح بارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی تھی۔

''اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' عائشہ کے کمرے سے آتی اس دلکش آواز نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی، وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں سورۂ رحمٰن بمعہ ترجمہ سنتا چلا گیا، اسے اپنے اندر کہیں ایک سرور سا محسوس ہوا جو شاید کبھی انگلش فاسٹ میوزک کی دھن میں بھی نہیں ہوا تھا اور یہ آواز اس کی خوش الحانی، اسے جولی کرسٹینا (سنگر) سے بھی زیادہ خوبصورت اور دل کو اپنی گرفت میں لینے والی لگی، اسی وقت عائشہ کمرے سے باہر آئی۔

''السلام علیکم اور صبح بخیر!'' عائشہ کی نرم آواز پر بلال نے چونک کر دیکھا۔

''Good morning۔'' بوبی نے جواباً خوشدلی سے کہا۔

یہ لڑکی کل سے مسلسل اسے ہر لمحے چونکا رہی تھی، لندن جیسے آزاد اور ماڈرن ملک میں رہنے کے باوجود اس لڑکی کی پروقار شخصیت اور اس کی سادگی مسلسل اس کو حیران کر رہی تھی، بوبی کو پہلی بار اپنے حلیے پر شرمندگی محسوس ہوئی مگر یہ صرف لمحاتی کیفیت تھی جلد ہی وہ اپنے پرانی جون میں واپس لوٹ آیا۔

''آپ کو نیند تو ٹھیک سے آئی مس عائشہ۔'' اس نے سرسری طور پر اس سے پوچھا کہ بہرحال وہ اس کی بہن کی دوست اور مہمان تھی اتنی آداب میزبانی تو اس میں بھی تھی۔

''جی الحمدللہ اور میرا نام عائش نہیں بلکہ ام عائشہ ہے۔'' عائشہ نے اسی ازلی بے نیازی مگر نرمی سے جواب دیا۔

''اوکے۔'' بوبی نے مسکرا کر کہا۔

''ویسے ایک بات تو بتائے مس عائشہ؟'' عائشہ نے اس کے سوال پر ایک نگاہ اٹھا کر دیکھا پھر سر جھکا لیا۔

''جی پوچھیں۔''

''آپ ابھی قرآن پاک کی تلاوت بمعہ ترجمہ کر رہی تھیں جس نے مجھے حیران کر دیا میرا مطلب ہے کہ آپ کی پرورش لندن میں ہوئی تو بیس سال تک اس ماحول میں رہنے اور چرچ جانے کے باوجود اسلام کی طرف راغب ہونا، قرآن پاک کو اتنے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنا؟ اتنی بڑی تبدیلی اچانک؟ آپ سمجھ رہی ہے ناں، میں کیا پوچھنا چاہتا ہوں؟'' بلال کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کس طرح اپنی بات کی وضاحت کرے۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں مسٹر بلال! میری پرورش بے شک عیسائی مذہب کے تحت ہوئی مگر میرے والدین الحمدللہ مسلمان تھے۔'' بوبی نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا وہ تو سمجھ رہا تھا کہ وہ نومسلم ہے۔

''خیر یہ ایک لمبی داستان ہے، بہرحال میں صرف آپ کے سوال کا جواب میں یہ واضح کرنا چاہوں گی کہ میرے رگوں میں مسلمان باپ کا خون ہے اسی لئے مجھ پر کبھی عیسائی مذہب غالب نہیں ہو سکا، You know جب میں اذان سنتی ہوں تو مجھ پر ایک ٹرانس طاری ہو جاتا ہے پھر اللہ پاک نے میری اصل شناخت تک رسائی کے لئے اور اندھیرے سے نکال کر روشنی میں

لانے کے لئے ایک رہنما جگنو آمنہ کی صورت میں بھیجا اس نے مجھے بتایا کہ اذان دراصل اللہ پاک کی طرف سے بھلائی کا بلاوا ہے اور جو اس پکار اور بلاوے کی طرف جاتا ہے تو دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی اور عزت اس کے قدم چومتی ہے اور آپ کو پتہ ہے بلال! مجھے آمنہ نے ہی بتایا تھا کہ حضرت بلالؓ آقا دو جہاں حضرت محمدؐ (اللہ کے خاص پیغمبر کے غلام تھے جن کی آواز میں ایسا سوز اور اثر تھا کہ جب وہ اذان دیتے تو پوری کائنات تھم جاتی اور اللہ کی حمد و ثناء میں مصروف ہو جاتی۔" عائشہ ایک جذب اور عقیدت کی کیفیت میں کہتی چلی گئی۔

عائشہ نے اسی کھوئی کھوئی کیفیت میں بات جاری رکھی، جس کو سننا بلال کی سماعت اور بصیرت کو کسی اور ہی دنیا سے متعارف کروا رہا تھا، ایک ایسی دنیا جہاں صرف پرنور روشنی ہی روشنی ہے۔

"اور جہاں تک آپ کا سوال ہے کہ مجھے قرآن سیکھنا، تلاوت کرنا کیوں اچھا لگتا ہے، تو مسٹر بلال میں نے لندن کی ہر یونیورسٹی ہر لائبریری میں جان ڈیوی، افلاطون، ہیگل جیسے مفکرین کو پڑھا، ان پر ریسرچ کی مگر کوئی بھی میرے دل اور روح کو مطمئن نہیں کر سکا، یہاں تک کہ ہندو، بدھ مذہب اور یہودی مذہب کا بھی مطالعہ کیا مگر کوئی بھی ٹھوس دلیل سے اللہ کے وجود اور وحدانیت کو ثابت نہیں کر سکا اور نہ ہی اس بات کی وضاحت کر سکا کہ خدا اصل میں کہاں رہتا ہے؟ ایک ہی مذہب کے مختلف عقائد اور سوچ رکھنے والوں کے نظریے اور فکری استدلال میں زمین و آسمان کا فرق اور اختلاف تھا، یہاں تک کہ بائبل جو اللہ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی اس میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ نامور اسکالرز اور پادری نے اپنے عقیدے اور علم کے مطابق ترمیم کر دی، God کے فرمان کے معنی و مطالب ہی بدل دیئے یہاں تک کہ عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا بتا کر شرک کے مرتکب ہوئے، مگر جب کسی مصلحت کے تحت اللہ نے حضرت عیسیٰ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا تھا اور قیامت کے دن خانہ کعبہ کے چھت پر عیسیٰ اتریں گے اور خود وہ اللہ کے ایک ہونے اور نبی پاکؐ کے آخری پیغمبر اور رسولؐ ہونے کی گواہی دیں گے۔

اور جب میں نے قرآن سیکھا، اس کا انگریزی زبان میں اور پھر آمنہ کی مدد سے اردو میں ترجمہ و تفسیر پڑھی تو مجھے آگہی ملی کہ سب کا خدا تو صرف ایک ہی وحدہ لاشریک ہے جو ہمارے دل اور روح میں بستا ہے کسی چرچ یا مندر میں نہیں اور جسے ہم اپنے ایمان کی قوت اور یقین کی آنکھ سے دیکھ اور محسوس کر سکتے ہیں اور یہی احساس ہمیں ہر گناہ کی لذت سے بچاتا ہے کہ وہ ہر جگہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، ہمارے ایک ایک عمل پر اس کی نظر ہے، وہ قدم قدم پر ہمیں گمراہی سے بچاتا ہے اس رہنمائی اور فرمانبرداری میں ہی ہماری عافیت اور انکار میں تباہی ہے اور قرآن پاک وہ نسخہ کیمیا ہے جو ہمارے پیارے Prophet حضرت محمدؐ پر نازل ہوا جو مکمل Code of life ہے اس کے ذریعے ہی ہم اپنی زندگی میں صحیح مقصد کا تعین کر کے اپنے اصل منزل کی طرف گامزن ہو سکتے ہیں یہ ایک ایسا روشنی کا مینارہ ہے جو ہمارے ظاہر اور باطن دونوں کو روشن اور شفاف کر دیتا ہے، پھر ہمیں اپنا ہر عمل اور کردار اپنے ذات کے آئینے میں صاف صاف نظر آتا ہے جو برائی اور بھلائی کا فیصلہ کرنے میں ہماری مدد کرتا ہے۔" عائشہ نے مطمئن اور پر اعتماد انداز میں نہ صرف اپنی دلی کیفیات و محسوسات بیان کیے بلکہ بلال کے لئے

بھی ایک نئی راہ ہموار کر دی اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ بھی دوبارہ سے پوری دل جمعی کے ساتھ قرآن پاک کو بمعہ ترجمہ و تفسیر پڑھے گا، شاید اللہ کو اس کی ہدایت منظور تھی تب ہی قدرت اسے بدی کے دلدل میں دھنسنے سے پہلے سنبھلنے کا موقع فراہم کر رہی تھی، اسی وقت آمنہ کی آواز پر دونوں چونکے۔

''میں تمہیں ہی بلانے آ رہی تھی چلو سب ناشتے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں ارے بلال بھائی آپ بھی اٹھ گئے what a pleasant آج سورج مشرق کی بجائے مغرب سے تو نہیں نکلا؟'' آمنہ نے شرارتی لہجے میں پوچھا۔

بلال اس کی بات پر جھینپتے ہوئے اسے گھورنے لگا، اس کو پہلی بار اپنے دیر سے اٹھنے کی عادت پر کوفت ہوئی۔

''تم لوگ چلو میں ہاتھ لے کر آتا ہوں آج مجھے یونیورسٹی بھی جانا ہے اپنے رزلٹ کا معلوم کرنے۔'' یہ کہہ کر بلال واپس اپنے روم میں چلا گیا، جبکہ وہ دونوں دادو کے پاس چلی گئیں ان کو سلام کر کے دعائیں لیں، پھر ناشتے سے فراغت کے بعد آمنہ اسے لائبریری لے کر آ گئی۔

''مجھے لگا تم بور ہو رہی ہو گی، تو سوچا تمہاری بوریت ختم کرنے کا انتظام کیا جائے۔'' اور عائشہ تو اتنی ساری کتابوں کا انتخاب دیکھ کر حیران رہ گئی، جہاں اسلامی کتب سے لے کر بزنس تک ہر موضوع پر مختلف اور نامور مصنف کی کتب موجود تھیں۔

''اتنی زبردست اور خوبصورت کلیکشن واؤ، یہ کس کی ہیں؟'' عائشہ نے خوشی سے تصوف کے موضوع پر ایک کتاب اٹھاتے ہوئے پوچھا اس نے اپنے شوق کی وجہ سے لندن میں ایک لینگویج سینٹر سے اردو زبان سیکھی تھی جو آج اس کے کام آ رہی تھی۔

''ارے یہ میرے چاچو کی لائبریری ہے، باغبانی کے علاوہ ان کا دوسرا شوق اچھی اچھی کتابیں پڑھنا اور صوفیانہ کلام سننا ہے۔'' آمنہ نے سی ڈی پلیئر میں عابدہ پروین کا کلام لگاتے ہوئے جواب دیا۔

''ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہے ہم۔'' عابدہ پروین کی سحر انگیز آواز لائبریری میں گونجنے لگی۔

''ویسے عائشہ کتنی حیرت کی بات ہے ناں، تمہاری اور میرے چاچو کی پسند کتنی ملتی جلتی ہے؟'' آمنہ نے اپنا لہجہ سرسری بناتے ہوئے کہا، عائشہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا یہی بات تو وہ بھی ابھی سوچ رہی تھی۔

''ہاں یہ ایک خوشگوار اتفاق ہے، اب تو مجھے بھی ان سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔'' عائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہوں بس ڈیئر جلد ہی تمہارا انتظار ختم ہو جائے گا اور ہاں تم نے اپنے پاپا کو تلاش کرنے میں مدد کے لئے کہا تھا کہ ان کو اتنے بڑے ملک میں کیسے ڈھونڈو گی؟ سو Don,t worry چاچو کو آ جانے دو، وہ تمہارے پاپا کو تلاش کرنے میں ہماری مدد کریں گے ان کا تعلق Information international dept سے رہا ہے اور انہوں نے بھی اسی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی ہے، جہاں سے تمہارے Parants نے، ہو سکتا ہے وہ تمہارے پاپا کو جانتے ہوں۔'' آمنہ نے عائشہ کو تفصیل سے آگے کی پلاننگ بتائی۔

''کیا واقعی! اگر ایسا ہو جائے تو یقیناً پاپا کو مجھے تلاش کرنے میں آسانی ہو گی پھر مجھے واپس

بھی تو جانا ہے۔'' عائشہ نے یاسیت سے کہا۔

''اوہ ابھی آئے تمہیں پانچواں دن ہے اور ابھی سے جانے کی باتیں شروع کر دیں، چاچو کو آنے میں ابھی ٹائم ہے، جب تک تم یہاں آرام سے رہو، تمہارا اپنا گھر ہے ہم سب تمہارے اپنے ہیں بس یاسمین چاچی کے رویے کو دل پر نہیں لیا کرو، وہ ہم سب کے ساتھ بھی ریزرو رہتی ہیں۔'' آمنہ نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پیار سے کہا۔

''اور ہاں، میں تمہیں سارا شہر دکھاؤں لاہور کی تمام تاریخی جگہیں، بادشاہی مسجد، شاہی قلعہ، اسلام آباد میں شاہ فیصل مسجد، پھر مزار قائد پر سب جگہیں تمہیں دکھاؤں گی جن کا تمہیں شوق اور خواہش ہے۔'' عائشہ کی آنکھیں اس کی محبت پر بھیگ گئی، پھر آمنہ نے اس کو خوب گھمایا پھرایا، اس کی کمپنی میں وہ کبھی بور نہیں ہوئی۔

آمنہ کی صورت میں اسے نہ صرف ایک اچھی دوست بلکہ بہن بھی مل گئی تھی، پھر دادو کی شفقت بھری چھاؤں میں وہ خود کو خوش قسمت تصور کرتی تھی، تری سے بھی اکثر اس کی بات چیت ہوتی تھی وہ اس کی خوشی سے بھرپور زندگی سے مطمئن تھیں اور دعا کرتی تھیں کہ جلد از جلد جولیا کو (وہ اب بھی اس کو عائشہ نہیں جولیا ہی کہتی تھیں) کو اس کے پاپا کا پتہ چل جائے تاکہ اس کی ذات کا یہ ادھورا پن مکمل ہو جائے۔

☆☆☆

آج بھی وہ آمنہ کے پرزور اصرار پر بلال اور اس کے ساتھ لاہور کے مشہور آئسکریم پارلر میں آئسکریم کھانے آئی تھی، موسم کی مناسبت سے اس نے لیمن کلر کے سوٹ پر ہم رنگ اسکارف پہنا ہوا تھا، اس کا چاند سا چہرہ ہر قسم کی آرائش سے پاک تھا، بلال اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''اس لڑکی کا ڈھکا، چھپا حسن اتنا سحر انگیز اور پرکشش ہے تو اس کا مکمل حسن تو سامنے والے کو چاروں شانے چت کرنے کے لئے کافی ہے، کاش اس لڑکی کے مکمل حسن سے میں بھی اپنی نگاہوں کو خیرہ کر سکوں۔'' بلال نے بے دھیانی میں آئسکریم میں چمچ ہلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر سوچا۔

''ارے بھائی! آپ آئسکریم کھا رہے ہیں یا اس سے کھیل رہے ہیں؟'' آمنہ نے اس کی گم صم کیفیت پر اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''ہوں، ہاں، بس کھا رہا ہوں تم لوگ انجوائے کرو ناں اور مس عائشہ آپ کوئی اور فلیور لینا پسند کریں گی؟'' بلال نے براہ راست عائشہ سے پوچھا۔

''جی نہیں شکریہ۔'' اس نے اپنے اسی دھیمے اور پروقار لہجے میں جواب دیا۔

''ہائے بوبی!'' اسی وقت ایک الٹرا ماڈرن لڑکی ان کی طرف آئی اور آتے ہی بلال کے گلے کا ہار بن گئی، بے حیائی کے اس کھلے مظاہرے پر عائشہ کی نظریں جھک گئیں، آج پہلی بار بلال کو اچھی خاصی شرمندگی محسوس ہوئی، اس نے لینا کو خود سے دور ہٹاتے ہوئے عائشہ کا تعارف کروایا۔

''اوہ تو آپ وہ آپ ہیں جو لندن سے آج کل بوبی کے گھر Stay کر رہی ہیں امیزنگ، آپ کو دیکھ کر تو کہیں سے نہیں لگ رہا کہ آپ لندن سٹیزن ہیں۔'' لینا نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے طنزیہ کہا۔

''اور آپ کا یہ گیٹ اپ How funny اتنا بیک ورڈ ایسا لگ رہا ہے کہ آپ لندن سے نہیں بلکہ ٹنڈو آدم جیسے کسی اندرون شہر سے آئی ہیں ہاہاہا۔'' لینا نے اس کی شخصیت کی

دھجیاں اڑاتے ہوئے اپنے زہریلے الفاظ سے نہ صرف عائشہ بلکہ آمنہ کو بھی تحقیر کا نشانہ بنایا جسے آمنہ برداشت نہ کر سکی بلال کا بس نہیں چل رہا تھا کہ لینا کی قینچی کی طرح چلتی زبان پر تالا لگا دے اسے اچھی خاصی پشیمانی وندامت محسوس ہوئی۔

''Just shut up it,s rnough leena! تم حد سے زیادہ بڑھ رہی ہو، تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میری دوست کی اس طرح تذلیل کرو، رہی حلیے کی بات تو تم خود پر ایک نظر ڈالو، کہیں سے مسلم لڑکی لگتی ہو، ہونہہ مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتے ہوئے اس طرح سلیولیس ٹاپ، جینس پہنے تم لڑکوں کو دعوت نظارہ پیش کرتی نظر آتی ہو، تم کیا سمجھتی ہو، وہ تمہارے حسن کے دیوانے ہیں، نہیں مس لینا، وہ تمہارے نہیں بلکہ تمہارے اس کھلے، برہنہ جسم اور اداؤں پر مرتے ہیں، جس پر لڑکے اس طرح اپنی غلیظ ہوس زدہ نظر ڈالتے ہیں، جیسے مکھیاں پکے رس دار پھلوں پر بھنبھناتی ہیں، خبردار آئندہ عائشہ کے لئے اتنے نازیبا الفاظ استعمال کیے ورنہ میں بھائی کے دوست ہونے کا بھی لحاظ نہیں کروں گی۔''

آمنہ جب بولنے پر آئی تو جوش و اشتعال میں بولتی چلی گئی، عائشہ اسے جب دھوئیں دار چہرے کے ساتھ دیکھ رہی تھی، بلال کا بھی شرمندگی سے برا حال تھا اور لینا پر غصہ آرہا تھا لیکن جس طرح آمنہ نے لینا کی کلاس لی، بلال کو ہرگز اس کی توقع نہیں تھی۔

''چھوڑو آمنہ! یہ مجھے نہیں جانتیں، کوئی بات نہیں ہر انسان کی اپنی رائے ہوتی ہے انہیں میں جیسے لگیں اس کا اظہار کر دیا اٹس او کے مجھے کچھ بھی فیل نہیں ہوا۔'' اور بلال اس کو چونک کر دیکھنے لگا کہ لینا نے اس کی اتنی انسلٹ کر دی بجائے اس پر غصہ کرنے اور برا بھلا کہنے کے بلکہ الٹا لینا کی حمایت میں آمنہ کو ہی سمجھا رہی ہے، اس سے پہلے کہ لینا مزید کچھ الٹا سیدھا جواب دے کر اسے شرمندہ کرتی وہ اسے وہاں سے لے گیا۔

دوسرے دن وہ موقع کی تلاش میں تھا کہ عائشہ سے لینا کی بدتمیزی کی معافی مانگ سکے، مگر عائشہ کا رویہ بالکل نارمل تھا، بالآخر اسے شام میں ٹیرس پر موقع مل ہی گیا

''Good evening مس عائشہ۔''

جواباً عائشہ نے اسے سلامتی بھیجی جس پر بلال کچھ نادم ہوا مگر جلد ہی دوبارہ اپنی روش پر آتے ہوئے اس کی خیر، خیریت دریافت کرنے لگا۔

''لگتا ہے آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟'' عائشہ نے بلال کی مشکل آسان کر دی۔

''ہاں وہ کل لینا نے جو آپ سے روڈ لہجے میں بات کی اس کے رویے پر آپ سے میں سوری کرنا چاہتا ہوں۔'' بلال نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا جس پر وہ خود حیران تھا کہ اس کے جیسا بااعتماد، بولڈ، چارمنگ اور لڑکیوں کی بولتی بند کروا دینے والا آج ایک لڑکی کے سامنے اس طرح جھجک کر سوری کر رہا ہے۔

''اٹس او کے، بلال صاحب آپ کی اس میں کوئی غلطی نہیں، نہ ہی لینا کی، ظاہر ہے میں جس ملک سے آئی ہوں وہاں کا کلچر اور لائف اسٹائل وہی ہے جس کا لینا نے اظہار کیا، مجھے اس سے یا آپ سے کوئی شکایت نہیں۔'' عائشہ نے سہولت سے اسے جواب دیا۔

''امیزنگ مجھے واقعی یہ کہنے میں کوئی عار نہیں You are realy a unique persan۔'' عائشہ اس کی بات پر صرف مسکرا کر رہ گئی۔

''ویسے ایک بات تو بتائیے مس عائشہ!''

بلال کے اس کے نرم اور دوستانہ رویے سے تھوڑی ہچکچاہٹ دور ہوئی۔

''آپ یہاں جس مقصد کے لیے آئی ہیں I mean آمنہ نے مجھے مختصراً آپ کے بارے میں بتایا ہے، کیا آپ کو لگتا ہے بغیر کسی ایڈریس اور بائیو ڈیٹا کے آپ اتنے بڑے ملک میں جو آپ کے لئے بالکل اجنبی ہے کیا اپنے فادر کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں گی؟'' عائشہ نے اس کے سوال پر ایک نگاہ اٹھا کر دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں، بلال کو بار حیا سے جھکی اس کی پلکوں کی چلمن دنیا کا سب سے خوبصورت منظر لگیں۔

تم نے کبھی چاند پہ دیکھا ہے بہتا پانی
اس کے رخسار پر دیکھا ہے میں نے یہ منظر اکثر

بلال کو خود اپنی سوچ پر ہنسی آئی، پھر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''جی مجھے یقین ہے کیونکہ یہ ملک میرے لئے اجنبی نہیں، یہاں کی فضاؤں میں میرے پاپا کی سانسیں بستی ہیں اور جہاں تک ان کو ڈھونڈنے نکالنے کی بات ہے تو مجھے پورا یقین ہے میں انہیں تلاش کر لوں گی اس لئے کہ میرے ساتھ ایک ہستی ایسی ہے جو ہر وقت، ہر لمحہ ہر دکھ اور ہر سکھ میرے ساتھ رہتی ہے جس نے مجھے آمنہ جیسی دوست سے ملا کر میری منزل کا تعین کروایا، یقیناً وہی رب مجھے میری منزل یعنی میرے والد تک پہنچائے گا، انشاء اللہ۔'' عائشہ نے پر یقین لہجے میں جواب دیا۔

''وہ کون ہے؟'' بلال نے بے ساختہ پوچھا۔

''میرا اللہ۔'' یہ کہہ کر وہ وہاں رکی نہیں بلکہ اپنے کمرے میں چلی گئی، بلال نے دیکھا لفظ اللہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر کتنا سکون اور یقین تھا، بلال اس کی سوچ پر، پختہ ایمان پر حیران رہ گیا، آنے والے دنوں میں ہر لمحہ حیران کرتی یہ لڑکی اس کے دل و دماغ پر چھانے لگی، ہر وقت اس کو دیکھنا، اس کے بارے میں سوچنا اسے اچھا لگنے لگا، وہ خود اپنی بدلتی کیفیت پر حیران تھا۔

''یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے یہ لڑکی میرے حواسوں پر اس طرح کیوں چھا رہی ہے؟ کیا مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے؟'' اس کے دل سے آواز آئی۔

''نہیں، نہیں۔'' وہ اپنے خیالوں سے انکاری ہوا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا بس یہ لڑکی میری زندگی میں آنے والی تمام لڑکیوں سے عادت و کردار میں منفرد ہے اس لئے مجھے اس کو جاننے کی جستجو ہو رہی ہے اور بس۔'' اس نے اپنے جذبات سے نظریں چراتے ہوئے دھڑکتے دل کو خاموش کرانا چاہا۔

☆☆☆

ایک دفعہ وہ صبح کاذب میں شراب کے نشے میں گھر میں داخل ہوا تو اس وقت عائشہ جو تہجد پڑھنے کے لئے اٹھی تھی اس کو اس حالت میں دیکھ کر اسے بہت افسوس ہوا، دوپہر میں جب وہ سو کر اٹھا اور فریش ہو کر نیچے کی طرف جانے لگا اس کا سامنا عائشہ سے ہوا۔

''بلال صاحب مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے اگرچہ میرا حق تو نہیں مگر آمنہ کی دوست کی حیثیت سے اور آپ کے گھر والوں نے جو مجھے اپنائیت دی اس کے ناطے میں کیا آپ سے کچھ کہہ سکتی ہوں؟'' عائشہ نے کچھ جھجکتے ہوئے تمہید باندھی۔

''جی کہیں۔'' بلال کے منہ سے بلا ارادہ نکلا۔

''وہ میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ آپ ایک مسلمان ہیں اور معاشرے کے مہذب اور باعزت گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، آپ رات جس طرح شراب کی حالت میں آئی مین میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے تو اتنی دین کی معلومات نہیں مگر جہاں تک قرآن کو پڑھا اور سمجھا ہے اس کے مطابق شراب حرام اور ام الخبائث ہے کیونکہ یہ آپ کے حواس کو کمزور کر دیتی ہے آپ کو اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت چھین لیتی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے ''مت آؤ نماز کی طرف، جب تم نشے کی حالت میں ہو'' سوچیں بلال صاحب جب نماز جو ہم پر فرض ہے اللہ نے شراب کے نشے میں اس تک پہنچنے سے بھی ممانعت کی ہے اور یہ ہماری صحت کے لئے بھی نقصان دہ ہے، آپ سمجھ رہے ہیں ناں میری بات؟ دادو بھی آپ کی اس عادت کی وجہ سے بہت دکھی ہیں گھر کے باقی افراد کو بھی اس بارے میں نہیں پتہ مگر صبح فجر میں دادو جس طرح آپ کو اس حالت میں دیکھ کر رو رہی تھیں، تڑپ رہی تھیں مجھ سے برداشت نہیں ہوا، آپ تو خوش نصیب ہے کہ آپ کے سر پر دادو جیسی شفیق بزرگ کا دست محبت ہے پلیز ان کی قدر کریں، اگر آپ نے میری باتوں کا برا مانا تو معذرت، بہرحال آپ کے ذاتی معاملات میں مجھے کچھ کہنے کا حق نہیں۔'' عائشہ نے اس کی خاموشی سے ہی اخذ کیا کہ اسے اس کی باتیں ناگوار لگ رہی ہیں۔

''اٹس آل رائٹ۔'' بلال احساس ندامت سے صرف اتنا ہی کہہ سکا، بعد میں اس نے اپنا محاسبہ کیا تو اسے عائشہ کی باتیں صحیح لگیں، وہ کوئی عادی شرابی نہیں تھا بس کبھی کبھی دوستوں کے بہکاوے میں پی لیتا تھا مگر اس نے خود سے عہد کیا کہ آئندہ وہ کبھی شراب جیسی لعنت کو ہاتھ نہیں لگائے گا اسے خود بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ جب سے اس نے شراب پینا شروع کی اس کا ذہن ہر وقت ماؤف رہتا جس سے اس کی اسٹڈی پر بھی اثر پڑ رہا تھا اور آج عائشہ نے جس انداز میں اس کو سمجھایا وہ اس کے دل پر کسی آسمانی صحیفے کی طرح اثر کر گیا۔

☆☆☆

آج صبح سے موسم ابر آلود تھا بادل ایک دوسرے کے تعاقب میں برسنے کے لئے تیار تھے، ٹھنڈی رم جھم ہوا چل رہی تھی، موتیا اور چنبیلی کی خوشبو سے پورا لان مہک رہا تھا وہ دونوں عصر کی نماز کے بعد کافی کا مگ لئے اپنی پسندیدہ جگہ جھولے میں موسم کی دلفریبی کو انجوائے کر رہی تھیں، ہوا کا جھونکا بار بار اس کے صبیح چہرے کے گرد لپیٹے گلابی دوپٹے کے ہالے سے جھانکتے سنہری بالوں کی لٹوں کو چوم رہا تھا جسے وہ بار بار لاپرواہی سے پیچھے ہٹاتی، شاید آمنہ کی کسی بات پر کھلکھلا رہی تھی اس کی ہنسی بھی اس کی طرح شفاف کھنکتی ہوئی تھی، بلال اپنے ٹیرس سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا، اس کی نظریں اس کے چاند چہرے کا طواف کر رہی تھیں، ایسا لگتا تھا وہ اس کی جھیل جیسی نیلی آنکھوں کی گہرائی میں ڈوب جائے گا۔

''یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ اس لڑکی میں ایسا آخر کیا ہے؟ جو مجھے کسی اور طرف دیکھنے ہی نہیں دیتا اور دل اس کی ہر بات مانتا چلا جاتا ہے جتنا اس کے تصور سے پیچھا چھڑاتا ہوں وہ اس سے بھی زیادہ مضبوطی سے دل کی مسند پر براجمان ہو جاتی ہے۔''

آج بھی لینا جو اس سے پہلے ہی ناراض تھی اس کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی جیسے وہاں وہ

موجود نہیں تھا، لینا نے اس کی بے توجہی کی طرف دھیان بھی دلایا مگر اس کا ہوشربا حسن، ماڈرن بے باک ڈریسنگ جسے وہ ہمیشہ سراہتا تھا آج کچھ بھی اسے متاثر نہیں کر سکا، بلکہ اس کے سامنے بار بار عائشہ کا پروقار دھیما لہجہ اور باپردہ سراپا آکر اسے ڈسٹرب کر رہا تھا، بالآخر وہ لینا سے سر درد کا بہانہ کر کے گھر آ گیا تھا، مگر ایک اضطراب تھا اور دل مضطر کو ایک پل بھی قرار نہیں تھا اور اب ٹیرس پر کھڑے نہ جانے کب تک اسے دیکھتا رہتا کہ ایکدم اسے گیٹ سے جمی اور نومی اندر آتے نظر آئیں، وہ دونوں ان کی آمد سے بے خبر تھیں مگر جمی نے آمنہ اور عائشہ کو دیکھ لیا تھا اور اس سے پہلے کے وہ دونوں ان کی طرف بڑھتے، بلال سیڑھیاں پھلانگتے ان تک پہنچ گیا اور دونوں کو اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا۔

''ارے یار بوبی، آمنہ کو تو میں جانتا ہوں تیری بہن ہے، مگر وہ دوسری پری وش کون تھی؟ کم از کم ہمیں آنکھیں ہی خیرہ کرنے دیتا تجھے پتہ تو ہے خوبصورت اور مکمل بے داغ حسن میری کمزوری ہے۔'' جمی نے خباثت سے آنکھ مارتے ہوئے کہا، اس سے پہلے بلال کو جمی کا یہ گھٹیا انداز برا نہیں لگا تھا بلکہ وہ خود اس کا ساتھ دیتا تھا مگر آج نہ صرف اسے جمی کی بات بری لگی تھی بلکہ اس کا خون بھی کھول رہا تھا۔

''You bloody تمہاری ہمت کیسی ہوئی اتنی عامیانہ بکواس کرنے کی، وہ میری بہن کی دوست اور ہماری مہمان ہونے کی حیثیت سے اس گھر کی عزت ہے، اگر آئندہ ایسی گھٹیا بات کی تو تمہیں زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔'' بلال نے غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ جمی کو ہوشیار کیا۔

''اوہ بوبی صاحب آج بڑی شرافت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس وقت تمہاری غیرت کہاں تھی جب تم دوسری لڑکیوں کی عزتوں سے کھیلتے تھے، بڑا آیا شریف زادہ، اونہہ۔'' جمی نے بھی اسے اس کی اصلیت کا آئینہ دکھایا۔

''میں ان کو نہیں بلاتا تھا وہ خود میرے پاس دوڑے چلی آتی تھیں جب لڑکیوں کو خود ہی اپنی عزت و حرمت کا خیال نہ ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں، مگر میری بہن اور اس کی دوست بالکل ان لڑکیوں جیسی نہیں خبردار آئندہ میرے گھر کی پاکباز عزتوں کو ان دو ٹکوں کی لڑکیوں کے ساتھ ملایا۔'' بلال نے غصے سے مٹھی بھینچتے ہوئے کہا مگر مقابل بھی جمی جیسا بدقماش تھا۔

''کیا؟ Well said یعنی دوسروں کی بیٹی بکاؤ مال اور اپنی بہن بیٹی عزت دار، واہ بلال کیا اصول ہیں آپ کے؟'' جمی نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا، اس سے پہلے کہ بات مزید بڑھتی، نومی نے ہی درمیان میں آکر معاملہ سلجھایا اور پھر جمی کو سمجھا کر وہاں سے لے گیا۔

☆☆☆

''یہ جمی مجھے کیسا آئینہ دکھا گیا، کیا واقعی آج تک میں نے دوسروں کی عزتوں کے ساتھ جو نازیبا حرکت کیں مجھے ایک مسلمان اور شریف خاندان کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے یہ سب زیب دیتا تھا؟ اور آج جب اپنی بہن کی بات آئی تو...... اوہ میرے اللہ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ یہ بے چینی یہ بے سکونی تو پہلے کبھی نہیں تھی میں تو اپنی زندگی سے بہت خوش اور مطمئن تھا، دادو بھی مجھے کتنا سمجھاتی تھیں، مگر میں نے کبھی ان کی باتوں میں دھیان نہیں دیا اور یاسمین چاچی کی باتوں میں آکر لاشعوری طور پر چاچو کو ٹارچر کرنے کے چکر میں یہ میں نے کون سا بدی کا راستہ اختیار کر

لیا ہے، جہاں سے واپسی ممکن نظر نہیں آتی، اے اللہ مجھے بھٹکنے سے بچا لے مجھے گمراہ ہونے سے بچا لے، مجھے معاف کر دے میرے مالک۔"
آج بلال نے خود پر جمی بدگمانی کے آئینے کو صاف کر کے دیکھا تو اسے اپنا اصل بھیانک گناہوں میں لتھڑا آلودہ چہرہ نظر آیا، جس سے وہ خود بھی نظر نہیں ملا سکتا تھا، اس نے صرف اپنی چاچی جو اس کی خالہ بھی تھیں صرف ان کا بدلہ لینے کے لئے نہ صرف اپنے پاپا کے خلاف کام کیا بلکہ دادو کی شفقت و محبت کو بھی جھٹلاتا رہا اور چاچو بے شک ان کا اپنی لائف کے ساتھ جو بھی اختلاف تھا یہ ان کا ذاتی مسئلہ تھا مگر اس نے ان کی بے مثال محبت اور چاہت کا جواب صرف نفرت اور نافرمانی سے دیا۔
پھر سب گھر والوں نے اس کے اندر ایک تبدیلی دیکھی، بلال جس نے کبھی عید کے علاوہ مسجد کی شکل نہیں دیکھی تھی اب روز علی الصبح نماز پڑھنے کے لئے جاتا اسے اللہ کے آگے اپنی دل اور روح کی رضا سے سجدہ کرنے میں ایسا لطف آنے لگا تھا جو کبھی ڈانس یا کوک ٹیل پارٹی میں نہیں آیا تھا اتنے سال تک اللہ کی غفلت سے وہ شرمندہ تھا، کسی نے بھی اس کی اس کی تبدیلی پر ٹوکا نہیں تھا بلکہ خوشی کا اظہار کیا تھا چاچو کو بھی اس نے فون پر بلال میں آنے والی مثبت تبدیلی کا بتایا تھا جس پر چاچو نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان کی دعا قبول کر کے ان کے بیٹے جیسے بھتیجے کو گمراہی کے راستے سے واپس بلا لیا تھا ورنہ بلال کی نازیبا حرکتوں کا ذمہ دار خود کو سمجھتے تھے۔

☆☆☆

آج اتوار تھا اور بلال حسب خلاف گھر والوں سے لاڈ اٹھا رہا تھا، دادو اس کے فرمائش پر اس کے سر میں تیل کی مالش کر رہی تھیں وہی تیل جسے ہمیشہ اسے الجھن ہوتی تھی، آج دادو کی گود میں سر رکھا مزے سے ان سے باتیں کر رہا تھا اسے دادو سے ان کی زندگی کے قصے سن کر بہت اچھا لگ رہا تھا وہی باتیں جو اس کے لئے ہمیشہ بوریت اور اکتاہٹ کا باعث بنتی تھیں، عائشہ جو دادو سے ناشتے کا پوچھنے آ رہی تھی وہ بھی یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی۔
اس وقت عائشہ پر بلال کی نظر پڑی آج اسکارف کی بجائے اپنے گرد دوپٹے کو نماز کے انداز میں لپیٹا ہوا تھا اس کی نیلی گہری جھیل سی آنکھوں میں ایک الوہی چمک اور چہرے پر پاکیزگی تھی، اس کے ستواں ناک میں ننھی سی ہیرے کی لونگ جگمگا رہی تھی جو اس کے چاند چہرے کو مزید روشن اور پرنور بنا رہی تھی بلال بے خودی میں اسے دیکھے گیا، آج اس کی نظر میں پہلے دن کے مقابلے میں عائشہ کے لئے عقیدت اور احترام تھا۔
"السلام علیکم! دادو، میں نے آج اسپیشلی گاجر کا حلوہ بنایا ہے، پلیز چکھ کر بتائیں کیسا بنا ہے؟" عائشہ نے مسکراتے ہوئے پلیٹ دادو کی طرف رکھی جسے بلال نے اپنی طرف اچک لی۔
"ہوں Very delicious مس عائشہ آپ کو اتنی اچھی پاکستانی کوکنگ آتی ہے امیزنگ۔" بلال نے کھلے دل سے تعریف کی، عائشہ کے ساتھ ساتھ دادو بھی بلال کی اس بلا تکلفی پر چونک کر رہ گئیں، پھر دادو نے ہی عائشہ کی جھجک محسوس کرتے ہوئے بلال کو مسکرا کر جواب دیا۔
"ارے ہماری عائشہ بہت ذہین ہے مجھ سے اور آمنہ سے پوچھ پوچھ کر اس نے بہت کچھ بنانا سیکھ لیا ہے ویسے بھی بیٹا جس کام میں شوق اور سچی لگن شامل ہو اس میں کامیابی ملتی ہے۔"

دادو نے عائشہ کو ساتھ لگائے ہوئے پیار سے کہا جس پر عائشہ جھینپ گئی۔

''او کے دادو اس کا مطلب ہے آج میں بھی کسی کو اپنا بنانے آئی مین کسی مقصد میں کامیابی کے لئے کوشش کر رہا ہوں دعا کیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ میری اس خواہش کو جلد از جلد پوری کر دے اور مجھے میرے ارادے میں کامیاب کرے۔'' بلال نے عائشہ کو اپنی براؤن گہری آنکھوں کی گرفت میں لیتے ہوئے دادو سے کہا عائشہ کو بلال کے انداز گفتگو سے انہوں نے جذبات کا احساس ہوا، جس سے نظریں چراتے ہوئے وہ آمنہ کے پاس چلی گئی۔

''یار آمنہ! تمہارے چاچو کب واپس آئیں گے؟ اب تو میں مایوس ہونے لگی ہوں مجھے لگتا ہے میں اپنے پاپا کو کبھی نہیں تلاش کر پاؤنگی پھر مجھے بے نام ونشان ہی واپس جانا پڑے گا۔''

''ارے عائشہ کیا ہوا؟ آج تم یہ کیسی مایوسی کی باتیں کر رہی ہو تمہیں تو اللہ پر کامل یقین ہے تمہیں معلوم ہے ناں مایوسی کفر ہے اور اللہ پاک جو ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے وہ کبھی ہمیں تنہا نہیں چھوڑتا، میرا وعدہ ہے انشاء اللہ چاچو کے آتے ہی تمہارے پاپا کا پتہ چل جائے گا۔''

''کیا؟'' عائشہ نے چونک کر دیکھا۔

''میرا مطلب ہے چاچو سے میری بات ہوئی ہے وہ انہیں جانتے ہیں وہ ان کے کلاس فیلو رہ چکے ہیں، پندرہ دن بعد چاچو کی واپسی ہے یقیناً ان کے پاس تمہارے لئے گڈ نیوز ہوگی۔'' آمنہ نے جلدی سے بات بدلتے ہوئے اسے تسلی دی۔

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو، میں اپنے پاپا سے مل سکوں گی؟'' عائشہ نے خوشی اور بے یقینی سے

''جی بالکل آمنہ نے صحیح کہا ہے، انشاء اللہ آپ جلد از جلد اپنے پاپا سے مل سکیں گی، آپ نے سنا نہیں دادو نے بھی یہی کہا ہے کہ اگر انسان کی لگن اور جذبہ سچا ہو تو وہ اپنی منزل کو پا لیتا ہے اور آپ کو بھی تو اللہ پر بہت یقین ہے اس یقین کو اسی طرح اپنے دل میں روشن رکھیں۔'' بلال نے دھیمے نرم لہجے میں سمجھایا تو عائشہ اس کی طرف دیکھنے لگی اور اسے تھوڑی دیر پہلے اپنی مایوسی پر شرمندگی ہوئی، بے خیالی میں وہ بلال کو بغور دیکھنے لگی۔

''یہ اس بلال سے کتنا مختلف ہے جس سے اس کی ملاقات پہلے دن آمنہ کے ساتھ ایئر پورٹ پر ہوئی تھی، پونی میں جکڑے لمبے بال، ہاتھوں اور گلے میں زنجیریں، چیونگم چباتے ہیلو، ہائے کرتا وہ کہیں سے بھی آمنہ جیسی سوبر اور پروقار لڑکی کا بھائی نہیں لگ رہا تھا اور اب اس کے سامنے جو بلال کھڑا تھا وہ سرتا پا بدل چکا تھا، سفید کرتے شلوار میں ہلکی ہلکی داڑھی کے ساتھ مسکراتا ہوا، اسے تسلی دیتا ہوا کتنا پروقار لگ رہا تھا۔''

آمنہ پاپا کو چائے دینے باہر جا چکی تھی، اب صرف کمرے میں دونوں کے درمیان خاموشی یا پھر ان کے سانسوں کی زیر وبم تھی، اس خاموشی کو بلال نے ہی اپنے لفظوں کے معنی پہنا کر توڑا۔

''عائشہ مجھے پتہ ہے آپ مجھ سے خائف ہیں میرے حلیے، میری حرکتوں کی وجہ سے، میں نے آپ کو بلاوجہ تنگ بھی کیا جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں ہمیشہ آپ کی باتوں اور مذہب سے لگاؤ کو تنقید کا نشانہ بنایا مگر آپ نے کبھی بھی پلٹ کر مجھے جواب نہیں دیا، یقین کریں میں اپنی پچھلی بے مقصد زندگی پر نادم ہوں، میں اپنے

آپ کو مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے پر فخر محسوس کرتا تھا بابا اور دادو کے ٹوکنے پر کبھی کبھار بے دلی سے نماز پڑھتا مگر میری روح اصل لذت اور سرور سے خالی ہوتی میرے نزدیک زندگی صرف ہلا گلہ کرنے اور دوستوں کے ساتھ انجوائے کرنے کا نام تھا، مگر جب مجھے آمنہ سے آپ کے ماضی کے بارے میں پتہ چلا تو مجھے بے حد شرمندگی ہوئی ایسا لگا کسی نے مجھے پاتال میں دھکیل دیا ہے میں بلال عرف بوبی جس نے ایک مسلمان گھرانے میں آنکھ کھولی جس کے گرد اس کی پرشفیق دادو کی دعائیں اور بابا کا سایہ تھا، آمنہ جیسی محبت کرنے والی بہن اور چاچو جنہوں نے میری بدتمیزی اور نافرمانی کے باوجود ہمیشہ اپنے بیٹا جیسا مان دیا جس کی خواہش اس کے منہ سے نکلنے سے پہلے پوری کرنا فرض سمجھا جاتا بجائے اللہ کے شکرانے کے صرف اپنی چاچی کے بہکانے میں چاچو کو ایذاء دیتا رہا اور اس انتقام کی آگ میں اللہ کی نافرمانی کا بھی مرتکب ہوا، ہر وہ کام جس سے مجھے لگتا چاچو کو دکھ اور تکلیف پہنچے گی میں کرتا چلا گیا اور اس طرح برائی کے اندھیرے میں غرق ہو کر صرف چاچی کی راحت اور سکون کے لئے خود سے غافل ہوتا چلا گیا، مگر پھر بھی اللہ مجھے نوازتا چلا گیا جب ہی تو آپ کو ہدایت کی روشنی بنا کر میرے پاس بھیجا مجھے سنبھلنے کا موقع دیا۔'' عائشہ جو سنجیدگی سے اس کی گفتگو سن رہی تھی اس کی آخری بات پر اسے چونک کر دیکھا۔

''ہاں عائشہ یہ آپ ہی ہیں جس نے مجھے اللہ سے ملوایا میرے دل پر جمی گناہوں کی کثافتوں کو صاف کر کے نیکی کا سچا راستہ دکھایا مجھے میرے مسلمان ہونے اور دنیا میں آنے کا [illegible] سے روشناس کروایا، میں یہ سوچ کر شرمندہ ہوتا تھا کہ آپ نے اپنی ماں کو نہیں دیکھا، جس کے پاپا آپ کے وجود سے بے خبر ہیں لیکن بیس سال تک ایک عیسائی گھرانے میں پرورش کے باوجود اور لندن جیسے آزاد ملک میں رہتے ہوئے بھی کوئی اخلاقی برائی نہیں اپنائی اور جب آپ کو اپنے مسلمان ہونے کا پتہ چلا تو واقعی آپ ایک سچے مسلمان کا کردار ادا کر کے میرے لئے مشعل راہ بن گئیں، ورنہ میں بدگمانی کی ان دیکھی آگ میں جلتے نہ جانے کب تک اپنے اصل مرکز سے دور رہتا اور اندھیر نگری کا سفر کرتا اور پھر اسی طرح بے نام و نشاں مٹ جاتا، عائشہ آپ بے نام و نشاں نہیں ہے کیونکہ آپ کے دل میں اللہ کی محبت اور نبی کی عقیدت ہے آپ کے لینے میں قرآن کا علم بمعہ تفسیر و تفہیم موجود ہے، بے نام و نشان تو میں تھا، لیکن شکریہ مس عائشہ آپ نے مجھ جیسے بھٹکے ہوئے مسافر کو میری اصل منزل کا راستہ دکھایا۔'' بلال نے ایک جذب کے عالم میں عائشہ کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے محسوسات کو زبان دی۔

اس سے پہلے عائشہ جواب میں کچھ کہتی، آمنہ اندر داخل ہوئی۔

''بھائی لینا آئی ہے آپ کا انتظار کر رہی ہیں مس یونیورس، جائیں آپ کا سنڈے تو ان محترمہ کے ناز اٹھانے میں ہی گزرتا ہے۔'' اس وقت آمنہ کے چہرے پر لینا کے لئے جتنی ناگواریت تھی اسے محسوس کر کے بلال مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

''بری بات آمنہ وہ ہماری مہمان ہے ایسا نہیں کہتے۔'' عائشہ نے سرزش کی۔

''وہ تو ٹھیک ہے عائشہ، مگر مجھے یہ لڑکی بالکل پسند نہیں پتہ نہیں کیوں بھائی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں بھائی اس تک

چڑی سفری ماڈرن نمونہ کو ہمارے گھر بھابھی بنا کر نہ لے آئے۔'' آمنہ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تو عائشہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی، وہ کیا کہہ سکتی تھی؟ یہ بلال کا اپنا ذاتی معاملہ تھا۔

''ہائے بوبی! کہاں تھے تم، کب سے تمہارا ویٹ کر رہی ہوں۔'' لینا جو صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے کوئی میگزین دیکھ رہی تھی، اس کے سامنے تخت پر دادو تسبیح پڑھ رہی تھیں بلال کو دادو کے سامنے لینا کے اس انداز تخاطب پر شرمندگی ہوئی اس سے پہلے لینا کا یہی بے باک اور بولڈ انداز اسے لبھاتا تھا۔

''لینا یہ کون سا انداز ہے بات کرنے کا؟ اور تمہارے سامنے دادو ہے تم کو انہیں سلام کرنا چاہیے تھا۔'' بلال نے اسے سرزش کرتے ہوئے ڈانٹا، لینا نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

''Hey! are you fine مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی بوبی ڈارلنگ۔'' لینا نے فکرمندی سے اس کے ہاتھ چھوتے کہا جس پر بلال پہلو بدل کر رہ گیا اور اس کے ہاتھ کو فوراً پیچھے ہٹایا دادو نے بھی ناگواریت سے لینا کی حرکت کو دیکھا مگر کہا کچھ نہیں۔

''چلو آج ہم سب دوستوں نے آؤٹنگ کا پروگرام بنایا ہے۔'' اور پھر بلال کے نہ نہ کرنے کے باوجود لینا اسے اپنے ساتھ لے گئی، چست ٹائیٹ ٹراؤزر اور اس پر ڈیپ گلہ کے ساتھ سلیولیس ٹاپ پہنے لینا اسے بالکل بھی اچھی نہیں لگی، بلکہ اسے اپنی پسند اور انتخاب پر شرمندگی ہوئی اور پھر جب اس نے جمی کے ساتھ ڈانس فلور پر گلے میں ہاتھ ڈالے ڈانس کرنا شروع کیا تو اس کی برداشت جواب دے گئی، جمی تو اس کے مواقع سے ویسے ہی اس سے تپا ہوا تھا [illegible] میں اچھی خاصی بدمزگی ہوگئی، لینا بھی اس کی دقیانوسی سوچ پر عاجز آ چکی تھی۔

بلال نے دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے جانے کا فیصلہ کیا کہ پیچھے سے آتی جمی کی تحقیر بھری آواز نے اس کے قدموں کو ڈگمگا دیا۔

''اوہ مولانا کو دیکھو جس کی ہر مہینے نئی گرل فرینڈ ہوتی ہے بقول جس کے گرل فرینڈ اور نئے ماڈل کے موبائل اسے ایک مہینے میں ہی بور کر دیتے ہیں آج ہمیں واعظ دینے چلا آیا ہاہاہاہا۔'' اس کی ہنسی میں لینا کی ہنسی سب سے بلند تھی، بلال نے تاسف سے ان کی طرف دیکھا مگر کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے نکلتا چلا گیا بہرحال انہوں نے سچ کا آئینہ دکھایا تھا پھر بلال بے چین اور نادم دل کے ساتھ سیدھا مسجد چلا گیا نماز کی ادائیگی کے بعد اس کی بے چینی کم ہوئی وہ اللہ سے ندامت کے آنسو کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا۔

☆☆☆

''اٹھو میرے دوست کب تک ایسے پڑے رہو گے؟ لو پانی پیو۔'' بلال نے مانوس آواز پر چہرہ اٹھا کر دیکھا، سامنے کاشف تھا، جو نہ صرف اس کا پڑوسی بلکہ آمنہ کا کلاس فیلو بھی تھا آمنہ اکثر اپنی اسٹڈی کے سلسلے میں اس سے مدد لیتی تھی مگر بلال نے اسے آمنہ کے لئے احترام ہوتا تھا اور وہ خود کیا تھا؟ جس نے ہمیشہ کاشف کی داڑھی اور ٹخنوں سے اونچے پائنچے میں دقیانوسی حلیے (اس کی نظر میں دقیانوسی تھا) کا ہمیشہ مذاق اڑایا تھا، آج اس کے سامنے وہ ندامت کے آنسو سے بھیگے چہرے کے ساتھ شرمندہ تھا۔

''کاشف مجھے معاف کر دو میرے دوست میں نے ہمیشہ تمہارا مذاق اڑایا تم نے مجھے ہمیشہ بھائیوں کی طرح سمجھانے کی کوشش کی مگر میں

نے تمہاری باتوں کو چٹکیوں میں اڑایا تمہارے حلیے کو حقارت کی نظر سے دیکھا مگر تم نے کبھی مجھ سے بدتمیزی نہیں کی اسی خوش اخلاقی سے ملتے، مجھے معاف کر دو ورنہ اللہ بھی مجھے تمہارا دل دکھانے پر معاف نہیں کرے گا۔'' بلال نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے روتے ہوئے کہا۔

''بلال میرے بھائی! میرے دل میں تمہارے لئے کوئی بغض یا بدگمانی نہیں پچھلی باتوں کو بھول جاؤ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تمہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے اور تمہارے یہ آنسو اس بات کے گواہ ہیں کہ تمہیں اللہ کے در سے معافی مل چکی ہے اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں وقت گزرنے سے پہلے سنبھلنے اور ہدایت کا راستہ اختیار کرنے کا موقع دیا، میرے دوست اللہ اپنے تائب بندوں سے کبھی ناراض نہیں ہوتا۔'' کاشف نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے تسلی دی، پھر کاشف، بلال کو اپنے ساتھ گھر لے گیا جہاں اس کے والد جو اسلامیات کے پروفیسر تھے ان کی صحبت میں دو گھنٹے گزار کر بھی بلال کو ایک لمحے میں بوریت محسوس نہیں ہوئی، ان کے سمجھانے کا انداز بہت ہی حلیم اور نرم تھا، کاشف کی والدہ نے بہت ہی پیار سے اسے کھانے پر روک لیا، واپسی پر وہ بہت خوش اور مطمئن تھا، اسے اللہ نے عائشہ کے ساتھ ساتھ کاشف جیسا پرخلوص دوست عطا کر دیا تھا۔

''واقعی جو اللہ کی طرف ایک قدم چل کر جاتا ہے اللہ اس کی طرف دو قدم بڑھ کر آتا ہے۔'' بلال کو بھی فلاح کی منزل مل گئی تھی وہ اب روزانہ کاشف کے والد سے قرآن پاک کی تفسیر و ترجمہ سیکھ رہا تھا جس سے اس کے ذہن و دل میں نئے سنئے آگہی کے روشن در کھل رہے تھے۔

☆☆☆

آج صبح سے گھر میں کافی گہما گہمی تھی، عائشہ جو قریبی اسلامک لائبریری گئی ہوئی تھی واپسی میں اسے خبر ملی کہ آمنہ کے چاچو آج شام کی فلائٹ سے واپس آ رہے ہیں اس خبر نے اسے ایک انجانی سی خوشی سے سرشار کر دیا یاسمین چاچی کا رویہ بھی اب عائشہ کے ساتھ پہلے سے بہتر تھا، اس نے گھر کے کاموں میں ان کی مدد کر کے اور ان کی جلی کٹی طنزیہ باتوں کا جواب خندہ پیشانی کے ساتھ دے کر ان کے دل میں نرمی پیدا کر دی تھی جس کا وہ برملا اظہار تو نہیں کرتی تھیں مگر پہلے کی طرح اس پر طنز بھی نہیں کرتی تھیں عائشہ نے سب کو سچ سچ بتا دیا تھا کہ وہ یہاں اپنے بابا کی تلاش میں آئی ہے سب لوگ ان کی دکھی داستان سن کر اور بھی اس کے قریب ہو گئے تھے انہیں یہ نازک باہمت لڑکی آمنہ کی ہی طرح اپنی اپنی لگنے لگی تھی، دادو دعا گو تھی کہ اللہ اس کی مشکل کو دور کر کے جلد از جلد اسے بچھڑے ہوئے باپ سے ملا دے، بلال اور آمنہ اپنے پیارے چاچو کو ریسیو کرنے ائیر پورٹ گئے تھے عائشہ اپنے کمرے میں بال جبرائیل پڑھ رہی تھی، کہ ایکدم باہر نامانوس سے ہلچل کا احساس ہوا، عائشہ کو اندازہ ہو گیا کہ ان کے چاچو آ چکے ہیں اس نے اپنے گرد اچھی طرح دوپٹہ لپیٹا اور اپنے حلیے پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر ان سے ملنے باہر آ گئی جب وہ باہر آئی تو چاچو (حسن رضا) دادو کی طرف جھکے ان کے جھریوں زدہ شفیق ہاتھوں کو چوم رہے تھے عائشہ کی طرف انکی پشت تھی۔

''السلام علیکم!'' عائشہ کی آواز پر سب نے چونک کر دیکھا اور سلام کا جواب دیا حسن رضا نے بھی اس اجنبی آواز پر مڑ کر دیکھا تو دونوں کی نگاہ پتھر کی ہو گئی عائشہ کے قدم نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا دوسری طرف حسن رضا کا بھی یہی حال

تھا۔

"لگتا ہے اب وہ وقت آ گیا ہے جب عائشہ کے سامنے مجھے اس تکلیف دہ راز سے پردہ اٹھانا ہے۔" آمنہ نے سوچا اور ہمت کر کے آگے بڑھی۔

"چاچو یہ ہے میری پیاری دوست عائشہ۔"

"عائشہ......!" حسن رضا کی کھوئی کھوئی کیفیت میں آواز آئی۔

"مگر یہ تو ماریہ......" سامنے کھڑی لڑکی ان کی ماریہ کی جیتی جاگتی تصویر تھی ان کی نظریں دھوکہ نہیں کھا سکتی تھی۔

"پاپا، پاپا، آمنہ یہ...... یہ تو میرے پاپا ہیں، تمہارے چاچو...... کہاں ہیں؟" عائشہ نے بے یقینی سے آمنہ کی طرف دیکھتے ہوئے بے ربط جملے میں پوچھا، باقی سب بھی حیرانی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے سوائے دادو اور بلال کے جنہیں آمنہ ساری حقیقت بتا چکی تھی۔

"یہی تو تمہارے پاپا ہیں میں نے وعدہ کیا تھا ناں کہ چاچو کے آتے ہی تمہارے پاپا مل جائیں گے دیکھ لو میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔" آمنہ نے اپنا لہجہ بشاش بناتے بالآخر عائشہ کو حقیقت سے باخبر کر دیا۔

"کیا، کیا یہ میرے پاپا...... مگر یہ تو تمہارے چاچو، تمہارا مطلب...... اوہ تو اتنے دنوں تک تم نے مجھے بے خبری میں رکھا آخر کیوں آمنہ؟" عائشہ نے بے دردی سے لب کاٹتے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا اور وہاں سے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی، آمنہ اور بلال بھی اس کی طرف گئے۔

"یہ...... یہ سب کیا ہے؟ بی جان یہ لڑکی...... کون ہے؟" محسن رضا نے بالآخر حسن رضا کے دل کی بات پوچھ لی۔

"یہ حسن کی بیٹی اور ہماری پوتی ہے۔" دادو نے اطمینان سے جواب دیا، سب کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"کیا؟" یاسمین نے بے یقینی سے حسن رضا کی طرف دیکھا وہ حسن رضا کے چہرے پر بھی بے یقینی اور اضطراب تھا۔

☆☆☆

"عائشہ، عائشہ میری بیٹی میرے وجود کا حصہ، اتنے سال تک اولاد کے ہوتے ہوئے بھی میں نامردار رہا، عائشہ تم میری، میری ماریہ کی نشانی ہو۔" حسن رضا نے اسے بے یقینی اور خوشی کے ملے جلے مغلوب جذبات سے چھوتے ہوئے پوچھا اس وقت بلال اور آمنہ کو ان دونوں کو اکیلے چھوڑ دینا ہی مناسب لگا۔

"آپ، آپ میرے پاپا کیسے ہو سکتے ہیں؟ میں نے اتنے سالوں تک پلٹ کر خبر نہیں لی کہ میری ماں کس حال میں ہے؟ وہ عورت جس نے صرف آپ کی خاطر اپنا مذہب تک چھوڑ دیا بدلے میں انہیں کیا ملا، رسوائی، جدائی اور بے وفائی کا دکھ جوان کی جان لے گیا اور مجھے باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیموں کی طرح زندگی گزارنی پڑی اور مسلمان گھرانے کی بیٹی ہوتے ہوئے میری پرورش ایک عیسائی گھرانے میں ہوتی رہی آپ کو اندازہ ہے میری ماں کی روح کو کتنی تکلیف پہنچی ہو گی، بتائیں ہے آپ کے پاس میرے کسی بھی ایک سوال کا جواب یا ایسے الفاظ جو میری ماں کے دکھوں اور میری حسرتوں کا مداوا کر سکے؟" عائشہ نے روتے ہوئے کرب سے پوچھا۔

"بیٹا میری جان! مجھے بالکل نہیں پتہ تھا کہ میری تم جیسی پیاری بیٹی میری ماریہ کے پیار اور وفا کی نشانی موجود ہے ورنہ میں اتنے

عرصے تک بے اولادی کا دکھ نہیں سہہ رہا ہوتا۔"
حسن رضا نے عائشہ کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"مت کہیں مجھے بیٹی، اتنے سالوں تک میرے وجود سے بے خبر رہے میری ماں کو محبت کے نام پر صرف چند مہینے اپنی جھوٹی محبت کی خیرات دیے کر ایسے روپوش ہوئے کہ پھر پلٹ کر ان کی خبر نہ لی یہ کیسی محبت ہے آپ کی؟؟"
حسن رضا نے اس بکھری بکھری معصوم سی پری کو دیکھا جو سفید دوپٹے کے ہالے میں باوضو کسی فرشتے کی مانند لگ رہی تھی، انہوں نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔

"بیٹا مجھے ایک بار صفائی کا موقع دو، پھر تمہارا جو بھی فیصلہ ہوگا مجھے منظور ہوگا کیونکہ میں اپنی ذات سے تمہیں مزید تکلیف نہیں دے سکتا، بیٹا تم اللہ کے اتنے قریب ہو، اللہ بھی اپنے بندوں کو ایک بار غلطی کا اعتراف کرنے کا موقع دیتا ہے پلیز تم بھی اپنے اس بدنصیب باپ کو صرف ایک بار صرف ایک بار......" عائشہ نے ان کی بات سنے بغیر منہ موڑ لیا۔

"پلیز عائشہ تم ایک بار چاچو کی بات ٹھنڈے دل سے سن لو، پھر تم کوئی فیصلہ کرنا ایسا نہ ہو جذبات میں آ کر کوئی ایسا قدم اٹھا لو جو تمہیں پھر سے تمہارے سچے رشتوں سے جدا کر دے اور تم پھر تنہا رہ جاؤ۔" آمنہ نے کمرے میں آتے ہوئے کہا وہ اس کی ساری گفتگو سن چکی تھی اور اسے اپنے جان سے عزیز چاچو کی حالت زار پر ترس آ رہا تھا لہٰذا وہ ان کی حمایت میں بول پڑی۔

"اور ہمارے نبی پاکﷺ کا بھی ارشاد ہے۔"
"جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے تم اس سے بردباری کا رویہ اختیار کرو، جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کر دو، جس نے تمہیں محروم کیا، تم اسے عطا کر دو اور جو تم سے رشتہ توڑ دے، تم اس سے جوڑ لو اور صلہ رحمی کرو۔"
آمنہ نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی، عائشہ نے آمنہ کی آواز پر چونک کر دیکھا۔

"ہاں عائشہ میری دوست، میری بہن آج تمہارا عمل امتحان ہے، ہاں عائشہ مذہب اسلام نے عفوو درگزر کا جو درس دیا، قرآن اور آقاﷺ کی تعلیمات نے جو سبق سکھایا اس پر عمل کا وقت آ گیا ہے۔"

"بیٹا یہ صحیح ہے کہ میں تمہاری ماں کو شادی کے تین ماہ بعد ہی چھوڑ کر پاکستان آ گیا تھا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میں نے تمہاری ماں سے سچی محبت کی تھی اسے پورے خلوص کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کیا تھا مجھے احساس تھا کہ ماریہ نے صرف میری خاطر اپنا مذہب اپنے والدین کی محبت ہر چیز کی قربانیدی مگر میں نے بھی اسے عزت اور مان دیا ہم دونوں اپنی زندگی میں بہت خوش تھے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ سمسٹر کے فوراً بعد پاکستان تمہاری ماں کے ساتھ جاؤں گا مجھے یقین تھا بی جان میری چاہت کو اپنالیں گی بابا جان تھوڑا خفا ہوتے مگر وہ بھی مان جاتے، مگر عائشہ بیٹا ایک چیز ہوتی ہے تقدیر، جس کے آگے ہم سب ہار جاتے ہیں۔" حسن رضا نے گہری سانس لیتے ہوئے اپنی کہانی سنائی، عائشہ نے ان کے شکستہ لہجے پر سر اٹھا کر دیکھا۔
آمنہ بھی دکھ اور کرب سے اپنے پیارے چاچو کی دکھ بھری داستان سن رہی تھی۔
"ہاں بیٹا تقدیر نے مجھے بے بس کر دیا، میں حسن رضا اپنے ماں باپ کی لاڈلی اولاد جو چاہتا حاصل کر لیتا جس کے زبان کھلنے سے پہلے اس کی ہر خواہش پوری کر دی جاتی، مجھے اپنی

شخصیت اور دولت پر بہت زعم تھا کہ اس سے ہر خوشی خریدی جاسکتی ہے مگر اس وقت یہ بھول گیا تھا کہ ہماری قسمت کی ڈور صرف ایک ذات کے پاس ہے جو ہم مٹی کے بنے انسانوں کے تکبر اور غرور پر جب چاہے ہماری ڈور کھینچ سکتا ہے، مجھے پتہ چلا کہ بابا جان بہت بیمار ہیں ہمارا بزنس میں کافی نقصان ہوا ہے جس کا بابا جان نے بہت اثر لیا تھا ان کو دل کا دورہ پڑا تھا، اس وقت محسن بھائی نے نیا نیا بزنس سنبھالا تھا لہٰذا کاروباری حالات ان کی سمجھ سے بھی بالاتر تھے اس وقت انہیں میرے سہارے کی ضرورت تھی لہٰذا سارے حالات سن کر میں نے فوراً پاکستان آنے کی فیصلہ کیا، تمہاری ماں کو میں نے تسلی دی کہ جیسے ہی حالات سازگار ہونگے میں اسے بلالوں گا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ میری اس سے آخری ملاقات ہے۔'' حسن رضا نے دکھ سے ماضی کا سفر جاری رکھتے ہوئے مزید کہنا شروع کیا۔

''پاکستان آکر میں ایسا مصروف ہوا کہ ایک طرف ہاسپٹل میں بابا جان کی تیمار داری، دوسری طرف بھائی کے ساتھ مل کر ازسرِ نو بزنس کو سنبھالنا، یہ سب میرے لئے بہت کٹھن تھا، بی جان بھی بابا کی وجہ سے اداس اور بیمار رہنے لگیں تھیں ان کو بھی تسلی دینا اور سنبھالنا میری ذمہ داری تھی لہٰذا ان تمام مصائب میں گھر کر میں چاہ کر بھی تمہاری ماں سے رابطہ نہیں کر پا رہا تھا اسی طرح چھ مہینے گزر گئے، اب بابا جان پہلے سے بہتر تھا بزنس کی صورتحال بھی مستحکم ہوگئی تھی لہٰذا جب ان مسائل سے کچھ سکون ملا میں نے سب سے پہلے ماریہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر اس کا فون مسلسل بند جا رہا تھا مجھے فکر لاحق ہوئی وسوسے ستانے لگے مگر میں نے خود کو تسلی دی کہ انشاء اللہ میں جلد از جلد اسے واپس جا کر اپنے ساتھ لے آؤں گا میں نے بی جان اور بھائی جان کو اعتماد میں لے کر ماریہ اور اپنی شادی کا بتا دیا تھا وہ لوگ کافی خفا ہوئے مگر پھر میری خوشی سمجھتے ہوئے ماریہ کو بہو ماننے کے لئے تیار ہو گئے لیکن جب بابا جان کو پتہ چلا کہ میں نے ایک عیسائی عورت کو مسلمان کر کے شادی کی ہے وہ بہت ناراض ہوئے وہ کسی طرح اس شادی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے ان کا کہنا تھا کہ بے شک وہ مسلمان ہوگئی ہے مگر اس کی رگوں میں غیر مسلم ماں باپ کا خون ہے اور وہ اپنی آئندہ آنے والی نسلوں میں کسی غیر مسلم عورت کے خون کی آمیزش نہیں کر سکتے۔'' عائشہ نے اپنی فرشتہ صفت ماں کے بارے میں سن کر کرب سے آنکھیں بند کر لی، اس کے رخسار پر آنسو شفاف موتی کی طرح پھسل رہے تھے لیکن وہ خاموش رہی، حسن رضا نے مزید کہنا شروع کیا۔

''بی جان اور بھائی جان میرے ساتھ تھے انہیں صرف میری خوشی عزیز تھی اور بابا جان کو خاندانی وقار اور حسب نسب، مگر میں بھی بابا جان کا ہی خون تھا ان کی طرح ہی ضدی انا پرست اور لاڈ پیار کی وجہ سے خودسری میرے خون میں رچ بس گئی تھی، لہٰذا میں نے واپس لندن جانے کا فیصلہ کیا، بی جان کی التجاؤں اور بھائی کی خواہش کے باوجود نہ رکا، شاید یہ میری خود غرضی اور نافرمانی کی سزا تھی کہ جس کی خاطر میں نے والدین کی محبتوں سے منہ موڑا وہ بھی مجھے دوبارہ نہ مل سکی، میں جب لندن پہنچا تو پتہ چلا کہ ماریہ دو مہینے پہلے ہی گھر چھوڑ کر جا چکی تھی کسی کو اس کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا، پھر میں اس کے والدین کے گھر گیا مگر ان کا انتقال ہو چکا تھا اس کی ایک ہی بہن تھی جس کے بارے میں ماریہ نے بتایا تھا کہ وہ شادی کے بعد دوسرے شہر جا

چکی ہے مجھے اس کی رہائش کا نہیں پتہ تھا میں بہت مایوس اور کسی حد تک ماریہ سے متنفر ہو چکا تھا کہ شاید اس نے مجھ سے بے وفائی کی اور چند مہینے میرا انتظار نہ کر سکی اور کوئی نئی راہ اختیار کر لی، امی دنوں بی جان مجھے بار بار اپنی محبت کا واسطہ دے کر بلا رہی تھیں لاچار مجھے مایوس ہو کر واپس آنا پڑا، میں مزید اپنے ماں باپ کو کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا تھا، محبت تو کھو ہی چکا تھا مگر اپنے ماں باپ جیسی جنت کو کھونے کا حوصلہ نہیں تھا، لہٰذا بابا جان کی خواہش پر میں نے ان کی بھانجی یاسمین سے شادی کر لی، میں نے یاسمین کو پوری دلی رضا کے ساتھ اپنایا تھا، مگر بیٹا یہاں بھی تقدیر نے میرے ساتھ مذاق کیا یاسمین مجھ سے ہمیشہ بدگمان رہی اسے معلوم تھا کہ میں لندن میں شادی کر چکا تھا اور جب وہ عورت مجھے چھوڑ کر چلی گئی تو میں نے اس کو اپنا لیا لہٰذا وہ مجھے کبھی محبت نہیں دے سکی جبکہ میں نے پوری ایمانداری سے اللہ کی رضا جان کر اس رشتے کو نبھانے کی کوشش کی، بظاہر ماریہ کا باب بند ہو چکا تھا مگر تمہاری ماں کی محبت میرے دل میں میٹھی کسک بن کر ہر وقت میرے ساتھ رہتی، میرا دل اس کو بے وفا ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا، پھر اللہ نے مجھے اولاد سے بھی نہیں نوازا، جس پر یاسمین مجھ سے مزید بدظن ہو گئی اور پھر میں نے اپنی خوشی آمنہ اور بلال کے معصوم چہروں اور شرارتوں میں ڈھونڈ لی، لیکن جیسے جیسے بلال بڑا ہوتا گیا یاسمین نے محض انتقام لینے کی غرض سے مجھے اس سے متنفر کر دیا اس کے دل اور دماغ میں میرے خلاف اتنا زہر بھر دیا جو ناسور بن کر میرے وجود کو چاٹنے لگا، پہلے ماریہ جیسی محبت کے بچھڑنے کا دکھ، پھر یاسمین کی بدگمانی اور بلال کی نفرت ان سب نے مل کر مجھے اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔''

حسن رضا نے روتے ہوئے کہا۔

ان کے اندر اتنے عرصے سے جو دکھ اور اذیتیں لاوا بن کر پک رہی تھیں وہ آج جذبات بن کر بہہ نکلیں، جہاں آمنہ اور عائشہ یہ سب سن کر دنگ رہ گئیں وہی اندر آتے بلال کے قدم آخری جملے سن کر ساکت رہ گئے اس نے شرمندگی اور ندامت کے سمندر میں خود کو غرق ہوتے پایا۔

''چاچو، چاچو پلیز مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کا دل دکھایا آپ کی محبت اور شفقت کے بڑھتے ہاتھوں کو ہمیشہ بے رحمی سے جھٹک دیا آپ کے خلوص اور پیار کو دکھاوا سمجھا، اف میں کس کس کا مجرم ہوں، یا اللہ مجھے معاف کر دے۔'' بلال روتے ہوئے ان سے لپٹ گیا، عائشہ اور آمنہ کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

''پاپا پلیز مجھے بھی معاف کر دیں آپ تو پہلے ہی اتنے دکھوں کا بوجھ اپنے دل پر لے کر پھر رہے تھے اور میں نے بھی صرف اس میں اضافہ کیا آپ کی بات سنے بغیر آپ کو احتساب کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا، پلیز مجھے معاف کر دیں آپ کو بابا کی محبت کا واسطہ، انہوں نے آپ سے بے وفائی نہیں کی شاید یہ تقدیر تھی جس نے آپ دونوں کو ملا کر بھی جدا کر دیا۔'' یہ کہہ کر عائشہ بلک بلک کر رونے لگی پھر آمنہ نے ہی ہمت کر کے اسے حوصلہ دیا، چاچو نے بلال اور عائشہ کو محبت سے گلے لگایا۔

''میرے بچوں میں تم سے خفا نہیں نہ ہی مجھے کوئی گلہ ہے، تم دونوں نے وہی کیا جو حالات کا تقاضہ تھا، مگر اب عائشہ اور بلال میں تم دونوں کی محبت سے جدائی برداشت نہیں کر سکوں گا اب میرا دل ناتواں ہو چکا ہے اس میں مزید دکھ سہنے کا حوصلہ نہیں وعدہ کرو، تم دونوں مجھے بھی چھوڑ کر

نہیں جاؤ گے نہ ہی مجھ سے بدگمان رہو گے۔"
حسن رضا نے ان دونوں سے خوشی اور بے یقینی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ وعدہ لیا، دونوں نے اثبات میں ہنستے ہوئے سر ہلایا، آمنہ نے بھی اللہ کا شکر ادا کیا کہ آج اس کے چاچو اور جان سے پیاری دوست جو اس کی کزن اور بہن بھی تھی ان کی زندگی مکمل ہوگئی۔

☆☆☆

اپریل کی پر بہار روشن صبح "سفید محل" میں اپنے ساتھ خوشیوں کی نوید لے کر آئی، خزاں کے بعد درختوں نے ہرے بھرے پوشاک سے خود کو ڈھانپ لیا، عائشہ کے لگائے گل داؤدی اور گلاب کے پھول بھی خوشی سے جھوم رہے تھے، یاسمین بیگم کو بھی جب سارے حالات و واقعات کا پتہ چلا تو وہ بھی اپنے کیے پر شرمندہ تھیں شاید وہ بھی جھوٹی انا اور خودداری کا پندار سنبھالے تھک چکی تھیں، لہٰذا انہوں نے حسن رضا سے اپنی پچھلی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگ لیں، حسن رضا نے کھلے دل سے انہیں نہ صرف معاف کر دیا بلکہ ان کو شریک حیات کا مان بھی بخشا، عائشہ نے بھی ان کی سونی گود کو اپنی محبت اور پیار سے بھر دیا تھا، وہ انہیں ماما کہتی تھی جس پر یاسمین بیگم کے ممتا کو قرار آ گیا۔

"ماما میں نے اپنی ماں کو نہیں دیکھا مگر اب آپ ہی میری ماں ہیں کیا آپ مجھے ماں کی محبت دیں گئیں؟" عائشہ نے اتنی معصومیت سے التجاء کی کہ وہاں موجود تمام لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور یاسمین بیگم نے اپنی جھوٹی انا کا بت گرا کر اسے گلے سے لگا لیا جو پہلے ہی اپنی معصومیت اور اخلاق سے ان کا دل جیت چکی تھی۔

☆☆☆

آج جمعہ کا مبارک دن تھا دادو نے ربیع الاول کے پرنور مہینے میں جشن عید میلاد النبیؐ اور عائشہ کے ملنے کی خوشی و شکرانے کے طور پر میلاد کا اہتمام کروایا تھا، آمنہ اور عائشہ نے سفید رنگ کا چوڑی دار پاجامہ بڑے سے دوپٹے کے ساتھ زیب تن کیا تھا ہاتھوں میں موتیے اور گلاب کے گجرے پہنے تھے بغیر کسی آرائش کے دونوں کا چہرہ خوشی اور نور سے دمک رہا تھا، دادو نے بھی سفید رنگ کا ململ کا کرتہ اور غرارہ پہنا تھا جس میں وہ بہت ہی پروقار اور پرنور لگ رہی تھیں انہوں نے دونوں کو مسکرا کر گلے لگایا اور دونوں کی نظر اتاریں پھر انہوں نے آمنہ اور عائشہ دونوں کے گلے میں کرسٹل کی موتیوں میں سجے اللہ کے نام کا لاکٹ پہنا دیا، عائشہ کی خوشی اور شکرانے سے آنسو چھلک پڑیں اس کے گلے میں اللہ کا نام اپنی تمام صفات کے ساتھ جگمگا رہا تھا اتنا اطمینان اور تحفظ کا احساس تو اسے اس وقت بھی نہیں ہوا تھا جب گرینی اسے ڈانٹ کر گلے میں صلیب پہناتی تھیں اور وہ الجھن اور اضطراب میں اتار دیتی تھی، وہ اسی سرشاری کی کیفیت میں دادو سے لپٹ گئی، میلاد کا اہتمام لان میں کروایا گیا تھا خلاف توقع بلال نے اپنی دلچسپی ظاہر کی تھی اور پورے لان کو سفید و سبز قمقمے سے سجایا گیا تھا۔

فوارے کے قریب گلاب اور موتیوں کے پھولوں سے اسٹیج کی خوبصورت انداز میں آرائش و زیبائش کی گئی تھی، فضا کو گلاب و موتیے اور اگربتی کی پاکیزہ خوشبو معطر بنا رہی تھی، دادو کے ساتھ ساتھ یاسمین، عائشہ اور آمنہ نے بھی اسے سراہا تھا۔

"اللہ نے میری سن لی آج میں واقعی اپنے رب کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے نہ صرف مجھے عائشہ جیسی نیک سیرت اور فرمانبردار پوتی ملی بلکہ

اللہ نے میرے بلال کے دل کو بھی ایمان کی روشنی سے منور کر دیا ورنہ روز محشر میں تمہاری ماں کو کیا منہ دکھاتی کہ ان کی امانت، ان کے بیٹے کی صحیح تربیت نہ کر سکی۔'' دادو نے اپنے گھر اور بچوں کی دائمی خوشیوں کی دعا مانگی اس کے بعد بلال اپنے کمرے میں چلا گیا۔

مہمان خواتین آنا شروع ہو چکی تھیں، مقدس اور پاکیزہ ماحول میں نعت خواں نے خوبصورت نعتیں اور درود شریف کا نذرانہ پیش کیا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ خوشی سے جھوم اٹھا، پھر آمنہ کی فرمائش پر عائشہ نے تھوڑا جھجکتے ہوئے دادو کی حوصلہ افزائی پر آپؐ کے حیات طیبہ پر انگریزی لب و لہجے کا ساتھ شائستہ اور خوبصورت انداز میں روشنی ڈالی کہ وہاں موجود تمام خواتین کے منہ سے بے اختیار سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کے کلمات ادا ہوئے، سب نے عائشہ کو بہت سراہا اور پھر کاشف کی والدہ نے خوبصورت انداز میں دعا کی اس طرح یہ پرنور محفل اپنے گھروں کو روانہ ہوئیں، پھر اسی دن کاشف کی والدہ دادو کی رضا مندی اور محسن رضا، حسن رضا کے صلح و مشورے سے آمنہ کو اپنے بیٹے کے نام کی انگوٹھی پہنا گئیں، جس پر آمنہ کے ساتھ ساتھ عائشہ بھی بہت خوش تھی کیونکہ کاشف جیسا نیک اور تعلیم یافتہ لڑکا ہی آمنہ کے قابل تھا۔

☆☆☆

سب فارغ ہو کر اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے سارا دن اتنی مصروفیت اور تھکن کے باوجود عائشہ کو نیند نہیں آ رہی تھی، کسی کی کچھ بولتی نگاہیں مسلسل اس ڈسٹرب کر رہی تھیں، کافی دن سے وہ بلال کے جذبات و احساسات میں اپنے لئے انوکھے رنگ محسوس کر رہی تھی اب بھی عشاء کی نماز ادا کر کے وہ اپنی پسندیدہ جگہ لان میں چہل قدمی کر رہی تھی نرم ملائم مخملی گھاس پر قدم دھرنا اسے پرسکون کر رہا تھا اب لان کی دیکھ بھال اور سجاوٹ حسن رضا اور وہ دونوں مل کر کرتے تھے، حسن رضا نے ان چند دنوں میں اتنا پیار اور شفقت دی تھی کہ اس کی ساری تشنگی مٹ گئی تھی، وہ اکثر اس کی والدہ کے یونیورسٹی لائف کے قصے سناتے جسے وہ بڑی دلچسپی اور شوق سے سنتی اسے اندازہ ہوا کہ اس کے پاپا اور ماما میں بہت گہرا پیار اور ذہنی ہم آہنگی تھی بس قدرت کو ان کا زیادہ ساتھ منظور نہیں تھا، گرینی بھی اس کی مکمل پرسکون زندگی پر بہت خوش تھیں ان کے دل سے بھی حسن رضا کے خلاف بدگمانی دور ہو چکی تھی، اس نے گرینی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اگلے سال کرسمس کے وقت ان سے ضرور ملنے آئے گی، اپنے ماضی اور حال کی زندگی کا موازنہ کرتے نہ جانے کب تک وہ سوچوں میں گم رہتی کہ اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آواز سے اس کی سوچ میں انتشار پیدا ہوا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بلال اپنی پوری وجاہت اور آنکھوں میں محبت کے جگنو لئے اسے ہی پرشوق نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''السلام علیکم!'' آج سلام کرنے میں بلال نے پہل کی۔

''وعلیکم السلام!'' عائشہ نے اس کی پرشوق بولتی نگاہوں کے حصار سے جھجکتے ہوئے جواب دیا اور پلکوں کی چلمن اپنی خوبصورت نیلگوں آنکھوں کے سمندر پر گرا کر بند باندھ لیا، یہی تو اس کی وہ حیا اور معصومیت تھی جس نے بلال جیسے بھٹکے ہوئے کو ہدایت کی روشنی دکھائی اور محبت جیسے پاکیزہ جذبے سے روشناس کروا کر محبت اور ہوس میں فرق کرنا سکھایا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' بلال نے خیریت

دریافت کی۔
''جی ٹھیک۔'' عائشہ نے آہستہ سے مختصراً جواب دیا۔
''مگر میرا قرار تو آپ نے لوٹ لیا ہے بتایئے اس چوری پر آپ کو کیا سزا دی جائے؟'' بلال نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے کہا۔
''جی؟'' عائشہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
''ہاں ام عائشہ، تم واقعی سراپا نور ہو، روشنی ہو، جس نے مجھ جیسے بھٹکے ہوئے مسافر کو زندگی گزارنے کا سلیقہ دیا میری سوچ اور خیالات کو منور کیا، اللہ کی حقیقی پہچان کروائی مجھے اپنے اصل سے ملوایا، بولو کیا تم زندگی کے اس سفر میں ہمیشہ کے لئے میری ہمسفر بنو گی؟ تاکہ میں دوبارہ نہ بھٹک سکوں، میں جانتا ہوں تمہارے قابل نہیں مگر وعدہ کرتا ہوں میں خود کو تمہاری سوچ اور خیالات کے مطابق ڈھال لوں گا مجھ سے اب کسی کو بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' بلال نے اپنا ہاتھ مان سے بڑھاتے ہوئے کہا جسے عائشہ نے ہچکچاتے ہوئے تھام لیا۔
''نہیں بلال ایسا نہ کہیے آپ کو میں نے نہیں بلکہ آپ کے اندر کے اچھے انسان نے ہدایت کی روشنی دکھائی، میں تو خود ادنیٰ سی بندی ہوں آئیں ہم دونوں مل کر عہد کرتے ہیں کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں گے اور کبھی گمراہی کی راستے پر قدم نہیں رکھیں گے کیونکہ وہی تو ہماری اصل اور مستقل منزل ہے باقی سب لافانی ہے۔'' بلال نے اس کے روشن خیالات پر فخر سے اس کی طرف دیکھا۔
''واقعی وہ اس گنہگار انسان کے لئے اللہ کی طرف سے ایک خاص تحفہ تھی اس نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے سچے دل سے اللہ کو ایک سجدہ کیا اور بدلے میں رب نے اسے اپنی خاص مہربانیوں اور محبتوں سے نوازا۔'' باغ میں کھلتے گل داوودی اور سرخ گلاب کے پھول بھی ایک دوسرے کو چوم کر ان دونوں کی محبت پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے، بلال نے ایک سرخ گلاب توڑ کر عائشہ کی طرف محبت سے پیش کیا جسے عائشہ نے مسکرا کر تھام لیا۔
''اور عائشہ تمہارے لئے ایک خوشخبری بھی ہے تم نے چاچو سے حج وعمرہ کی سعادت کی خواہش کی تھی تو انشاء اللہ اگلے ماہ ہم سب عمرہ پر جارہے ہیں جہاں ہمیں خانہ کعبہ کا طواف اور نبی آخری الزماںؐ کے روضے مبارک کی زیارت نصیب ہوگی۔''
''کیا واقعی؟'' عائشہ نے خوشی اور مسرت سے پوچھا۔
''ہاں واقعی۔'' بلال نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا پھر دونوں مسکراتے ہوئے اندر شکرانے کے نوافل ادا کرنے بڑھ گئے، اس طرح عائشہ نے آمنہ کے ذریعے اور بلال نے عائشہ کے ذریعے اندھیرے سے روشنی کا سفر طے کیا اگر اسی طرح ایمان اور نیکی کا دیا جلتا رہے تو کوئی بھی اسلام کی طاقت اور مسلمانوں کی یگانگت کو توڑ نہیں سکتا، یہ میرا یقین ہی نہیں ایمان بھی ہے۔
کیا خیال ہے قارئین آپ سب کا؟

☆☆☆

رابعہ الربا

جب سے اس نے وہ واقعہ پڑھا تھا وہ آپ ہی آپ تلملا رہی تھی، اس کے اندر کی آگ بڑھتی جا رہی تھی۔

پہلے والا وکیل بھی مسلسل آئیں بائیں شائیں کر رہا تھا، شاید کیس اس کی پکڑ اور گرفت میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

''مجھے سب نے منع کیا تھا کہ یہ وکیل کیس لے کر نہیں چل سکتا اور میرے تو خیر ستارے ہر وقت گردش میں رہتے ہیں، آہ کوئی وکیل بھی میرا کیس لے کر کہیں بھی نہ چل سکا، پہلا وکیل تو میرا باپ تھا، جس نے مجھے میرے دوسرے وکیل، میرے شوہر کے حوالے اس شاندار طریقے سے کیا کہ دنیا عش عش کر اٹھی اور شادی کے بعد میں عش عش کرتی واپس آ گئی۔''

''دوسرا وکیل میرا شوہر، جو مجھ سے سارے ثبوت گواہوں سمیت مانگ رہا تھا، جس کے پاس میں تین ماہ رہی اور مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ محبت کس چڑیا کا نام ہے، جو ایک مرد ایک عورت کو دیتا ہے، وہ شوہر کی باہوں کی پناہ گاہ جہاں عورت خود کو اتنا محفوظ سمجھتی ہے کہ دنیا سے ٹکرا جانے کا حوصلہ اس میں پیدا ہو جاتا ہے مجھے نہیں معلوم وہ تحفظ کیسا ہوتا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ وہ مٹھاس کیسی ہوتی ہے جس کا ذکر سنا کرتی تھی۔''

''کچھ اگر تبدیل ہوا تو بس اتنا کہ اب میں پہلے جیسی نہیں رہی تھی مجھے اتنی بے دردی سے رد کیا گیا کہ مجھے گھن آنے لگی خود سے، اپنے آپ سے، میرا سارا وجود پیاسا سا تھا، شدت پیاس سے میرا روم روم خشک ہو رہا تھا، مگر میں تر نہیں کر سکتی تھی، میرا سانس رکتے رکتے گھٹنے لگا تھا، میں روز سلگتی اور روز ہی راکھ میں بدل جاتی، اسے کسی طرح کا کوئی احساس نہیں تھا، اس کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ مجھے کہ اپنے گھر میں رکھا ہوا نکاح نامہ لے لاؤ، اپنے گھر کے کاغذات یہاں لے آؤ، آخر وہ تمہاری ملکیت ہے، اپنی گاڑی کے کاغذات یہاں لے آؤ کہ تمہارا اصل گھر اب یہی ہے، مگر میں تو ابھی تک اس گھر میں اجنبی ہی تھی۔''

''نکاح کے بعد والے گھر سے نا آشنا، کتنا برا کھیل کھیلا تھا میں نے، کہتے ہیں اس دنیا میں سب انسان برابر ہیں اگر کوئی غریب ہے تو اس کی قسمت میں بھی تو بدل سکتی ہوں، مگر وہ کچھ کرے تو سہی، یہ مجھے یہاں آ کر علم ہوا کہ وہ تو کچھ کرتا ہی نہیں تھا، وہ کاروبار محض لفاظی محض جھوٹ تھا۔''

''شادی کے پہلے ہی ہفتے جب میں ہنی مون کے خواب دیکھ رہی تھی مجھے بتا دیا گیا کہ یہ خواب اپنے گھر سے پورے کر کے آنے تھے، میں ان چونچلوں کا قائل نہیں۔''

''میں سمجھی کہ پیسے نہیں ہوں گے میں نے کہا۔''

''چلیں میں آپ کو کھانے پر لے کر چلتی ہوں، کسی قسم کی کوئی سواری تھی نہیں، میں نے سوچا چلو پاس کے ہی کسی چھوٹے موٹے ہوٹل تک واک کرتے چلے جائیں گے۔''

''وہ مجسمے کی طرح بے حس میرے ساتھ چل دیا، میں سارے راستے اس کے کچھ بولنے کی منتظر رہی، مگر میرا انتظار تو ان تین مہینوں میں بھی ختم نہ ہو سکا، سامنے سے اچانک ایک بائیک آئی اور آ کر مجھ سے ٹکرا گئی، میرا پاؤں شدید زخمی ہوا اور پھر ویلفیر کی امدادی گاڑی میں ڈال کر مجھے ہسپتال لے جایا گیا وہاں سے مرہم پٹی دوائیوں کے بعد ہم گھر آ گئے۔''

''کوئی دو مہینے لگے پاؤں ٹھیک ہونے میں کچھ بہتر ہوئی تو میرے ارمان پھر سے جاگ

اٹھے، مگر وہ سوتا رہتا تھا، نیچے قالین پر اپنا بستر ڈالے، سارا دن، ساری ساری رات، ایک دن مجھے پتا چلا کہ اس کا کوئی دوست بھی نہیں ہے، عجیب خشک انسان تھا، عجیب روکھا سا کہ عورت کے قابل تھا ہی نہیں، عورت کو تو پھولوں کی پتیوں پر گری شبنم کی طرح بھیگا ہوا مرد چاہیے ہوتا ہے جو اپنی خوشبو و نمی سے اس کو بھی معطر و سیراب کر دے کہ وہ مہک اور چہک اٹھے۔"

"میرے سارے خواب اور میرے سارے ارمان ہر گزرتے دن کے ساتھ بھڑک اور بکھر رہے تھے، مگر وہ ہر شے سے بے خبر اپنی زندگی میں مست تھا، کہ صبح اٹھ کر بیوی کے ہاتھ کا پراٹھا اور انڈہ چائے چاہیے، جس نے ماں کے مرنے کے بعد برسوں ٹھیلوں اور چھپر نما ہوٹلوں سے ناشتا کیا تھا، وہ بیوی کے ہاتھوں سے بنا لذیذ کھانا کھاتا بھی جاتا اور نقص بھی نکالتا جاتا، پھر نام نہاد بیوی کو حکم تھا کہ اس کی بہنوں کے کھانے کا بھی اہتمام کر رکھے، کیونکہ وہ دیر سے سو کر اٹھتی ہیں، یوں اس کا سارا دن کھانا، گھر کی صفائی ستھرائی، کپڑے، برتن میں گزر جاتا اور ساری رات انتظار وصل میں۔" کیونکہ۔

"نیند اب میری سہیلی نہیں رہی تھی۔"

"پھر لڑائیاں ہونے لگیں تو اس نے میرے اوپر ہاتھ اٹھا لیا، اس کا یہ آخری گھٹیا پن مجھے آخری فیصلہ لینے پر مجبور کرنے لگا، سامان باندھ لیا، مگر مجھے والدین کا فون سننے اور کرنے کی اجازت نہ تھی، میرے سے موبائل بھی لے لیا گیا تھا۔"

"آخر میرے ماموں کو ای نے فون کیا جو کراچی میں ہی رہتے تھے، تب وہ میرے گھر آئے، حالات دیکھے، میرے آنسوؤں سے سمجھ گئے، مگر انہوں نے سمجھوتے کا مشورہ دیا، سمجھایا اور میں نے ہر لڑکی کی طرح ان کی بات مان لی، ایک چانس صرف ایک اور چانس۔" یوں پیک کیے گئے بیگ دوبارہ کھول لئے۔

"یہ تو مجھے علم ہو چکا تھا کہ وہ پیسے خرچ کرنے والا نہیں ہے، جس کے گھر سے میرا نصیب بندھا تھا وہاں دو وقت کے علاوہ کھانا اور چائے نہیں بن سکتی وہاں سے مزید نئی امید کیا رکھ سکتی تھی، جہاں فریج اور کچن کی الماریوں کی چابیاں اسی کے باپ کے پاس تھیں اور وہ صبح جاتے ہوئے ناپ تول کر کھانا بنانے والی اشیاء باہر رکھ جاتا تھا، وہاں سے مجھے کیا امید ہو سکتی تھی اور وہاں میں کیسے پر امید ہو سکتی تھی، مگر بے امیدی کو امید میں بدلنے کی ایک اور کوشش میں نے کی۔"

"اسے راضی کیا کہ آج ساحل سمندر پر چلیں گے وہ لے تو گیا مگر یہ یہاں کا سب سے گندا ساحل تھا، جن ساحلوں پر محبوب کے کندھوں پہ بے اختیار سر آ جاتا ہے، یہاں ایسی کوئی رومانیت نہیں تھی، کوڑا کرکٹ کے ڈھیر لہروں کے ساتھ جھول رہے تھے، ریت میں سیپ کے ساتھ پلاسٹک کے لفافے، آٹے کے تھیلے، سیمنٹ کی خالی بوریاں تیر رہی تھیں، پانی پہ عجب بے رنگی تھی، جیسی اس کے اپنے چہرے پر تھی، دور دور تک وحشت ہواؤں کے ساتھ رقص کرتی پھر رہی تھی، دور دور تک ہوائیں میرے ارمان اڑائے پھر رہی تھیں، اس لڑکی کے ارمان جس نے سات سمندر پار کے خواب دیکھے ہوں، وہ اپنے شوہر کے ساتھ سطح زمین سے بلند ایک سمندر کے کنارے کھڑی تڑپ رہی ہو کہ کاش وہ اس کا ہاتھ تھام لے اور کہے۔"

"پانی کو کہتے ہیں آؤ اور ہمارے قدم چوم لو۔"

"مگر میں دور کھڑی آتے جاتے پانی کو

حسرت سے دیکھتی رہی اور وہ مجھے حیرت سے دیکھتا رہا اور جاتے ہوئے محسوس ہو جانے لگا کہ ایک دم تیز ہوائیں چلنے لگیں، لہریں جو دور دور تھیں اچانک دوڑ کر ساحل کی اور آنے لگیں، لوگ لبیک واٹر کہہ کر باہر کی اور دوڑنے لگے، ہر طرف سے دو لفظ ہی سنائی دے رہے تھے۔''

''لبیک واٹر، لبیک واٹر''

''مگر مجھے تو اس وقت لبیک واٹر سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ ظالم کیا شے ہے پانی نے رنگ بھی تو نہیں بدلا تھا بس مزاج ہی تو بدلا تھا۔''

''اتنے میں ایک بے لگام اونٹ دوڑتا ہوا مجھ سے ٹکراتا آگے کی طرف بڑھ گیا اور میں ایک طرف کو ذرا دور جا گری، لوگ مجھے پکڑنے کو بھاگے کہ کوئی تیز لہر حملہ نہ کر دے یا کوئی اور جانور...... مگر وہ بے حس بنا کھڑا دیکھتا رہا۔''

''شروع میں لوگ سمجھے کہ وہ میرا ملازم ہے شاید اسی لئے اس کا رویہ ایسا ہے مگر بعد میں ان کی حیرت آنکھوں سے پڑھی جا سکتی تھی، یوں اس روز بھی میں کمر اور ٹانگوں کی تکلیف لئے ہسپتال سے گھر آئی، کچھ ہفتے پھر بستر کے ساتھ بستر ہو گئے۔''

''ایک روز ونڈو شاپنگ کو لے گئی، ایک شرٹ دیکھ کر میں نے اس کی طرف بہت مان و اشتیاق سے دیکھا تو اس نے اتنی حقارت سے جواب دیا کہ میرا دل و دماغ جیسے کسی نے مائیکرو میں رکھ دیا ہو کہ اچانک میں بے ہوش ہو کر رستے میں ہی گر پڑی اور وہ وہیں مجھے چھوڑ کر چلا گیا، لوگوں نے مجھے گھر پہنچایا، تب اس کا ایک نیا روپ میرے سامنے آیا۔''

''تم ڈرامے کرتی ہو، تا کہ لوگ تمہاری طرف متوجہ ہوں، تمہیں چھوئیں، تم ڈرامے باز عورت ہو۔''

''بس یہی سے پھر نئی لڑائیاں نئے جھگڑے شروع ہو گئے، کہا جاتا ہے کہ عورت محبت کے بغیر رہ لیتی ہے عزت کے بنا نہیں رہ سکتی اور شاید مرد محبت تو دے سکتا ہے عزت دینے کا ظرف اس کے پاس مقدار میں کم ہوتا ہے۔''

''فون میرے پاس نہیں تھا، اس نے اپنا فون بند کر دیا تھا، ابا فکر مند تھے یا اماں معلوم نہیں، مگر ابا ایک دن اچانک پہنچے تو گھر گزشتہ زلزلوں کا ملبہ بنا ہوا تھا، انہوں نے مجھے دیکھا، میری صحت دیکھی تو بے ساختہ ان کے آنسو نکل پڑے اور مجھ سے لپٹ گئے۔''

''چند ماہ قبل جس کو قابل رشک صحت کے ساتھ بھیجا تھا، آج اسے کسی قیدی کی طرح زرد، یرقان زدہ، دبلا دیکھ کر وہ ضبط نہ کر سکے، میرا ایک بیگ تیار کروایا اور کچھ ضروری سامان۔''

''اپنے ایک دوست کو فون کیا وہ گاڑی لے کر آ گیا اور ہم ان کے گھر چلے گئے، وہ نالاں ہونے لگے کہ میں نے کچھ بھی نہیں بتایا، جب میں نے سب احوال سنایا تو تسلی کے سوا ان کے پاس بھی کوئی چارہ نہ تھا، ہم ایک رات وہاں رہے اور اگلے دن کی فلائٹ سے لاہور آ گئے، میرے پاس کچھ بھی نہ بچا تھا، جو کچھ لے کر گئی تھی، اس کو اور اس کے گھر والوں کو کھلا چکی تھی۔''

''گھر پہنچی تو اماں سے لپٹ کر اتنا روئی کہ آنکھیں سرخ ہو گئیں، کہ آخر میرے ساتھ ہی یہ کیوں ہوا، کیا مجھ سے کبھی کوئی غلطی ہو گئی تھی جس کی سزا تھی یا آپ لوگوں کی کسی غلطی کا مکافات دے کر آئی ہوں۔''

اماں کافی دیر روتی رہیں، پھر ابا سے کہنے لگیں۔

''ناں تو یہ میرے ساتھ کرتا، نہ تیری بیٹی کو آج یہ دن دیکھنا پڑتا، میرے تو بھائی تھے جو میرا

گھر ابھی تک چلا رہے ہیں اس کا تو کوئی بھی نہیں۔" اس کے بعد ہم تینوں رونے لگے، پھر اماں اٹھیں اور چائے بنانے چلی گئی، ابا اٹھے اور دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ گئے۔

وہ کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر لیٹنے لگی کہ اچانک اس کا پیر پھسلا اور وہ گر گئی، اس کے رونے اور چیخنے کی آواز سے دونوں پھرتی سے اس کے پاس آئے تو وہ اٹھ نہیں پا رہی تھی، دونوں نے اسے گود میں اٹھا کر بیڈ پر لٹایا، تکلیف تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔

ڈاکٹر کو بلایا تو اس نے خدشہ ظاہر کیا کہ ٹانگ ٹوٹ گئی ہے فوراً ہسپتال لے جائیں تو اچھا ہے، ایمبولینس آئی اور پتا چلا کہ ٹانگ ہی ٹوٹی ہے آپریشن ہوا اور پلستر کے بعد وہ پھر بستر کی ہو گئی۔

ماں باپ کے سوا کوئی تھا نہیں، دونوں اس کی تیمارداری اور بیماری میں مصروف ہو گئے نہ دن رہا نہ رات، فقط آنکھوں میں آنسو اور وقت کی رفتار تھم سی گئی، دو ماہ بستر پر گزر گئے، ایک روز اسے شوہر کی یاد آئی تو فون کر لیا، کہ شاید اس کا دل بھی موم ہو گیا ہو، شاید، مگر اس نے کوئی بات نہ سنی، بس اتنا کہ۔

"خود گئی ہو، خود ہی آ جانا، ہاں البتہ گھر اور گاڑی کے کاغذات اور نکاح نامہ لے کر آنا۔"

اور فون بند کر دیا۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، آج آخری فیصلہ کر ہی لیا، وکیل کو فون کیا جو اس کے باپ کا دوست تھا، اس سے یہ معاملہ حل نہیں ہو رہا تھا، اس نے کئی مہینے یونہی ضائع کر دیے، ادھر اس کا چلنا بھول چکا تھا، واکر کے سہارے بھی قدم نہیں اٹھ رہے تھے، بس بستر تھا نیٹ تھا، ٹی وی تھا اور وہ تھی۔

ایک روز وہ نیٹ پر ایک خبر پڑھ رہی تھی اس کی بے چینی بڑھ گئی، اس نے اپنی ایک دوست کے شوہر کو فون کیا، سب کچھ بتایا اور گزارش کی کہ وہ اس کا کیس لڑے، وہ ایک بڑا وکیل تھا، داؤ پیچ سمجھتا تھا، تین ماہ کیس عدالت میں رہا، وہ ویل چیئر پر جاتی رہی، چوتھے ماہ اس کی دوست اپنے شوہر کے ساتھ کیس کی کامیابی پہ مٹھائی لے کر آئی۔

آج وہ بہت خوش لگ رہی تھی اس نے پہلا قدم بھی اٹھایا تھا، انعم نے اس کے منہ میں گلاب جامن ڈالتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں زندگی سفر کا نام ہے اور سفر میں ہمیں ہر طرح کے مسافر مل جاتے ہیں ہر انسان کی بھی اپنی تاثیر ہوتی ہے، لہریں ہوتی ہیں اور جب دو انسانوں کی لہریں اور تاثیر ٹکراتی ہیں تو ایک نئی تاثیر ایک نئی لہر پیدا ہوتی ہے، کبھی یہ خوشگوار ہوتی ہے اور کبھی ناگوار، بس جو ہوا سو ہوا، اب سب بھول جاؤ انشاء اللہ اب تمہاری دوسری شادی بہت خوشگوار ثابت ہو گی۔" وہ قہقہے لگانے لگی، پھر بولی۔

"منحوس کہیں کا۔"

"منحوس کہیں کا، جب سے تیری زندگی میں آیا ہے ہر طرف نحوست پھیلی ہوئی ہے، ناگوار تاثیر والا، اس سے اچھی تو بس شادی سے پہلے تھی۔" انعم کے شوہر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے مسکراہٹ وشرارت سے کہا۔

"اچھا اب تو وہ واقعہ سنا دو جس کو پڑھ کر تم نے مضطرب ہو کر، مایوس ہو کر مجھے فون کیا تھا۔"

اس نے زوردار قہقہہ لگایا، لیپ ٹاپ آن کیا اور وہ خبر جو اس نے ڈاؤن لوڈ کی ہوئی تھی اوپن کر کے دونوں کے آگے کر دی۔

واقعہ کچھ یوں تحریر تھا۔

''سعودی گزٹ میں سدیدی لکھتے ہیں کہ ان کے ایک دوست کا کزن عدالت میں پیش ہوا اور جج سے درخواست کی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے اور استدعا کرتا ہے کہ اسے اس کی اجازت دی جائے، اس کا کہنا تھا کہ اس کی بیوی میں جسمانی یا اخلاقی لحاظ سے کوئی خامی نہیں ہے بس وہ اس وجہ سے طلاق دینا چاہتا ہے کہ اس کی بیوی پہلے دن سے ہی نحوست کا باعث ہے۔'' اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے اس نے بتایا۔

''میں نے جب اسے پہلی دفعہ دیکھا تو وہ میرے ہمسایوں کے ہاں ایک مہمان کے طور پر آئی ہوئی تھی، وہ میری گاڑی پچھلے دروازے کے قریب کھڑی کی اور اس کے حسن سے لطف اندوز ہونے لگا کہ اس دوران مجھے ایک زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی، کچرے والا ٹرک میری گاڑی کے ساتھ ٹکرا چکا تھا اور میری گاڑی کا ستیاناس ہو چکا تھا۔''

''جس دن میری فیملی رشتہ لے کر میری ہونے والی بیوی کے گھر جارہی تھی تو راستے میں ایک حادثے میں میری ماں چل بسیں اور ہمیں راستہ تبدیل کر کے قبرستان جانا پڑا۔''

''جب افسوس کے دن ختم ہوئے تو میں نے شادی کر لی، لیکن پتا چلا کہ میں نے مزید غموں کی راہ ہموار کی تھی، میں جب بھی اسے شاپنگ کے لئے لے کر جاتا تو جگہ جگہ میرا چالان کیا جاتا۔''

''میری شادی کے دن ہمسایوں کے گھر میں خوفناک آگ بھڑک اٹھی جو ہمارے گھر تک بھی آگئی اور ہمارا باورچی خانہ اس کی لپیٹ میں آگیا، اگلے دن میرے والد ہم سے ملنے آئے لیکن [illegible] سیڑھیوں سے گرے اور ٹانگ تڑوا بیٹھے۔''

''میرا بھائی اور بھابھی جب بھی ہم سے ملنے آتے تو ہمارے گھر آنے کے بعد آپس میں لڑ پڑتے اور خوش ہونے کی بجائے ایک دوسرے کو کوستے ہوئے رخصت ہوتے، میرے رشتہ دار مجھے اکثر کہتے تھے کہ میری بیوی منحوس ہے لیکن میں نے کبھی ان کی بات پر کان نہ دھرا، گزشتہ ہفتے میری آمدنی کا واحد ذریعہ میری ملازمت بھی ختم ہوگئی۔''

''بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میری المناک زندگی کا سبب میری بیوی ہے اور میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں براہ کرم مجھے اس کی اجازت دی جائے۔'' جج نے شفقت بھری نظروں سے سائل کی طرف دیکھا اور یوں گویا ہوا۔

''تمہارے ساتھ پیش آنے والا ہر واقعہ بظاہر برا بھلا، قدرت کا فیصلہ ہے، ہمارے ساتھ پیش آنے والے المیے کسی انسان کی نحوست کا نتیجہ نہیں ہوتے تمہاری بیوی معصوم اور بے قصور ہے اور تمہارے ساتھ پیش آنے والے حادثات میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں ہے، یہ محض اتفاقات تھے، اپنی بیوی کا ہاتھ تھامو اور واپس چلے جاؤ اور آئندہ کسی بھی بدقسمتی کے لئے اسے ذمہ دار مت ٹھہرانا۔''

جب دل شکستہ شخص بیوی کا ہاتھ تھام کر عدالت سے رخصت ہو رہا تھا تو ایک پیروکار دوڑتا ہوا آیا اور جج کی خدمت میں ایک سرکاری خط پیش کیا، خط میں ایک مختصر نوٹ لکھا تھا۔

''آپ کو جج کے عہدے سے فوری برطرف کیا جاتا ہے۔'' جج نے عدالت سے رخصت ہوتے ہوئے شخص کو پکار کر واپس بلایا، چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

''اس عورت کو اسی وقت طلاق دے دو۔''
اس کی بات مکمل ہوئی تو وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس پڑے، یعنی کچھ چیزیں ہوتی ہیں بس نظر نہیں آتیں۔
انعم نے ہنستے ہوئے کہا مگر پھر سنجیدگی و متانت سے اپنی دوست کی طرف محبت سے دیکھ کر کہنے لگی۔
''دیکھو میری جان، مگر ہمیشہ خود پر بھی نظر رکھو، تمہیں یاد ہے تم نے اپنی شادی پہ اپنے کسی غریب رشتہ دار کو، کسی کم حیثیت دوست کو نہیں بلایا تھا، تمہیں یاد ہے تم نے کسی ایسی دوست کو بھی نہیں بلایا تھا جس کی شادی نہیں ہو رہی تھی کہ کہیں اس کی نحوست تم پر نہ پڑ جائے اور تم نے اور تمہارے گھر والوں نے شادی پہ جو بے جا اخراجات، صرف اسی لئے کیے تھے کہ دوسروں سے منفرد نظر آؤ، دوسروں سے منفرد رہو، لوگ ہمیشہ یاد رکھیں کہ کبھی شادی اٹینڈ کی تھی ہر طرف واہ واہ ہو۔''
''تو کئی سفید پوش بھی تو ہوتے ہیں بیچ میں، کئی باہر جا کر دوسروں کو بھی تو بتاتے ہیں اور کسی لڑکی یا اس کے والدین کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ ان کی بیٹی کی شادی دھوم دھام سے ہو، ہم کیوں کسی کو حسرت کا درد دیں۔''
''اور پھر نکاح کا حکم مسجد میں ہے، وہاں سے زیادہ سادگی کہاں ہو گی؟ تو اس سے درس سادگی کا بھی تو مل رہا ہے اور پھر جب سورۃ فلق و ناس نازل ہو رہی ہے تو اس کا مطلب کہ غیر انسانی مخلوق سے بھی پناہ ہے، مسجد کے نکاح میں ہم خود بخود اس پناہ میں آ جاتے ہیں، تم دوسرے الہامی مذاہب کو دیکھو وہ اپنی عبادت گاہوں میں اپنی شادیوں کا اختتام کرتے ہیں اور ہم نے اس کو کسی حد تک مذاق بنا لیا ہے، کہ رات کے اندھیروں میں مولوی صاحب کو بلا کر نکاح کرواتے ہیں، صبح کے کام رات کو اور رات کے صبح کو، تو میری جان ہر اینگل سے سوچو، زندگی کے ہر پہلو کو، کبھی ہمارا تکبر، ہمارا احساس برتری بھی تو ہمارا رستہ روک دیتا ہے، ہمارے خواب توڑ دیتا ہے، تب بھی اگر ہم خدا کی طرف نہ جائیں، عاجز نہ ہو جائیں سر نہ جھکا دیں تو پھر انسانیت و فرعونیت برابر ہو جائیں گے۔''
دوست کی بات اس کے دل کو لگی تھی تبھی تو وہ سر جھکا کر رہ گئی۔
☆☆☆

وادی عشق میں
سونیا چوہدری

PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''تم جانتی ہو اشمل دل ایک شیشے کے محل کی مانند ہوتا ہے جس کو توڑنے کے لئے بڑے بڑے پتھروں کی ضرورت نہیں پڑتی اور یہ ہلکی سی چوٹ سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔''

''ابھی تم پیار اور پیار کرنے والوں پر ہنستی ہو لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب سب اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتے ہیں اور پھر انسان کوشش کے باوجود بھی ہنس نہیں پاتا، کیونکہ اس وقت انسان اندر سے بالکل ٹوٹ چکا ہوتا ہے، جیسے میں ٹوٹ چکی ہوں اور مجھے تمہاری کسی بات، کسی جوک پر بھی ہنسی نہیں آ رہی۔'' عائشہ نے اپنی آنکھوں کی نمی کو صاف کرتے ہوئے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''اشمل جب ہمارا دل ٹوٹتا ہے نا تو ہمیں اس دنیا کی ہر چیز، ہر خوشی، ہر بات بے معنی لگنے لگتی ہے۔''

''وہ دیکھو'' عائشہ نے آسمان پہ اڑتے دو پرندوں کی جانب ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے ایک بار پھر سے اشمل کو مخاطب کیا، جو کہ بالکل خاموشی سے اسی کو سن رہی تھی۔

''یہ پرندے بھی جانتے ہیں کہ ان کی منزل کون سی ہے اور ان کو کب کہاں جا کر اپنی پرواز کو روکنا ہو، لیکن جو پیار کرتے ہیں نا ان کی کوئی منزل نہیں ہوتی، وہ نہیں جانتے کب کہاں، کس موڑ پر وہ جدا ہو جائیں گے۔'' اس کی آنکھ سے ایک آنسو کا موتی ٹوٹ کر زمین بوس ہوا تھا۔

''عائشہ!'' اشمل نے دھیمے لہجے میں اس کو پکارا تھا۔

''تم اس کو بھول جاؤ اور اپنی شروع ہونے والی نئی زندگی کے بارے میں سوچو، تمہاری شادی طے ہو چکی ہے لیکن تم اب تک اس فضول شخص کے رونے روتی ہو، تم اس کو بھول کیوں نہیں جاتی

مکمل ناول

آخر؟" اشمل نے نرمی سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔
"اشمل اگر اس کو بھولنا میرے اختیار میں ہوتا تو میں اس کو کب کا بھول چکی ہوتی، لیکن میں اس کو جتنا بھولنا چاہتی ہوں وہ مجھے اتنا یاد آتا ہے، تم بتاؤ اشمل میں ایسا کیا کروں جس سے میں اس کو بھلا سکوں؟ اور وہ مجھے کبھی بھی یاد نہ آسکے۔" عائشہ کے اس سوال کا جواب اشمل کے پاس نہیں تھا، اس لئے اس نے عائشہ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بات کا رخ بدل ڈالا۔
"چلو اب گھر چلتے ہیں، امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ دونوں کافی دیر سے واک کے لئے نکلی تھیں، آسمان پہ بادل چھائے تھے جس وجہ سے موسم کافی خوشگوار ہو چکا تھا۔
عائشہ نے چپ چاپ بنچ سے اپنا سیل فون اٹھایا اور اٹھ کر اشمل کے ساتھ ساتھ چلنے لگی، گھر واپسی کے سارے راستے اشمل نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی، کیوں کہ وہ جانتی تھی اس وقت اس سے کسی بھی ٹاپک پہ بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

☆☆☆

اشمل اور عائشہ کالج فرینڈز تھیں، بعد میں یونیورسٹی میں بھی دونوں نے ایک ساتھ اپنی اسٹڈی مکمل کی تھی، دونوں کی اسٹڈی اسی سال مکمل ہوئی تھی اور عائشہ کے گھر والوں نے فوراً سے اس کا رشتہ عائشہ کے کزن عثمان سے طے کر دیا تھا، عائشہ کے انکار کرنے کے باوجود سخت طبیعت کے مالک ابو نے ایک نہ سنی، گھر میں شادی کی تیاریاں عروج پہ تھیں۔
"لیکن عائشہ کا دل اس وقت زوال کے اس درجے پہ تھا جہاں سے واپس عروج پر آنے میں انسان کو کچھ وقت لگتا ہے، لیکن یہ وہی سمجھتا ہے جس کے دل نے کبھی چوٹ کھائی ہو۔"
اشمل کا گھر عائشہ کے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر تھا، اس لئے جب سے عائشہ کا رشتہ طے ہوا تھا وہ ڈیلی اس کی طرف چکر لگاتی تھی، کبھی وہ عائشہ کو شاپنگ پہ چلنے کو کہتی، کبھی کافی پینے کے لئے تو کبھی یونہی واک کے لئے نکل پڑتیں، اشمل یہ سب عائشہ کی خاطر کرتی تھی کہ وہ اس کا دل بہلا سکے، اس کو اس کے ماضی سے پیچھا چھڑوانے میں اس کی مدد کر سکے۔
"لیکن انسان کبھی اپنے ماضی کو نہیں بھول پاتا۔"
وقت کی دھول تو ماضی پر آن پڑتی ہے، لیکن انسان کی یاداشت اتنی کمزور بھی نہیں ہوتی کہ وہ اپنا ماضی ہی بھلا دے۔
"کاش ایسا ہو سکتا کہ انسان کو کوئی ایسا اختیار حاصل ہوتا کہ وہ اپنی ماضی کی کڑوی یادوں کو ایک پل میں بھلا سکتا اور یاد کرنے پر بھی ان تلخ یادوں کو یاد نہ کر سکتا، لیکن یہ اختیار کسی بھی انسان کو حاصل نہیں ہے۔"
"جب ہم کسی کو بھولنا چاہتے ہیں تو وہ ہمیں پہلے سے بھی زیادہ یاد آنے لگتا ہے اور اس وقت سوائے آنسو بہانے کے ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

☆☆☆

"اشمل میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" عائشہ نے مدھم آواز میں اشمل کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے کہا تھا۔
"کیوں کیا ہوا؟" اشمل نے نرمی سے پوچھا۔
"اشمل مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ یہیں کہیں موجود ہے میرے آس پاس۔"
"عائشہ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ تم

دلہن بنی بیٹھی ہو، کچھ ہی دیر بعد تم رخصت ہو کر چلی جاؤ گی اور تمہیں ابھی بھی اس فضول شخص کے خیال آ رہے ہیں؟ اس وقت تمہیں اپنی نئی زندگی کی شروعات کی فکر ہونی چاہیے۔'' اشمل کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی سختی اتر آئی تھی، عائشہ نے نم آنکھوں سے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور دوسرے ہی لمحے نگاہیں جھکا لیں تھیں۔

''عورت ایسی ہی ہوتی ہے، زندگی میں ہر چیز ہر حالات کے ساتھ سمجھوتا کر لیتی ہے، لیکن نہیں کر پاتی تو محبت کے معاملے میں سمجھوتا نہیں کر پاتی، اگر وہ ایک بار کسی مرد کو اپنے دل میں جگہ دیتی ہے تو پھر دوسرے مرد کا خیال بھی اسے خوفزدہ کر دیتا ہے۔''

☆☆☆

عائشہ کی شادی کے تمام فنکشنز بہت اچھے سے اختتام پذیر ہوئے تھے، اشمل نے ہر کام میں اس کی بہنوں کی طرح ہاتھ بٹایا تھا، وہ عائشہ کو بس خوش دیکھنا چاہتی تھی، لیکن ہمارے چاہنے نہ چاہنے سے کوئی خوش کیسے ہو سکتا ہے، جب تک بکھرا ہوا انسان خود ہی اپنے آپ کو سمیٹنا نہ چاہے۔

یہ ہری بھری وادیوں کا شہر اپنی مثال آپ تھا، آج صبح سویرے اس کی آنکھ کھلی تو وہ نماز کے بعد واک کے لیے نکل آئی، باہر کا موسم کافی خوشگوار تھا، ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کو چھو کر گزر رہے تھے، گرمیوں میں بھی یہ شہر عموماً ٹھنڈا ہی رہتا تھا، وہ سڑک کے کنارے چلتی ہوئی عائشہ کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی جب ہاتھ میں پکڑے موبائل کی میسج ٹون نے اس کی سوچ میں خلل ڈالا تھا، اس نے میسج دیکھا، کسی انجان نمبر سے تھا، وہ میسج پڑھنے لگی۔

''وادیٔ عشق کی اک پری نے کر رکھا ہے دیوانہ مجھ کو۔''

اشمل نے نمبر پہ نظریں جمائے ہوئے نمبر کو پہچاننے کی کوشش کی، لیکن نمبر اس کی پہچان کا نہیں تھا، اس نے میسج کو اگنور کرتے ہوئے اپنے قدموں کو بڑھا دیا اور چلتے چلتے ایک بار پھر سے دل ہی دل میں عائشہ کی خوشیوں کی دعا کرنے لگی۔

☆☆☆

اشمل دو ہی بہنیں تھیں، اشمل کے ابو تین سال قبل ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا چکے تھے، اشمل کی بڑی بہن کی شادی ہو چکی تھی اور وہ اپنے شوہر کی فیملی کے ساتھ ہی دوبئی شفٹ ہو چکی تھی، جبکہ اشمل اپنی امی کے ساتھ ایبٹ آباد میں ہی رہتی تھی، اشمل نے پڑھائی مکمل کرتے ہی اپنے ابو کا بزنس سنبھال لیا تھا، اس کے ابو کا ہوٹل کا بزنس تھا، اس وقت بھی وہ ہوٹل کے آفس میں مصروف تھی جب اس کے آفس کے دروازے پہ کسی نے دستک دی تھی۔

اشمل نے اندر آنے کی اجازت دی، اندر آنے والا شخص اجنبی تھا، اشمل نے سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے اس کی شخصیت کا جائزہ لیا تھا۔

''جی فرمائیے؟'' اشمل نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے میم اشمل سے ملنا ہے۔''

''تشریف رکھیے۔'' اشمل نے ہاتھ سے کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''جی کہیے، میں ہی اشمل ہوں۔''

''مجھے آپ کے ہوٹل میں جاب چاہیے، میرا نام عالیان آفندی ہے، میں ایم بی اے کر چکا ہوں اور کچھ ہی مہینوں بعد دوبئی چلا جاؤں گا، لیکن جب تک میں پاکستان میں ہوں تو سوچا

کوئی نوکری کر لوں، میں آپ کو اپنی سی وی بھی میل کر چکا ہوں، آپ باقی کی معلومات وہاں سے حاصل کر سکتی ہیں۔'' اشمل نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی تھی اور چند ثانیے بعد اپنے بازو دوں ٹیبل پہ پھیلاتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

''لیکن مجھے ابھی کسی ورکر کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں میم لیکن میں نے آپ کے ہوٹل کی کافی تعریف سن رکھی ہے اور میں دوستوں بہت بار یہاں آ بھی چکا ہوں، پلیز مجھے جاب کی اشد ضرورت ہے آپ مجھے کہیں بھی ایڈجسٹ کر لیں۔'' عالیان نے التجائی انداز میں کہا تو اشمل نے ایک بار پھر اس کو بہت توجہ سے دیکھتے ہوئے اس کی شخصیت کا جائزہ لیا تھا۔

''Hmm ok...... میں آپ کی سی وی چیک کرنے کے بعد آپ کو انفارم کروں گی، اب آپ جا سکتے ہیں۔'' اشمل نے ٹیبل پہ پڑی فائل کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

''بہت شکریہ، میں انتظار کروں گا آپ کی میل کا، خدا حافظ۔'' وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور آفس سے باہر نکل آیا، لیکن جاتے جاتے وہ اشمل کو مڑ کر دیکھنا نہیں بھولا تھا۔

☆☆☆

عائشہ اپنی شادی کے بعد پہلی بار اشمل کے گھر آئی تھی، اشمل اس کو دیکھ کر صدقے واری جا رہی تھی، عائشہ پہلے سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی اور کچھ مطمئن بھی، تو کیا وہ اس شخص کو بھول گئی ہے؟ اشمل نے دل ہی دل میں سوچا تھا، اچھا ہے اگر بھول گئی ہے تو وہ گھٹیا انسان اس لائق تھا ہی نہیں کہ اس کو یاد بھی رکھا جاتا۔

''عائشہ تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' اشمل نے محبت سے اس کی جانب مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''تو پہلے پیاری نہیں لگتی تھی کیا؟'' عائشہ نے شرارت بھرے انداز میں پوچھا تو اشمل کا جاندار قہقہہ پورے کمرے میں گونجا تھا۔

''اچھا عثمان تمہارا خیال رکھتا ہے؟''

''ہاں بہت زیادہ۔'' عائشہ نے سرسری انداز میں جواب دیا تھا۔

''تم اس کا خیال رکھتی ہو؟'' اب کی بار کیا گیا سوال عائشہ کو عجیب لگا تھا، اس لئے وہ خاموش ہی رہی تھی۔

''بتاؤ بھی۔'' اشمل نے زور دیتے ہوئے پوچھا۔

''کوشش کرتی ہوں کہ اس کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔'' عائشہ نے پھیکے سے لہجے میں جواب دیتے ہوئے چائے کا کپ تھاما تھا۔

''میری دعا ہے کہ تم اس کوشش میں ہمیشہ کامیابی حاصل کرو۔'' اشمل نے بات ختم کرنے کی خاطر مختصر جواب دیا تھا۔

عائشہ نے ایک نظر اشمل کو غور سے دیکھا اور پھر اشمل سے اس کی ہوٹل کی مصروفیات کے بارے میں پوچھنے لگی، اشمل کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ کسی کو اتنی جلدی بھول جانا آسان نہیں ہوتا۔

''محبت جتنی جلدی ہوتی ہے اتنی ہی دیر سے بھولتی ہے، یا پھر کبھی بھولتی ہی نہیں، ہر بار یاد کرنے پر تازہ زخم کی طرح ہری بھری ہو جاتی ہے۔''

☆☆☆

صبح کے دس بج چکے تھے لیکن وہ اب تک بے خبر سو رہی تھی جب امی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس کو آواز لگائی تھی۔

''اشمل اٹھ جاؤ بیٹا کتنا ٹائم ہو گیا ہے، اٹھو

شاباش۔'' امی نے اس کے منہ سے کمبل کھسکاتے ہوئے پیار سے کہا تھا، اشمل نے بوجھل آنکھوں سے گھڑی کی جانب دیکھا ٹائم دس سے اوپر ہو چکا تھا، وہ فوراً سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

''میں خانساماں سے کہہ کر تمہارے لئے ناشتہ بنواتی ہوں تم جلدی سے فریش ہوکر آجاؤ۔'' امی اس کو آنے کا کہہ کر چلی گئیں، اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل پکڑا، اسی انجان نمبر سے میسج آیا ہوا تھا اس نے میسج کھول کر پڑھا۔

ہر سو تیری یاد کی خوشبو پھیلی ہے
اک گلاب پہ تنہا تتلی تیرا روپ دھارے بیٹھی ہے

میسج پڑھنے کے بعد اس نے موبائل واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔

''کس کا نمبر ہے یہ۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی بیڈ سے اتر کر واش روم کی جانب بڑھ گئی۔

وہ اپنے آفس کی جانب ہی بڑھ رہی تھی جب اسے اپنے عقب میں ہوٹل کے مینجر رضا صاحب کی آواز نے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

''ایکسیوزمی میم!'' اشمل نے مڑ کر رضا صاحب کی جانب دیکھا تھا۔

''آپ کے لئے کسی عالیان آفندی کی کال تھی۔''

''عالیان!'' اشمل نے ایک لمحے کو سوچا تھا اور پھر فوراً سے یاد آنے پر رضا صاحب سے کہہ کر اس کی سی وی اپنے آفس میں منگوائی تھی۔

اشمل نے سی وی چیک کرنے کے بعد آفس کے نمبر سے عالیان کا نمبر ڈائل کیا تھا، دوسری جانب ایک دو مسلسل بیل کے بعد فون ریسیو کیا جا چکا تھا۔

''جی میم مجھے آپ ہی کی کال کا ویٹ تھا۔'' سلام کے فوراً بعد عالیان نے ایسا کہا تو اشمل کو کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا۔

''کیا آپ کو پہلے سے ہی معلوم تھا کہ میں آپ کو کال کروں گی؟'' اشمل کے سوال کا جواب بڑی سہولت سے دیا گیا تھا۔

''جی ہاں، کیونکہ میں پہلے کال کر چکا تھا تو مینجر صاحب نے بولا تھا کہ آپ کے آتے ہی آپ سے بات کروادی جائے گی۔'' عالیان نے اطمینان سے کہا تو اشمل کچھ مطمئن سی ہوگئی۔

''اوکے میں آپ کی سی وی چیک کر چکی ہوں آپ صبح نو بجے ہوٹل پہنچ جائیے گا۔''

''اوکے میں پورے ٹائم پہ آجاؤں گا۔'' عالیان نے پرجوش انداز میں جواب دیا تھا۔

''اوکے خدا حافظ۔'' اشمل نے فون رکھ دیا تھا لیکن دوسری جانب عالیان کی خوشی دیکھنے لائق تھی، وہ ایم بی اے مکمل کرنے پر بھی اتنا خوش نہیں ہوا ہوگا جتنا اشمل کے جاب دینے پر وہ پاگلوں کی طرح اپنے کمرے میں اچھل کود کر رہا تھا۔

''ہاں ایسی ہی ہوتا ہے محبت کا رنگ جب شروع شروع میں چڑھتا ہے تو انسان کا ایسے ہی اچھلنے کودنے کا جی چاہتا ہے، دیوانہ وار بات بات پہ ہنسنے کو قہقہے لگانے کو دل کرتا ہے، لیکن ممکن نہیں ہوتا کہ وقت ایک سا ہی رہے، محبت میں کبھی کبھار رونا بھی پڑ جاتا ہے، بلکہ اکثر اوقات رونا پڑتا ہے۔''

☆☆☆

اگلے دن پورے نو بجے عالیان ہوٹل میں موجود تھا، لیکن اشمل اس کو کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی، وہ ریسپشن پہ چلا آیا اور وہاں موجود ایک لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''ایکسیوزمی میم! اشمل کب تک آئیں گئیں؟''

''سر آپ بیٹھیے وہ دس بجے تک آجاتی

ہیں۔'' لڑکی نے مؤدب انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

عالیان نے ایک نظر ہاتھ میں پہنی گھڑی پہ ڈالی، ساڑھے نو بج چکے تھے، آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا اسے یہاں بیٹھے، ہوٹل کے منیجر رضا بھی اسے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے، عالیان نے اپنے قدم ہوٹل کی لابی کی جانب بڑھائے ہی تھے کہ سامنے سے اشمل آتی دکھائی دی، عالیان نے فوراً آگے بڑھ کر اشمل کو سلام کیا تھا۔

''کب آئے آپ؟'' اشمل نے ایک نظر اس کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''پورے نو بجے۔'' عالیان نے جھٹ سے جواب دیا تھا۔

''گڈ ٹائم کے پابند لوگ ہی مجھے پسند ہیں۔''

''آپ آئیں میرے آفس میں۔'' عالیان اس کے پیچھے ہو لیا، اشمل نے آفس میں داخل ہوتے ہی وال کلاس سے پردے ہٹائے، شیشے کے اس پار سے نظر آنے والے سرسبز پہاڑوں کا منظر قابل دید تھا۔

''تشریف رکھیے۔'' اشمل نے کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا، عالیان قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیا لیں گے آپ چائے، کافی؟''

''نو تھینکس میم۔'' عالیان نے اپنی ٹائی درست کرتے ہوئے جواب دیا تھا، اشمل ریوالونگ چیئر پر آن بیٹھی تھی۔

''او کے تو پھر کام کی بات کرتے ہیں۔'' اشمل نے میز پر پڑے پین کو تھامتے ہوئے کہا، رضا صاحب جو کہ یہاں کہ منیجر ہیں وہ اپنے کچھ ذاتی مسئلوں کی وجہ سے یہ نوکری چھوڑنا چاہتے ہیں، تو اگر آپ کو ان کی جگہ ایڈجسٹ کیا جائے تو آپ کو کیا لگتا ہے کہ آپ ان کی ذمہ داری اچھے طریقے سے نبھا سکیں گے؟ اشمل نے ٹیبل پہ رکھی فائل پہ نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل میم، مجھے خود پر پورا یقین ہے، میں اپنی ذمہ داری سے کبھی منہ نہیں موڑتا۔'' عالیان نے پراعتماد انداز میں جواب دیا تھا۔

''Thats good تو پھر ایک منیجر کی کیا کیا ذمہ داری ہوتی ہے یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔''

''لیں۔'' عالیان نے مختصر سا جواب دیا۔

''سیلری کی کیا ڈیمانڈ کرتے ہیں؟'' اشمل نے ہاتھ میں پکڑے پین سے کاغذ کے اوپر کچھ لکھتے ہوئے اگلا سوال کیا تھا، اس سوال پہ عالیان چند لمحے سوچنے کے بعد دوبارہ مخاطب ہوا تھا۔

''آپ پہلے میرا کام دیکھ لیجئے گا، پھر اس بات کا فیصلہ آپ خود کر دیجئے گا۔'' اشمل اس کے اس جواب سے حیران بھی ہوئی تھی اور متاثر بھی، آج سے پہلے جتنے بھی ورکر آئے تھے وہ کم کام میں زیادہ سیلری ہی تو چاہتے تھے اور یہ پہلا شخص تھا جو کہہ رہا تھا کہ سیلری بھی آپ ہی ڈسائیڈ کر لیجئے گا، اشمل نے ایک نگاہ اس کے چہرے پہ ڈالی اور فوراً اسے ہٹالی۔

''او کے تو چلیں پھر میں آپ کو سب سے تعارف بھی کروا دوں اور باقی کا کام بھی سمجھا دوں۔'' اشمل نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو عالیان بھی فوراً سے اٹھ کر اس کے پیچھے ہو لیا، عالیان نے اس کے پیچھے پیچھے چلتے ایک بار پھر اپنی خوشی کو قابو میں رکھا، آج وہ پہلے سے بھی زیادہ خوش تھا، بہت زیادہ خوش۔

''لیکن محبت کرنے والوں کو زیادہ دیر تک خوشی بھلا کب راس آتی ہے۔''

☆☆☆

آج بارش تھی کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی، اشمل نے اپنے آفس سے اس پار کا منظر دیکھا جہاں پہاڑ رات کی تاریکی میں چھپ چکے تھے، شام کے سات بج چکے تھے اور وہ اب تک ہوٹل میں ہی تھی، بادل گرجنے کی آواز پہ اس کا خوف سے کانپتا وجود سہم گیا تھا، اشمل نے امی کو کال کر کے اطلاع کر دی تھی کہ وہ آج کچھ دیر سے لوٹے گی، اتنی تیز بارش سے اسے اب خوف آنے لگا تھا، اک انجانا سا خوف، اس کو بارش کو بس دور سے دیکھنا پسند تھا، لیکن بارش میں بھیگنا ہر گز نہیں، وہ واپس کرسی پر آن بیٹھی اور اس کی انگلیاں لیپ ٹاپ پہ حرکت کرنے لگیں، وہ لیپ ٹاپ پہ نظریں جمائے ہوئے تھی جب اس کی مسیج ٹون نے اس کو سیل فون کی جانب متوجہ کیا تھا۔

بارش بن کر برستی ہیں
تمہاری یادیں مجھ پہ
قطرہ، قطرہ......!!!

پھر سے اسی انجان نمبر سے مسیج، اشمل نے تنگ آ کر آج پہلی بار اس کے کسی پیغام کا جواب دیا تھا۔

''کون ہو ہیں آپ؟'' اشمل نے مسیج ٹائپ کر کے سینڈ کر دیا۔

''دیوانہ!'' دوسری جانب سے فوراً جواب موصول ہوا۔

''کس کا؟'' اشمل نے بے اختیار پوچھا۔

''آپ کا۔'' دوسری جانب سے بلا جھجک جواب ملا۔

''چاہتے کیا ہو آخر؟'' اشمل نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''صرف آپ کی محبت۔'' اب والا جواب اشمل کا پارا مزید ہائی کر چکا تھا۔

''تم جانتے نہیں ابھی مجھے۔'' اشمل نے غصے کو قابو میں رکھتے ہوئے مسیج سینڈ کیا۔

''تو جان جاؤں گا جناب۔'' مسیج کی لاسٹ میں اسمائل کا سائن تھا۔

''کیا بکواس ہے، دیکھ لوں گی تمہیں میں۔'' اشمل نے بہت غصے میں جواب بھیجا۔

''اتنی آسانی سے میں نظر ہی نہیں آؤں گا۔'' جواب دینے والا شخص حاضر دماغ تھا۔

اشمل کو اس نے لاجواب کر دیا تھا، اشمل نے اس کا آخری مسیج پڑھ کر بنا کوئی جواب دیئے سیل فون کو ٹیبل پر پٹخ دیا۔

''عجیب فضول لوگ ہیں اس دنیا میں کوئی کام نہیں ملتا تو لڑکیوں کو تنگ کرنے چلے آتے ہیں۔'' اشمل نے غصے میں بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا، جب کسی نے دروازے پہ دستک دیتے ہوئے اندر آنے کی اجازت چاہی تھی۔

''کم ان۔'' اشمل نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے جواب دیا، عالیان کافی کا مگ تھامے اشمل کی جانب بڑھا۔

''میم کافی۔'' عالیان نے مگ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کس نے کہا تھا آپ کو کافی لانے کو؟'' اس اجنبی شخص کا غصہ شاید وہ بیچارے عالیان پہ نکالنا چاہتی تھی۔

''کہا تو کسی نے بھی نہیں تھا، میں نے خود سے سوچا کہ آپ صبح سے کام کرتے کرتے تھک گئی ہوں گی تو آپ کے لئے کافی لے جاؤں۔'' عالیان نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

اشمل نے اس کو گھورتے ہوئے دیکھا، جیسے عالیان کو آنکھوں ہی آنکھوں میں سمجھا رہی ہو کہ ''تم اپنے کام سے کام رکھو تو تمہارے لئے اچھا ہے ورنہ تمہاری نوکری بھی خطرے میں ہے۔'' عالیان کو اس کے ایسے دیکھنے پہ ہنسی آ رہی

تھی جس کو اس نے بمشکل قابو کیے رکھا تھا۔

☆☆☆

آج چونکہ اتوار تھا اور اتوار کو وہ اپنا سارا وقت گھر پر ہی گزارتی تھی، امی کی طبیعت کچھ ناساز تھی اس لئے وہ دوائی لے کر آرام کر رہی تھیں، جبکہ اشمل بالکونی میں کھڑی ہاتھ میں کافی کا مگ تھا باہر کے مناظر دیکھ رہی تھی، اس کے گھر کی بالکونی سے نظر آنے والی خوبصورت جھیل کے کنارے کافی لوگ موجود تھے، جن میں سے کچھ جھیل کے شفاف پانی میں پاؤں ڈبوئے بیٹھے پانی سے کھیل رہے تھے اور کچھ مختلف پوز دے دے کر تصویریں بنوا رہے تھے اور اشمل دور کھڑی بالکونی سے دیکھ کر انجوائے کر رہی تھی۔

''زندگی کتنی خوبصورت ہوتی ہے، لیکن صرف تب تک جب تک یہ ہمارے اپنے اختیار میں ہوتی ہے، جب ہم اپنی زندگی کو تھوڑی سی ڈھیل دے دیں تو یہ ہمارے بس میں نہیں رہتی اور کچھ ایسے لوگ زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں جو ہماری زندگی کو برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے کچھ لوگ زندگی میں آ کر زندگی کا خوب سے خوبصورت کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ بدتر سے بدترین کر دیتے ہیں لوگ بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں نا۔''

کافی دنوں بعد سورج کی چمکیلی کرنیں دیکھنے کو ملی تھیں، وہ خود کو کافی فریش محسوس کر رہی تھی، اس نے ہوٹل جانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے امی کو ماموں کے ہاں لے جانے کا پلان بنایا، وہ اپنے اکلوتے ماموں کی لاڈلی بھانجی تھی۔

ماموں کے گھر پہنچتے ہی اس کا سامنا پہلے سلمان سے ہوا تھا، سلمان اس کا ماموں زاد تھا، جس سے وہ بہت چڑتی تھی، وہ سلمان کے علاوہ بھی ہر مرد سے چڑتی تھی، بلکہ سلمان نے اس کو دیکھتے ہی لبوں پہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے آگے بڑھ کر ان کو سلام کیا۔

''ارے پھپھو جان اتنے دنوں بعد آج کیسے یاد آ گئی؟'' سلمان نے ان سے پیار لیتے ہوئے محبت بھرے انداز میں بالآخر شکوہ کر ہی ڈالا کہ وہ بہت کم ان کی طرف چکر لگاتی ہیں۔

''سلمان بیٹا تم تو جانتے ہو گھر میں کوئی ہوتا نہیں اشمل صبح ہوٹل چلی جاتی ہے اور پھر شام کو لوٹتی ہے اور میں بھی گھر کو اکیلا چھوڑ کر اب روز روز کہیں نکل نہیں سکتی، آج بھی اشمل نے چھٹی کر کے مجھے یہاں لانے کا پلان بنایا تھا اور لے بھی آئی۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا آپ بیٹھیں میں بابا کو بلاتا ہوں، امی تو گھر میں نہیں، اپنی کسی دوست کی بیٹی کی منگنی میں گئی ہیں۔'' سلمان نے ان کو ٹی وی لاؤنج میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

''تم بھی اب کچھ اپنا سوچو سلمان بیٹا، ہمیں بھی اب بہو لانے کی حسرت ہونے لگی ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''پھپھو جان بہو تو کہیں آس پاس ہی ہو گی، آپ ذرا نظریں گھما کر تو دیکھیں، شاید مل ہی جائے۔'' وہ مزید کچھ کہتا اور خالہ اس کی بات کا جواب دیتیں اس سے پہلے ہی نوید صاحب ان کی آواز سن کر ٹی وی لاؤنج میں چلے آئے۔

سلمان کی آس پاس نظر گھما کر دیکھنے والی بات نے اشمل کو سخت بدمزا کیا تھا، اشمل کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے، سلمان نے اشمل کو جلا دینے والی مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے دیکھا تو اشمل سلمان کو اگنور کرتی ہوئی ماموں کی طرف بڑھ گئی، وہ اٹھ کر ان کے پاس جا کر براجمان ہو گئی، نوید صاحب نے اس کو پیار دیتے ہوئے بے حد دعاؤں سے نوازا تھا، سب

لوگ باتوں میں مصروف تھے جب اشمل کے موبائل کی رنگ ٹون نے سب کو ایک لمحے کے لئے خاموش کرا دیا تھا۔

''ایکسیوزی ہوٹل سے کال ہے۔'' وہ کہتی ہوئی اٹھ کر باہر لان میں چلی آئی۔

''ہیلو، جی بولیں عالیان کیا ہوا؟'' سلام کے بعد اس نے عالیان سے کال کرنے کی وجہ پوچھتے ہوئے کہا۔

''میم آج آپ کی بہت اہم میٹنگ تھی۔'' عالیان نے اس کو یاد کرواتے ہوئے بولا جو کے وہ بالکل بھول چکی تھی۔

''اوکے میں بس آدھے گھنٹے میں پہنچتی ہوں۔'' اشمل نے کال ڈراپ کر دی اور واپس لاؤنج میں چلی آئی۔

''امی مجھے آفس میں بہت ضروری کام ہے، سوری ماموں مجھے جانا ہو گا۔'' اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''امی میں آپ کو شام میں پک کرلوں گی اور پھر ممانی بھی تب تک آ جائیں گی تو ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی، اچھا ماموں میں چلتی ہوں۔'' وہ اجازت طلب کرتی وہاں سے نکلنے ہی لگی تھی کہ سلمان بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو میں تمہیں ڈراپ کر دوں، میں بھی آفس کے لئے نکلنے ہی والا تھا، بس تم لوگوں کی وجہ سے بیٹھا تھا۔'' سلمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں میں چلی جاؤں گی، ڈرائیور بس گاڑی لے کر آتا ہو گا، میں نے کال کر دی ہے اس کو۔''

''ڈرائیور کو آنے میں بھی تو وقت لگے گا اور تم مزید لیٹ ہو جاؤ گی۔'' اشمل نے سلمان کی آفر کو رد کر دیا تھا لیکن سلمان اتنی آسانی سے ہاتھ آیا موقع کیسے گنوا سکتا تھا۔

''ہاں بیٹا چلی جاؤ سلمان چھوڑ دے گا۔'' ماموں کے کہنے کے بعد وہ انکار نہیں کر سکتی تھی۔

''چلو۔'' اشمل نے برا سا منہ بناتے ہوئے چلنے کو کہا تو سلمان کے لبوں پہ بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

''سلمان ہم کسی لانگ ڈرائیو کے لئے تو نہیں نکلے جو تم ایسے مست انداز میں گاڑی چلا رہے ہو، تھوڑا جلدی گاڑی چلاؤ مجھے ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔'' اشمل نے سلمان کو دیکھتے ہوئے غصے سے کہا، جو پوری توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

''میڈم آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ جس شہر کی آپ مکین ہیں اس شہر کے راستے پیچ وخم والے اور پتھریلے ہیں، اس لئے میری تھوڑی سی بھی لاپرواہی ہم دونوں کو اللہ کے پاس بھیجنے کے لئے کافی ہو گی۔'' سلمان نے سامنے سڑک پہ نظریں جمائے ہوئے ہی جواب دیا تھا۔

''اس لئے میں تو ابھی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، تمہیں اگر ایسا کوئی شوق ہے تو میں گاڑی سائیڈ پہ لگا سکتا ہوں، تم اتر کر خود اکیلی یہاں سے کود جاؤ۔'' سلمان نے اس کو چھیڑنے کے لئے شرارتاً سڑک کی سائیڈ کھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جس پہ اشمل مزید جل کر رہ گئی تھی اور چپ چاپ گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی، جہاں کے راستے اگر خوبصورت تھے تو خوفناک بھی، احتیاط سے گاڑی چلانی پڑتی تھی۔

☆☆☆

تین گھنٹے کی میٹنگ کے بعد وہ فری وہ کر اپنے کیبن میں چلی آئی، انٹرکام کے ذریعے اس نے کافی کا آرڈر دیا تھا، وہ ٹیبل پہ سر جھکائے کچھ کچھ تھکے ہوئے سے انداز میں بیٹھی تھی جب کچھ

دیر بعد عالیان آفس میں داخل ہوا، عالیان نے اس کو ہولے سے پکارا تھا۔

''ایکسیوزمی میم!'' اشمل نے کوئی جواب نہ دیا۔

عالیان نے آگے بڑھ کر دیکھا تو شاید وہ سو چکی تھی، کافی کا مگ وہ ٹیبل پہ رکھ چکا تھا جو کہ وہ اشمل کے لئے لایا تھا، اس وقت وہ حسن کی دیوی لگ رہی تھی، سچ میں کسی وادی عشق کی پری کی طرح معصوم اور دلکش، اس کی سیاہ نشیلی آنکھیں، گلاب کی پنکھڑی جیسے گلابی ہونٹ، سرخ وسفید رنگت کی مالک اشمل کسی بھی مرد کو اپنا دیوانہ بنا سکتی تھی، مرد تو مرد اشمل کسی لڑکی کو بھی اپنے حسن سے پاگل کر سکتی تھی، کالج میں بہت سی ایسی لڑکیاں تھیں جو اشمل کی خوبصورتی کی وجہ سے اس کی فین تھیں، لیکن اشمل کہاں کسی کو لفٹ کرواتی تھی، جب وہ لڑکیوں کو لفٹ نہیں کرواتی تھی تو لڑکے تو ایسی امید بھی نہ رکھیں کہ اشمل سے کسی کی بات ہو سکتی تھی۔

عالیان کھڑا بغور گھورتا جا رہا تھا جب فون کی رنگ ٹون نے اشمل کی نیند میں خلل ڈالا اور وہ اچانک سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، عالیان اس کے جاگنے پر گھبرا سا گیا، اشمل نے اپنی سرخ بوجھل آنکھوں سے عالیان کی جانب دیکھا۔

''تم؟'' اشمل نے سیل فون پہ آتے ہوئے فون کو اگنور کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''ج...... ج...... جی...... وہ...... وہ میں...... یہ...... میں یہ آپ کے لئے کافی لے کر آیا تھا اور یہ کچھ فائل بھی چیک کروانی تھیں۔'' عالیان نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم جیسے مردوں کو، جو لڑکی کو تنہا دیکھتے ہی اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں۔'' اشمل نے سخت غصے سے چلاتے ہوئے کہا تھا۔

''میم آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔'' عالیان نے اپنی صفائی پیش کرنی چاہی، عالیان کو اشمل سے ایسے ردعمل کی امید نہیں تھی، اس لئے وہ اس کی بی ہیو پہ حیران ہوا تھا۔

''اب تم یہاں سے جاتے ہو کہ میں سیکورٹی کو بلواؤں۔'' اب کی بار عالیان پہلے سے بھی زیادہ حیران ہوا تھا کہ اس نے آخر کیا کیا ہے جو وہ ایسا کہہ رہی تھی۔

''اس کا تو نہ ارادہ برا تھا نہ ہی نیت۔'' عالیان نے بنا کچھ کہے آفس سے چلا آیا، وہ ہوٹل سے بھی چلا آیا، اس کو برا لگا تھا، تھوڑا سا غصہ کرنا تو اس کا حق بنتا تھا۔

اشمل نے ماموں کو کال کر دی تھی کہ وہ لیٹ ہو جائے گی اس لئے وہ خود ہی امی کو گھر چھوڑ گئے تھے، شام کو وہ گھر لوٹی تو اس کا موڈ کافی خراب تھا، امی کے پوچھنے پر بھی اس نے تھکاوٹ کا بہانہ بنایا اور اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

چینج کرنے کے بعد وہ بالکونی میں آن کھڑی ہوئی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کو چھو کر گزر رہے تھے، وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھی، مرد اس کو ایک سے ہی لگتے تھے، چڑتی تھی وہ مرد ذات سے۔

زندگی میں اس نے صرف ایک مرد پر بھروسہ کیا تھا اس کو اپنا دوست سمجھا تھا، صرف اچھا دوست، اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں، لیکن اس دوست نے بھی اس کو ایسا دھوکہ دینا چاہا تھا کہ اس کا دنیا کے تمام مردوں سے اعتماد ہی اٹھ گیا، یونی کے پہلے سال اس کی دوستی ایک عمیر نامی شخص سے ہوئی تھی، عمیر نے اشمل کا یقین حاصل کرنے کے بعد اس کو ایسی ٹھیس پہنچائی تھی،

اس کے بعد وہ زندگی بھر کسی مرد پہ یقین نہیں کرنا چاہتی تھی، عمیر کے لئے وہ دوستی سے زیادہ کسی جذبے کو اہمیت نہیں دیتی تھی نہ اس کے لئے ایسا ویسا کچھ سوچتی تھی، جبکہ عمیر نے دوستی کے نام پہ اس سے اس کی عزت کی ڈیمانڈ کی تھی، اس نے اشمل کو ایک روز ہوٹل میں بلایا، یہ کہہ کر کہ آج اس کی سالگرہ ہے اور سب یونی فرینڈز کو پارٹی دے گا، اشمل نے بنا کسی شک و شبہ کے آنے کے لئے ہاں کر دی۔

ہوٹل میں پہنچتے ہی اشمل کو یونی کا کوئی دوست وہاں دکھائی نہ دیا، اشمل نے عمیر سے پوچھا۔

''باقی سب کہاں ہیں؟''

''باقی سب کون؟'' عمیر نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

''باقی سب تمہارے فرینڈز جن کو تم نے انوائیٹ کیا تھا؟'' اشمل نے اپنے اردگرد نظر گھماتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے صرف تمہیں انوائیٹ کیا تھا۔'' عمیر نے لاپرواہی سے کہا۔

''صرف مجھے؟'' اشمل نے تعجب سے اس کو پوچھا۔

''ہاں صرف تمہیں، آج کی شام تمہارے نام، صرف اور صرف اشمل علی کے نام۔'' عمیر نے ایک گلاب کی کلی اشمل کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا تو اشمل کو ایک لمحے کے لئے کچھ بھی سمجھ نہ آیا۔

''عائشہ کو بھی نہیں لائے؟'' اشمل نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ اس وقت اب ہم دونوں میں عائشہ کہاں سے آگئی؟'' عمیر نے ناگواری سے کہا۔

''تم سے وہ محبت کرتی ہے اور تم بھی اس سے محبت کرتے ہو تو اس کا یہاں ہونا زیادہ اہم ہے نہ کہ میرا۔'' اشمل نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''تمہیں کس نے کہا میں اس سے محبت کرتا ہوں؟ وہ تو بس عائشہ ہی کب سے میرے پیچھے پڑی تھی، اس لئے اس کا دل رکھنے کی خاطر میں نے بھی اس کو آئی لو یو بول دیا تھا۔'' عمیر نے کس ڈھٹائی سے اپنے کمینے پن کا اعتراف کیا تھا۔

''محبت تو میں صرف تم سے کرتا ہوں اشمل۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اشمل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، اشمل کو اس کی مسکراہٹ زہر لگ رہی تھی، اس نے ٹیبل سے اپنا سیل فون اور بیگ اٹھایا اور واپس جانے لگی جب عمیر نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کو روکا تھا۔

''میری بات تو سنو اشمل۔'' عمیر نے اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

''ہاتھ چھوڑو میرا۔'' اشمل نے غصے میں چلاتے ہوئے کہا تھا، عمیر نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا، اشمل نے ایک زوردار تھپڑ عمیر کے منہ پہ رسید کر ڈالا، عمیر کھڑا دھنگ کا دھنگ رہ گیا۔

''آج میرے ساتھ ایسی حرکت کی ہے لیکن آئندہ ایسا کچھ کرنے سے پہلے سوچ لینا'' سو بار نہیں تو ایک بار ضرور'' اور آج کے بعد اگر تم میرے اور عائشہ کے آس پاس دکھائی بھی دیئے تو تمہارے لئے اچھا نہیں ہوگا، تم یونی سے تو نکلو گے ہی لیکن جیل جا کر اپنا فیوچر بھی برباد کرو گے، سو تمہارے لئے اب یہی بہتر ہوگا کہ لڑکیوں کے چکروں سے نکل کر اپنی پڑھائی پر توجہ دو، میں نہیں جانتی تھی کہ تم اس قدر گھٹیا انسان ہو ورنہ تمہیں اپنے آس پاس منڈلانے بھی نہ دیتی اور مجھے تم کوئی کمزور لڑکی سمجھنے کی بھی غلطی ہرگز مت نہ کرنا جو تمہاری اس حرکت کے بعد تمہاری باتوں میں آ جاؤں گی یا پھر تمہیں ریجیکٹ کرنے کے بعد

تمہاری دھمکیوں سے ڈرنے لگوں گی، تم نے ابھی مجھے بہت کم جانا ہے مسٹر عمیر اس لئے آج جتنا جان گئے ہو اتنا کافی ہے تمہارے لئے۔'' عمیر کسی مظلوم کی طرح کھڑا اس کی باتیں ایسے سن رہا تھا جیسے وہ اس کو یونیورسٹی کا بہت اہم لیکچر دے رہی ہو۔

عمیر نے اشمل کو جیسا سمجھا تھا وہ تو بالکل ویسی نہیں تھی، اشمل ایک پر اعتماد لڑکی تھی، جس کو اپنے آپ پر پورا بھروسہ تھا، جو ہر مشکل کا سامنا کرنا جانتی تھی، اس نے یونی کے بڑے سے بڑے لڑکوں کا لحاظ نہیں کیا تھا بھی تو عمیر کس کھیت کی مولی تھا۔

عمیر سے اگر اس کی جان پہچان ہوتی تھی تو اس کی وجہ صرف اس کی بہترین دوست عائشہ تھی، جو عمیر سے بے حد محبت کرتی تھی اور عمیر اس سے صرف ٹائم پاس کر رہا تھا، اشمل نے سارا قصہ گھر آ کر عائشہ کو فون پر بتا دیا، پہلے پہل عائشہ کو اشمل کی باتوں پہ یقین نہ آیا لیکن جب اس نے عمیر کو کال کی اور عمیر نے عائشہ کو برا بھلا سنا کر فون بند کر دیا اور عائشہ سے کہا کہ آج کے بعد وہ اس کو کبھی کال نہ کرے، پھر عائشہ کو اشمل کی باتوں پر یقین آ گیا، لیکن عمیر عائشہ کی زندگی میں آنے والا پہلا شخص تھا اس کی پہلی محبت تھا، اس لئے چاہ کر بھی عائشہ عمیر کو بھلا نہیں پائی تھی۔

''عورت کا یہی تو مسئلہ ہوتا ہے جس سے محبت کرتی ہے اس کی ہر نا انصافی، زیادتی، بے وفائی پہ خاموشی سے بس آنسو بہانے لگتی ہے، لیکن کبھی سوال نہیں کرتی، شکوہ نہیں کرتی، کبھی کوئی شکایت نہیں کرتی۔'' عائشہ کے دل نے چوٹ کھائی تھی، جس کا مرہم صرف وقت تھا۔

''لیکن محبت جیسے زخم کا نشان ہمیشہ باقی رہتا ہے، چاہے زخم بھر ہی کیوں نہ جائے۔''

اگلے روز وہ ہوٹل پہنچی تو عالیان معمول کے مطابق اپنی ڈیوٹی پر تھا، اشمل کو اسے ہوٹل میں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی، اس کو توقع نہیں تھی کہ کل والے واقعے کے بعد وہ دوبارہ آئے گا، لیکن وہ بنا وجہ کی بے عزتی کروانے کے بعد آج پھر ڈیوٹی پر موجود تھا، اشمل کو دیکھتے ہی عالیان نے سلام کیا تھا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا، آج عالیان کا لہجہ پہلے سے مختلف تھا، آج اس نے اشمل کو دیکھ کر سلام تو کر لی تھی، لیکن اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا جو اشمل کو عجیب لگا تھا، اس نے محسوس کیا تھا کہ آج وہ کچھ بدلا بدلا سا ہے، عالیان اگر کہیں اور جاب کر رہا ہوتا تو یقیناً اپنی بے عزتی کروانے کے بعد واپس نہ آتا، بلکہ جانے سے پہلے بے عزتی کروانے کی بجائے بے عزتی کر کے جاتا، لیکن یہاں تو دل کا معاملہ تھا، عالیان دل سے مجبور ہو کر یہاں آیا تھا، وقتی طور پر اشمل کی باتوں سے اس کو دکھ ہوا تھا کیونکہ اس کی نیت پہ شک کیا گیا تھا، لیکن بعد میں وہ نارمل ہو گیا تھا، اس کے لئے اتنا کافی تھا کہ وہ اشمل کے سامنے رہے، اس کو ایک نظر دیکھ سکے، اشمل کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا، اپنی بے عزتی کروا بھی سکتا تھا اور ضرورت پڑنے پہ کسی کی کر بھی سکتا تھا۔

''کیونکہ وہ اشمل علی سے محبت کر بیٹھا تھا، بے پناہ محبت۔''

ہاں عالیان کو اشمل علی سے ٹوٹ کر چاہنے والی محبت ہو گئی تھی اور جب محبت ہوتی ہے تو محبوب کے لب سے نکلا ہوا ہر لفظ بہت اہم لگتا ہے، بہت خاص لگتا ہے چاہے پھر وہ غصے میں کہا گیا ہو یا پیار میں۔

☆☆☆

''عالیان آئی ایم سوری۔'' عالیان جو اس

کے بلوانے پہ اس وقت اس کے آفس میں اشمل کے روبرو نظریں جھکائے کھڑا تھا، اس کے سوری کہنے پہ حیران ہوا تھا۔

"سوری؟" اشمل علی کے منہ سے سوری جیسا ورڈ اسے حیرت میں مبتلا کر چکا تھا اور وہ اسی حیرت کو چہرے پہ لئے اشمل کو دیکھ رہا تھا، جو اپنی نظریں ٹیبل پہ مرکوز کیے کھڑی سوری بول رہی تھی۔

"مجھے آپ کے ساتھ کل مس بی ہو نہیں کرنا چاہیے تھا، میں جانتی ہوں آپ کی کوئی غلطی نہیں تھی، میں نے یونہی آپ کو اتنا برا بھلا کہہ دیا۔"

عالیان خاموش کھڑا اشمل کو سن رہا تھا، اشمل کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا اور شرمندگی بھی۔

وہ ایسی ہی شخصیت کی مالک تھی کبھی سورج کی تپش سے بھی زیادہ گرم اور کبھی چاند کی ٹھنڈک سے زیادہ ٹھنڈی، غصہ کرتی تو بس ذرا ذرا سی بات پر برسنے لگتی اور جب احساس کرتی تو اپنی جان تک اگلے پروارنے کو راضی ہو جاتی۔

"اٹس اوکے میم! مجھے آپ کی کسی بات کا برا نہیں لگا، میں سمجھ سکتا ہوں، ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں کسی پہ بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن میم میں ایک بات ضرور کہنا چاہتا ہوں Five fingers are not equal جیسے پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں ویسے ہر انسان بھی ایک جیسا نہیں ہوتا، ہر شخص ایک الگ سوچ رکھتا ہے، الگ دل رکھتا ہے، میں نے کبھی کسی کے لئے برا سوچا ہے نہ ہی سوچ سکتا ہوں، کیونکہ میری تربیت ایسی نہیں کی گئی کہ میں کسی کی عزت پر بری نظر رکھوں، آپ کو مجھ پہ اعتماد ہے، تو میں یہاں رکوں گا ورنہ آپ چاہیں تو مجھے نکال سکتی ہیں۔" عالیان کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا جو اشمل کو اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔

ہاں وہ باتیں ہی ایسی کرتا تھا کہ اگلے کے دل میں گھر کر جاتیں، اشمل کی نظریں عالیان کے چہرے پہ مرکوز تھیں، جو نظریں جھکائے اشمل سے یہ سب کچھ کہہ رہا تھا، اشمل نے تین مہینوں میں ایک بات نوٹ کی تھی۔

عالیان نے کبھی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بات نہیں کی تھی، جب اشمل اس کی جانب دیکھ رہی ہوتی تو وہ اپنی نظریں جھکا لیتا، یا پھر عالیان اگر اشمل کو دیکھتا بھی تو تب جب اشمل کی نظریں کہیں اور کسی اور چیز پہ جمی ہوتیں۔

محبت میں عزت و احترام پہلی شرط ہوتی ہے اور عالیان اشمل کی عزت دل سے کرتا تھا۔

☆☆☆

آج نومبر کی پندرہ تاریخ تھی، صبح کے نو بج رہے تھے جب اس کی آنکھ کھلی اور اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑے گفٹ کو دیکھا، اس نے نیند سے بھری خمار آلود آنکھوں سے گفٹ پہ نظریں جمائے رکھیں اور پھر بال سمیٹتے اٹھ بیٹھی، اسے اچانک سے یاد آیا تھا پندرہ نومبر، یعنی آج اس کی سالگرہ تھی اور بلاشبہ یہ گفٹ اس کی امی کی طرف سے تھا، وہ ہی اشمل کو سب سے پہلے وش کرتی تھیں، اشمل نے گفٹ کھول کر دیکھا، اندر بہت خوبصورت ڈریس تھا، اس نے ڈریس وہیں بیڈ پر رکھ دیا اور اپنا سیل فون چیک کیا، سیل فون دیکھنے کے بعد چند لمحے وہ حیرت سے ساکت بیٹھی رہی۔

"ہیپی برتھ ڈے۔" میسج اسی انجان نمبر سے آیا تھا جو اکثر اشمل کو صرف میسج کرتا تھا اور اشمل کے کال کرنے پہ کال پک نہ کرتا، اشمل نے فوراً سے میسج ٹائپ کیا اور اس اجنبی کو سینڈ کر دیا۔

"تم ہو کون آخر؟ مجھے بتاتے ہو یا......"

اس سے آگے اس نے کچھ نہیں لکھا تھا، وہ پریشان

ہوئی تھی کہ اس انجان شخص کو اس کی سالگرہ کا کیسے پتا تھا۔

''آپ مجھے دھمکی دے کر ڈرانے کی کوشش کر رہی ہیں؟'' دوسری جانب سے فوراً جواب موصول ہوا تھا۔

''تم ڈر رہے ہو میری دھمکی سے؟'' اشمل نے پوچھا۔

''بالکل بھی نہیں۔'' جواب بالکل سیدھا سیدھا سادہ دیا گیا تھا لیکن اشمل اس کے جواب پہ جل کر رہ گئی تھی، وہ بیڈ سے اتری اور شاور لینے کے لئے واش روم میں چلی گئی، آدھے گھنٹے میں ریڈی ہو کر وہ امی کے پاس چلی آئی جو اس کو دیکھتے ہی اس کی جانب بڑھی تھیں اور اشمل کو پیار سے گلے لگاتے ہوئے ڈھیروں دعاؤں سے نوازنے لگیں، لینڈ لائن پہ آئی کال نے دونوں ماں بیٹی کو اپنی جانب متوجہ کیا، اشمل نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا، اس کی بڑی بہن عمارہ کی کال تھی، عمارہ نے اشمل کو وش کیا اور ساتھ ہی ساتھ ایک گڈ نیوز بھی دی کہ اگلے مہینے وہ تین ماہ کے لئے پاکستان آ رہی ہے، اشمل کی خوشی کی انتہا قابل دید تھی۔

دونوں بہنوں میں بہت محبت تھی، عمارہ کی شادی کے بعد بھی دونوں بہنوں کی محبت میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی، عمارہ سے بات کرنے کے بعد اشمل نے فون امی کو تھما دیا اور خود ایک گلاس جوس لے کر ہوٹل کے لئے روانہ ہو گئی، ناشتہ نہ کرنا تو اس کی بچپن کی بری عادت تھی، جس پہ ہمیشہ وہ امو سے ڈانٹ کھاتی تھی۔

☆☆☆

اشمل ہوٹل کی لابی میں پہنچی تو عائشہ کی کال آئی، عائشہ نے بھی اس کو وش کیا، برتھ ڈے وش کرنے کے بعد ایک گڈ نیوز سنائی کہ وہ بہت جلد خالہ بننے والی ہے، آج اشمل کو ایک کے بعد ایک اچھی خبر سننے کو مل رہی تھی، اس نے آفس کا دروازہ کھولا اور اندر انٹر ہوتے ہی کچھ لمحوں کے لئے ساکت کھڑی رہ گئی، آفس کے چاروں کونوں میں گلاب کے پھولوں کے بڑے بڑے بکے موجود تھے، وہ قدم بڑھاتی ہوئی ٹیبل تک پہنچی جس پہ ایک گفٹ موجود تھا، گفٹ کے ساتھ ایک کارڈ بھی موجود تھا، برتھ ڈے کارڈ، اس نے کارڈ کھول کر دیکھا، اوپر صرف اشمل کا نام لکھا تھا، بھیجنے والے نے اپنا نام پتہ کچھ بھی ظاہر نہیں کیا تھا، ہوٹل میں تو کسی کو بھی اس کی سالگرہ کی خبر نہیں تھی، تو پھر آج یہ سب کس نے کیا تھا؟ اشمل نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر اچانک سے میسج ٹون نے اس کی سوچ کے تسلسل کو توڑا۔

''کیسا لگا میرا سرپرائز؟'' اشمل کو میسج پڑھ کر ایک بار پھر سے حیرت ہوئی تھی، لیکن اب یہ حیرت پریشانی میں تبدیل ہونے لگی تھی، کہ آخر کون ہو سکتا ہے جو اس کے اتنا کلوز ہے اس کے ہر دن، ہر لمحے، ہر خوشی، سے باخبر ہے، وہ اپنی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی جب دروازے پر دستک دیتا عالیان اندر داخل ہوا تھا، اس نے سلام کے بعد ایک نظر آفس میں بڑے گلابوں کے بکے پر ڈالی تھی اور پھر سامنے ٹیبل پہ رکھے گفٹ پر۔

''واؤ بیوٹی فل۔'' عالیان نے پھولوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آج کچھ خاص دن ہے کیا؟'' عالیان کے سوال پہ اشمل چونکی تھی لیکن عالیان کے سوال کا جواب نہیں دے پائی تھی۔

''کیا ہوا میم؟'' عالیان نے اس کو خاموش کھڑا دیکھ کر فکرمندی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں، کیا آپ جانتے ہیں عالیان کہ

یہ سب کس نے......؟'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی عالیان بول پڑا۔
''نہیں تو...... میں تو آج ہوٹل لیٹ پہنچا، ابھی پانچ منٹ پہلے، میری گاڑی راستے میں خراب ہوگئی تھی اس لئے، اس لئے میں نہیں جانتا یہ سب کس نے کیا۔'' عالیان نے اپنے لیٹ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا، عالیان کے بعد اس نے ہوٹلز کے تمام ورکر کو پوچھا تھا کہ کوئی میری غیر موجودگی میں میرے کیبن میں آیا تھا کیا، سب کا جواب نفی میں تھا۔
اشمل نے اسی اجنبی کا نمبر ڈائل کیا، بیل مسلسل جارہی تھی، لیکن کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا، دو تین بار کی کوشش کے بعد اشمل نے میسج سینڈ کیا۔
''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں؟'' دوسری جانب سے کوئی جواب موصول نہ ہوا تو اشمل نے ایک اور میسج سینڈ کیا۔
''میں نے کہا کہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔'' اب کی بار جواب فوراً سے آیا تھا۔
''ارے واہ جنم دن آپ کا ہے اور مل کر آپ مجھے اتنا بڑا تحفہ دینا چاہتی ہیں، آپ کی ملاقات، آپ کا وقت میرے لئے بے حد اہم ہو گا۔'' اشمل اس کا میسج پڑھ کر اب زچ ہوگئی تھی۔
''کس قدر ڈھیٹ انسان ہے؟'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا، اشمل نے ملاقات کے لئے جگہ منتخب کر کے اس کو میسج سینڈ کر دیا۔
شام پانچ بجے آج وہ اس اجنبی سے ملنے والی تھی، اشمل کا تجسس بڑھتا جارہا تھا، آخر کون ہوسکتا ہے؟ ایک بار پھر اشمل نے سوچتے سوچتے گلاب کی کلی کو ہاتھوں میں تھام لیا۔

☆☆☆

اس نے عالیان کو اپنے آفس میں بلایا تھا، لیکن دس منٹ گزر جانے کے بعد وہ نہ آیا تو اشمل خود ہی اس کے پاس چلی آئی، وہ کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا اس لئے اشمل کو نہ دیکھ سکا، اشمل نے آگے بڑھ کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔
''میں بس آنے ہی لگا تھا کہ۔'' وہ مزید اپنی صفائی پیش کرتا کہ اشمل خود ہی بول پڑی۔
''اٹس اوکے، مجھے کوئی ضروری کام ہے میں باہر جارہی ہوں، اگر کوئی مسئلہ ہو تو مجھے کال کر لینا۔''
''اوکے میم!'' عالیان نے مؤدب انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا، وہ عالیان کو انفارم کر کے وہاں سے چلی آئی اور عالیان ایک دلفریب مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے اس کو جاتا دیکھتا رہا، تب تک جب تک وہ اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوگئی۔

☆☆☆

یہ کیفے پہاڑ کی بلندی پہ ٹینٹ کے ذریعے بنایا گیا تھا، جہاں سیر و سیاحت والے لوگ بھی کافی تعداد میں موجود تھے، پہاڑوں سے بہتے آبشار منظر کو اور زیادہ دلفریب بنا رہے تھے، پانی پہاڑ سے بہت تیز رفتار میں بہہ کر نیچے گر رہا تھا اور اس شفاف پانی کا شور اسے آس پاس کے ماحول سے بے خبر کر رہا تھا، اشمل کی نظروں کو صرف اسی اجنبی شخص کی تلاش تھی جس کو وہ یہاں ملنے آئی تھی، وارن کرنے آئی تھی کہ اس سے دور ہی رہے تو اس کے لئے اچھا ہوگا، لیکن وہ اس اجنبی کو پہچانے گی کیسے؟ اچانک سے اشمل کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا۔
اشمل نے سیل فون بیگ سے نکال کر میسج ٹائپ کیا، اس کا نام پوچھا اس نے جواب نہیں دیا، دوسرے میسج میں اشمل نے اس سے اس کی

ڈریسنگ پوچھی، اس اجنبی نے پھر کوئی جواب نہ دیا تو تیسرے میسج میں اشمل نے صاف صاف لکھ کر بھیجا، میں تمہیں پہچانوں گی کیسے؟

اب کی بار جواب فوراً سے موصول ہوا تھا، اشمل نے جلدی سے میسج پڑھا۔

''اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر مجھے تلاشنا تمہاری آنکھیں خود ہی مجھے پہچان لیں گی۔'' اشمل نے اپنا سر تھام لیا تھا، اس نے ایک کافی کا آرڈر دیا، اب وہ انتظار کرتے کرتے تھکنے لگی تھی، اشمل نے اس کو کال کی اس اجنبی شخص نے نہیں پک کی، وہ غصے میں واپس جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی، ٹیبل سے اشمل نے اپنا سیل اور بیگ اٹھایا اور واپس کی جانب قدم بڑھائے، اس کو کسی نے پیچھے مخاطب کیا تو اشمل نے اپنے عقب میں کھڑے شخص کو دیکھا۔

''ایکسیوزمی میم! یہ آپ کے لئے۔'' ایک ویٹر ہاتھ میں گلابوں کا بکے تھامے کھڑا تھا، اشمل نے ایک نظر بکے کو دیکھا اور پھر ویٹر کو۔

''کس نے بھیجا؟'' اشمل نے ویٹر سے بکے لیتے ہوئے پوچھا۔

''وہ صاحب نے۔'' ویٹر نے ہاتھ کی انگلی سے پہاڑ سے نیچے کی طرف جاتے راستے پر ایک شخص کی طرف اشارہ کیا۔

اشمل جلدی سے اس شخص کے پیچھے دوڑی تھی، لیکن وہ اشمل سے کافی دور تھا، اشمل نے اپنے قدموں کی رفتار کو مزید تیز کیا، لیکن اونچے نیچے، پتھریلے راستے پر چلتی اشمل کئی بار گرتی گرتی سنبھلی تھی، اس کا سیل فون ہاتھ سے پھسل کر نیچے گر گیا، وہ سیل اٹھانے کے لئے جھکی اور اس سے پہلے وہ اس تک پہنچتی وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا، وہ اس کے سیل فون زمین سے اٹھانے تک اس کی نظروں سے اوجھل بھی ہو گیا، وہ پہاڑوں میں کہیں چھپ گیا تھا۔

اشمل کی نظروں نے اس کو ڈھونڈا، بہت زیادہ ڈھونڈا لیکن وہ نظر نہیں آیا، وہ کہیں بھی نظر نہیں آیا، وہ اجنبی جو بھی تھا بہر حال کوئی عام شخص نہیں تھا، وہ عام شخص ہو ہی نہیں سکتا تھا جو اشمل علی کو پاگلوں کی طرح اپنے پیچھے بھگا رہا تھا، جو اشمل علی کے ساتھ بلی چوہے کا کھیل کھیل رہا تھا وہ قطعی عام نہیں ہو سکتا تھا۔

اشمل کی حیرت، پریشانی میں، پریشانی سے غصے میں، غصے سے اب تجسس اور تجسس سے بے چینی میں تبدیل ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

اشمل جب گھر لوٹی تو ماموں، ممانی اور سلمان آئے ہوئے تھے، اس نے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے ہی سب کو سلام کیا تھا اور آگے بڑھ کر ماموں ممانی سے پیار لیا، سلمان نے کھڑے ہو کر اس کو برتھ ڈے وش کیا، سلمان جن آنکھوں سے اس کو دیکھتا تھا اشمل کا دل جل جل کر رہ جاتا، اس نے ناگواری سے سلمان کو اگنور کرتے ہوئے ماموں، ممانی کی طرف رخ کیا، اشمل کے آنے سے پہلے ہی امی نے سارا انتظام کر رکھا تھا، رات کے نو بج چکے تھے وہ ریڈی ہو کر نیچے آئی جہاں سب اس کی برتھ ڈے سیلبریٹ کرنے کو تیار بیٹھے تھے، ایک بار پھر سب نے اشمل کو وش کیا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر کیک کاٹا، سب سے پہلے اس نے امی کو کیک کھلایا تھا، پھر ماموں کو اور ممانی کو، سلمان بیچارہ مسکینوں جیسی شکل بنائے کھڑا بس دیکھتا ہی رہ گیا سب اس کے لئے تحائف لائے تھے، سب نے تحفے دینے کے بعد کھانا کھایا اور پھر کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔

وہ اپنا چائے کا مگ تھامے باہر لان میں چلی

آئی جہاں رات کی چاندنی لان کو اپنی روشنی سے خوبصورت سے بے حد خوبصورت بنا رہی تھی، ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا سے موسم کافی خوشگوار ہو رہا تھا۔
سلمان بھی لان میں موجود تھا، شاید وہ کسی کی کال سننے کے لئے باہر لان میں آیا تھا، وہ اندر واپس جانے لگا تو اشمل کی آواز پر رک گیا۔
''سلمان رکو ذرا۔'' سلمان نے سوالیہ نظروں سے اشمل کی جانب دیکھا۔
''یہ کیا تم میرے ساتھ بلی چوہے کا کھیل کھیل رہے ہو؟'' اشمل کے لہجے میں سختی کی لہر دوڑی تھی، سلمان نے نہ سمجھی والے انداز میں بغور اشمل کو گھورا اور پھر ہاتھ میں تھامے ہوئے مگ سے ایک گھونٹ چائے کا لیا اور چند ثانیے بعد جواب دیتے ہوئے بولا۔
''کیا مطلب؟''
''مطلب تو تم اچھی طرح جانتے ہو بس معصوم بننے کی سعی میں لگے ہو۔'' اشمل نے ناگواری سے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''کیا بات ہے صاف صاف بتاؤ؟'' سلمان نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔
''تم نے مجھے ملنے کے لئے بلایا آج اور خود تم وہاں آئے ہی نہیں۔'' اشمل نے بات کو ذرا اپنے انداز میں بیان کیا تھا کہ وہ بس اپنا شک دور کر سکے۔
''میں نے ملنے کے لئے بلایا تھا؟'' سلمان نے مسکراتے ہوئے حیرت سے پوچھا تھا۔
''میں پاگل ہوں جو تمہیں بلاؤں گا اور خود نہیں آؤں گا؟ میں تو آج سارا وقت ابو کے ساتھ آفس میں تھا، اس کے بعد ان کے ساتھ ہی واپس گھر گیا اور پھر شام کو ہم سب یہاں آ گئے، تو میں تمہیں باہر کیوں بلاؤں گا؟'' سلمان کے چہرے پہ سنجیدگی صاف نمایاں تھی، اشمل سمجھ گئی تھی وہ سچ کہہ رہا ہے۔
اشمل نے ایک نظر سلمان کو دیکھا اور پھر بنا کچھ کہے واپس ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی، سلمان نے بھی مزید اس سے کوئی بات نہیں کی اور خاموشی سے اس کے پیچھے اندر چلا آیا۔

☆☆☆

آسمان پہ گھٹائیں چھائیں تھیں اور کچھ ہی لمحوں میں تیز آندھی کے ساتھ بارش بھی برسنے لگی، اس نے آفس کے گلاس وال سے پردے ہٹا کر باہر کا موسم دیکھا، جب اچانک سے بادل گرجے اور اس کا پورا وجود خوف سے کانپ اٹھا تھا، وہ بچپن سے ہی بادل گرجنے کی آواز سے ڈرتی تھی، اشمل کو بارش پسند تو تھی لیکن بس دیکھنے کی حد تک، دور سے آسمان سے گرتے بارش کے قطروں کو دیکھ کر وہ خوش ہوتی تھی لیکن بارش میں بھیگنا اس کو بالکل پسند نہیں تھا۔
اشمل کافی دیر سے موسم کچھ بہتر ہونے کا انتظار کر رہی تھی لیکن بارش تھی کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی، اس کی گاڑی بھی خراب ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ اب تک گھر نہیں جا سکی تھی، وہ ٹیبل سے فائل اٹھا کر دیکھنے لگی جب عالیان دروازے پر دستک دیتا اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔
''میم آپ اب تک گئی نہیں؟ موسم بھی کافی خراب ہے اور ٹائم بھی کافی ہو چکا ہے تو آپ چلی جاتیں، باقی سب کام میں دیکھ لوں گا۔'' عالیان نے فکرمندی سے کہا۔
''ہاں وہ میری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔'' اشمل نے اپنی نہ جانے کی وجہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔
''اوہ تو آپ میری گاڑی لے جائیں؟'' عالیان نے خوشدلی سے آفر دی تھی۔

''پھر آپ کیسے جائیں گے؟'' اشمل نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
''میں چلا جاؤں گا، آپ میری فکر مت کریں۔'' عالیان نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''نہیں، اٹس اوکے، بارش رکے گی تو میں چلی جاؤں گی۔''
''اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں؟'' اب کی بار کی جانے والی آفر اشمل نے قبول کر لی تھی، عالیان دل ہی دل میں خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔
بارش اب تک مسلسل ہو رہی تھی، عالیان بہت احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا اور اشمل اپنے موبائل کے ساتھ مصروف تھی، جب اشمل کی نظروں سے اسی اجنبی شخص کا نمبر گزرا، آج پانچ دن ہو چکے تھے اس اجنبی کا کوئی میسج آیا تھا اور نہ ہی کوئی فون کال اور نہ ہی اشمل نے کوشش کی تھی اس سے رابطہ کرنے کی لیکن اس وقت بیٹھے بٹھائے اشمل کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے ایک خالی میسج اس اجنبی کو سینڈ کر دیا، گاڑی میں میسج ٹون کی آواز گونجی تھی، اشمل نے ایک نظر گاڑی چلاتے عالیان پہ ڈالی تھی، اشمل نے دوبارہ سے ایک خالی میسج اسی اجنبی کے نمبر پہ سینڈ کیا اور پھر سے گاڑی میں میسج ٹون کی آواز گونجی تھی، اشمل نے جلدی سے اس نمبر پہ کال کی، رنگ ٹون کی آواز بھی گاڑی میں سے ہی آ رہی تھی، عالیان نے اپنا موبائل پکڑ کر اک نظر دیکھا اور بمشکل گاڑی کو بریک لگاتے ہوئے ایک جھٹکے میں روکا تھا، اشمل کی نظریں عالیان کے چہرے پر جمی تھیں اور عالیان کی اپنے موبائل پر۔
آج عالیان کی چوری اشمل علی نے پکڑ لی تھی، وہ اشمل کی جانب دیکھ ہی نہیں رہا تھا جیسے وہ اس کو آنکھوں ہی آنکھوں سے کھا جائے گی، عالیان نے بنا اشمل کی جانب دیکھے بنا کچھ کہے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی اور اشمل کے گھر کے سامنے لا کھڑی کی، اشمل بنا کچھ کہے گاڑی سے اتر گئی، اس نے عالیان کو کچھ نہیں کہا تھا، اس نے عالیان سے کچھ نہیں کہا تھا اور یہ ہی بات عالیان کو پریشان کر گئی تھی، نہ اشمل نے کوئی سوال کیا تھا، نہ عالیان کو کچھ برا بھلا کہا تھا، جبکہ عالیان تو سمجھ رہا تھا وہ اس سے کہے گی گاڑی روکو اور مجھے یہیں اتار دو اور آج کے بعد تم مجھے اپنی شکل نہ دکھانا، لیکن اشمل نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کہا تھا، کیوں نہیں کہا تھا؟ یہ تو عالیان بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔
گھر پہنچ کر چینج کرنے کے بعد وہ امی کے کمرے میں چلی آئی وہ عشاء کی نماز ادا کر رہی تھیں، اشمل وہیں صوفے پر براجمان ہو گئی، وہ سامنے ٹیبل پہ پڑے مچھلی کے جار کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی، جس میں دو مچھلیاں تھیں، وہ جار میں کبھی پانی کے اوپر آتیں اور کبھی نیچے پانی کے جاتیں تو کبھی یونہی گول چکر کاٹنے لگتیں، اشمل بڑے غور سے ان کا یہ کھیل دیکھ رہی تھی، جب امی نے سلام پھیرنے کے بعد اس کو مخاطب کیا۔
''آ گئی بیٹا، چلو کھانا کھا لو اب۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''نہیں میں کھا کر آئی ہوں۔'' اشمل نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا تھا۔
''اچھا پھر میں دعا مانگ لوں تو ایک ساتھ چائے پیتے ہیں۔'' امی نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔
''چلیں میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ کچن میں چلی آئی، امی اور اپنے لئے چائے بنانے لگی، کچن کی ایک کھڑکی باہر پہاڑوں کی جانب کھلتی تھی، اس نے کھڑکی کھول کر باہر کا منظر

دیکھا۔
اندھیروں میں چھپے پہاڑ کہیں کھو سے گئے تھے، بارش ابھی بھی جاری تھی، اس نے اپنا موبائل شیلف سے اٹھا کر ٹائم دیکھا، رات کے نو بج چکے تھے، سیل واپس شیلف پہ رکھنے کے بعد وہ چائے کی جانب متوجہ ہوئی، اشمل کا ذہن ابھی بھی عالیان پہ اٹکا تھا، اس کو بالکل بھی شک نہیں تھا کہ وہ اجنبی کوئی اور نہیں عالیان ہوگا، وہ اس کے اتنے قریب تھا لیکن پھر بھی وہ پاگلوں کی طرح اس اجنبی کو تلاش کرتی رہی۔

اشمل کو عالیان سے ایسی توقع ہرگز نہیں تھی، وہ عالیان کو ایک اچھا اور شریف لڑکا سمجھتی تھی، لیکن عالیان نے بھی اس کو سب لڑکوں کی طرح مایوس کیا تھا، وہ عالیان کو اس وقت بہت کچھ سنانا چاہتی تھی، اس کو بتانا چاہتی تھی کہ اس میں اور دوسرے لڑکوں میں کوئی فرق نہیں، وہ بھی سب لڑکوں کی طرح ہیں جو لڑکی کے پیچھے پاگل ہو جاتے ہیں۔

لیکن اشمل اس کو کچھ نہیں کہہ پائی تھی، کچھ بھی نہیں چاہتے ہوئے بھی اس کے لفظوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا تھا اور چپ چاپ وہ گاڑی سے اتر گئی تھی، آخر کیوں وہ خاموش رہی تھی۔

☆☆☆

اگلے روز معمول کے مطابق وہ ہوٹل چلی آئی، اپنے آفس میں آتے ہی اس نے ٹیبل پر ایک خط پڑا دیکھا اس نے وہ لیٹر کھول کر دیکھا اور چند لمحے ساکت کھڑی اس لیٹر کو بغور دیکھتی رہی، عالیان اپنی جاب ریزائن کر چکا تھا، ریزائن لیٹر کے ساتھ ایک اور لیٹر بھی لفافے میں موجود تھا، اس نے وہ پڑھنا شروع کیا۔

''اشمل میں جانتا ہوں میں نے جو کیا وہ آپ کو بہت برا لگا ہوگا، میں جانتا ہوں آپ مجھ پہ یقین نہیں کریں گی لیکن پھر بھی اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، اشمل میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں، آپ میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری عورت ہیں، میں نے آپ کو پہلی بار دیکھتے ہی پسند کر لیا تھا، میں نے جاب بھی صرف آپ کے قریب رہنے کے لئے کی، میں اپنی فیملی کے ساتھ آپ کے ہوٹل میں آیا کرتا تھا، آپ کو دیکھنے کے بعد میں روز آنے لگا، لیکن آپ نے کبھی توجہ ہی نہیں دی تھی، میں نے ہمیشہ ایک ایسی لڑکی تلاش کرنی چاہی تھی جو بہت پر اعتماد ہو جو آج کل کی لڑکیوں سے بالکل مختلف ہو جسے اچھے جوتے، اچھے کپڑوں، اچھی جیولری سے زیادہ اپنی عزت کی فکر ہو جس کو دنیا کے بناؤ سنگھار کی ضرورت ہی نہ پڑے اللہ کی قدرت نے ہی اس کو ایسا حسن بخشا ہو، جس کی سادگی ہی اس کا فیشن ہو، جس کا اچھا کردار ہی اس کی ساری دولت ہو، اشمل یہ سب کچھ میں آپ میں ابزرو کر چکا ہوں، محسوس کر چکا ہوں، یہ سب میں آپ کو متاثر کرنے کے لئے ہرگز نہیں کہہ رہا یہ سب میں اپنے دل کی باتیں بتا رہا ہوں، میں جانتا تھا آپ مجھے جاب سے نکال دیں گی، اس لئے میں خود ہی ریزائن کر رہا ہوں، ہو سکے تو مجھ سے اگر محبت نہ کر سکیں تو نفرت بھی نہ کریئے گا، ایک بار پھر آپ سے معافی مانگ رہا ہوں، پلیز مجھے غلط مت سمجھئے گا اور معاف کر دیجئے گا، میرا طریقہ غلط ہو سکتا ہے لیکن میری نیت بالکل غلط نہیں تھی، میرے جذبے آپ کے لئے بالکل سچے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے اللہ حافظ۔''

اشمل نے لیٹر واپس ٹیبل پر رکھ دیا اور غائب دماغی سے آفس میں پڑی چیزوں پہ نظر دوڑانے لگی، وہ اب بھی خاموش تھی، پچھلی رات کی طرح بالکل خاموش، اشمل علی جس کی زبان

چھری سے بھی زیادہ تیز تھی، وہ بالآخر اب تک خاموش کیوں تھی؟

☆☆☆

عمارہ جو کے کچھ دنوں بعد پاکستان آنے والی تھی، آج اچانک بنا اطلاع دیئے آکر اس نے امی اور اشمل کو سرپرائز دیا تھا، امی عمارہ کو دیکھ کر بہت خوش تھیں، ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو امڈ آئے تھے اور انہوں نے اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے اپنی تین سال کی نواسی فجر کو گود میں لے لیا اور خوب لاڈ کرنے لگیں، عمارہ اپنے شوہر اویس کے ہمراہ تین ماہ کے لئے پاکستان آئی تھی، اویس چونکہ اپنی فیملی کے ساتھ باہر شفٹ ہو چکا تھا اس لئے ہر سال بعد پاکستان کا چکر ضرور لگتا۔

اشمل کچن میں خانساماں کے ساتھ سب کے لئے کھانا بنانے میں مصروف تھی، اس نے آج ساری ڈشیز عمارہ آپی اور اویس بھائی کی پسند کی بنائی تھیں، اشمل عمارہ کے آنے سے بہت خوش تھی اور اس کی آدھی ذہنی پریشانی دور ہو گئی تھی جو کہ عالیان کو سوچ سوچ کر اشمل نے لے رکھی تھی۔

اگلے روز وہ صبح ہوٹل کے لئے تیار ہو رہی تھی جب عمارہ اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''ارے آپی اتنی جلدی جاگ گئیں؟'' اشمل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں وہ فجر اکثر صبح جلدی اٹھ جاتی ہے تو میں بھی اسی کے ساتھ پھر اٹھ جاتی ہوں۔''

''اچھا تو کہاں ہے فجر؟'' اشمل نے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بناتے ہوئے پوچھا۔

''امی کے پاس ہے ان کے کمرے میں۔''

''اشمل تم کتنی ذمہ دار ہو گئی ہو نا۔'' عمارہ نے بغور اشمل کو دیکھتے ہوئے کہا، اشمل نے مسکرا کر عمارہ کی جانب دیکھا۔

''تو اچھی بات ہے نا آپی، اگر میں ذمہ دار ہو گئی ہوں، ویسے بھی جب میں لاپرواہ تھی تب مجھے سب لاپروا ہی کے طعنے دیتے تھے، اب ذمے دار ہو گئی ہوں تو سب کو یہ بھی گوارہ نہیں، اف میں بیچاری۔'' اشمل نے شرارتاً ایسا کہا تو عمارہ اس کی بات پہ مسکرا دی۔

لیکن عمارہ کو کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا، اشمل ہنس بھی رہی تھی بول بھی رہی تھی اور ہر کام میں دلچسپی بھی ظاہر کر رہی تھی، لیکن پھر بھی عمارہ کو کچھ ایسا محسوس ہوا تھا جو اشمل میں تبدیل تھا، آخر وہ اشمل کی بڑی بہن ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی بیسٹ فرینڈ بھی تھی، بچپن سے ہی وہ دونوں بہنیں آپس میں بہت کلوز تھیں، اس لئے عمارہ نے اس کی ہنسی کے پیچھے چھپی پریشانی کو بھی محسوس کر لیا تھا، بس اب اشمل سے اس کی پریشانی کی وجہ پوچھنا باقی تھی جو وہ ابھی پوچھنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ اس بات کے انتظار میں تھی اگر کوئی زیادہ پریشانی والی بات ہوئی تو اشمل اس کے بنا پوچھے خود ہی شیئر کر لے گی، اس لئے فی الحال عمارہ خاموش ہی رہی۔

☆☆☆

عالیان کو ہوٹل سے گئے آج تین دن ہو چکے تھے، اشمل کے سر پہ کام کا بوجھ پہلے کی نسبت کافی بڑھ گیا تھا، اس نے ایک دو لوگوں کو عالیان کی جگہ ہائیر کرنے کے لئے انٹرویو کے لئے بھی بلایا تھا لیکن وہ ان میں سے کسی بھی شخص سے مطمئن نہیں ہو سکی تھی، اسے عالیان کی کمی کا شدت سے اندازہ اب ہو رہا تھا جب اس کو اتنا زیادہ کام کرنا پڑ رہا تھا، عالیان نے جتنا بھی وقت

ہوٹل میں گزارا تھا اپنی ذمے داری کو دل سے اور پوری ایمانداری کے ساتھ نبھایا تھا، عالیان نے کبھی اشمل کو کسی بھی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا، کبھی کبھی جب وہ کام کرتے کرتے تھک جاتی اور سب کچھ اس کی سمجھ سے باہر ہو جاتا تو عالیان کو واپس جاب جوائن کرنے کو کہنے کے لیے سوچتی، لیکن وہ سوچ بس سوچ تک ہی محدود رہتی اس سوچ پر وہ کبھی عمل نہیں کر پائی تھی۔

عالیان نے جب سے اس خط میں اپنے دل کا حال بیان کیا تھا اس وقت سے وہ اشمل کے دل و دماغ میں گھر کیے بیٹھا تھا، ایسا نہیں تھا کہ پہلی بار اشمل کو کسی نے پرپوز کیا تھا، عالیان نے پہلے بھی بہت سے لوگ اس کو پرپوزل بھجوا چکے تھے، جن کو وہ بنا دیکھے بنا پرکھے بنا سوچے سمجھے ریجیکٹ کر چکی تھی۔

لیکن عالیان وہ پہلا مرد تھا جس کا پرپوزل اگر اس نے قبول نہیں کیا تھا تو اب تک رد بھی نہیں کیا تھا، عالیان وہ پہلا شخص تھا جس کی باتوں نے اشمل کے دل میں کچھ چھیڑ چھاڑ کی تھی اور اشمل علی کے دل میں چھیڑ کرنے والا شخص بھلاں کیسے کوئی معمولی شخص ہو سکتا تھا، وہ خاص تھا بلاشبہ وہ خاص تھا کیونکہ اشمل علی اس کو سوچنے لگی تھی، ممکن ہے کہ چاہنے بھی لگے۔

سب لوگ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے جب اشمل نے آگے بڑھ کر سب کو سلام کیا۔

''اچھا ہوا تم آ گئی، ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔'' اویس بھائی نے خوشگوار موڈ میں کہا تھا۔

''اچھا جی خیریت؟'' اشمل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہم سوچ رہے ہیں کیوں نہ کہیں گھومنے چلیں؟'' عمارہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں اور میں تو جگہ کا بھی انتخاب کر چکا ہوں، کاغان، ناران والی سائیڈ پہ چلیں گے کتنا عرصہ ہو گیا ہے گئے۔'' اویس بھائی نے پرجوش انداز میں بتاتے ہوئے کہا۔

''تم کیا کہتی ہو؟'' عمارہ نے اشمل کی رائے جاننا چاہی تھی۔

''میں تو نہیں جا سکتی آپی، آپ جانتی ہیں کہ ہوٹل میں ہی آج کل کتنا کام ہے اور امی کے پاس بھی کوئی نہیں ہوگا تو ان کو اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں؟'' اشمل نے معذرت کرتے ہوئے انداز میں جانے سے انکار کیا تھا۔

''ارے ہوٹل سے تو ایک ہفتے کی چھٹی مار دو نہ اور امی کی تم فکر نہ کرو، امی کو ہم ماموں کے پاس چھوڑ کر جائیں گے اور اس سلسلے میں ہم پہلے ہی امی سے بات کر چکے ہیں۔'' عمارہ نے ہنستے ہوئے کہا تو پھر اشمل انکار نہیں کر سکتی تھی، اب کی بار نہ چاہتے ہوئے بھی ہامی بھر لی تھی، اس کا کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، بس اویس بھائی اور عمارہ آپی کی خوشی کی خاطر وہ راضی ہوئی تھی، اشمل کے دل کو آخر ہو کیا گیا تھا، شاید اس کے دل کو محبت ہو گئی تھی، یا پھر بہت جلد ہونے والی تھی۔

☆☆☆

اشمل اپنے کمرے میں بیٹھی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی جب اس کے سیل فون پہ رنگ ٹون کی آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا، اشمل نے کال اٹھائی تو عائشہ کی کال تھی۔

''تم تو عید کا چاند ہی ہو گئی ہو۔'' عائشہ نے ہلکا سا شکوہ کیا تھا۔

''نہ ملتی ہو نہ فون پہ بات کرتی ہو، کہاں گم ہو آج کل؟''

''کیا بتاؤں یار عائشہ بس آج کل بہت مصروف دن گزر رہے ہیں اور پھر آپی عمارہ بھی آئی ہوئی ہیں دوبئی سے تو اس لئے۔'' اشمل نے اپنی مصروفیت کی وجہ بتائی۔

''اور تم سناؤ کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ عثمان خیال رکھتا ہے نا؟'' اشمل نے فکر مند ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بہت خیال رکھتا ہے۔'' عائشہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

عائشہ کی شادی کے بعد پہلی بار اشمل عائشہ کے جواب سے مطمئن ہوئی تھی، ایسا جواب تو عائشہ پہلے بھی بہت دفعہ دے چکی تھی، لیکن اس بار اس کے انداز میں خوشی کی اک لہر دوڑی تھی، اس کے لہجے میں سکون تھا، عائشہ سنبھل چکی تھی اور اشمل کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی۔

''عثمان تم سے محبت کرتا ہے عائشہ؟'' اشمل نے سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

''وہ مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے اشمل۔'' اشمل کو اس کے اس جواب پر حیرت ہوئی تھی۔

یہی سوال اس نے چند روز پہلے جب عائشہ سے پوچھا تھا کہ عثمان تم سے محبت کرتا ہے، تمہارا خیال رکھتا ہے تو کیسے روکھے پن سے اس نے جواب دیا تھا، لیکن اس بار عائشہ کے لہجے میں کھنکتی خوشی صاف نمایاں تھی، وہ حالات کے ساتھ ساتھ دل سے بھی سمجھوتا کر چکی تھی، تو جس بے وفا کی خاطر وہ دن رات آنسو بہاتی تھی تو وہ اس کو بھول چکی تھی؟ اشمل کو یہ جان کر خوشی ہوئی تھی لیکن دوسری طرف اس کا دل بے چین بھی ہوا تھا، یہ سوچ کر کہ کیا جتنی جلدی محبت ہوتی ہے اتنی ہی جلدی بھول بھی جاتی ہے؟

نہیں...... ہرگز ایسا نہیں ہوتا، محبت نہیں بھولتی بلکہ کبھی بھی نہیں بھولتی۔

بس انسان اپنی محبت کے بغیر جینا سیکھ لیتا ہے، انسان اگر اپنی محبت کے بغیر مرتا نہیں تو سہی معنوں میں جینا بھی بھول جاتا ہے اپنی ہنسی میں سب غموں کو چھپا لیتا ہے کیونکہ دنیا رونے والوں کے ساتھ بمشکل ایک دن رو پاتی ہے اور ہنسنے والوں کا ساتھ تو کوئی بھی دے دیتا ہے اس لئے ہمیں ہنسنا پڑتا ہے دنیا والوں کی کڑوی باتوں سے بچنے کے لئے دنیا والوں کی نظروں سے بچنے کے لئے، کیونکہ غم میں کوئی زیادہ طاقت کا ساتھی نہیں بنتا، اپنے عزیز بھی نہیں۔

☆☆☆

کل صبح اس کو ایبٹ آباد سے ناران کے لئے روانہ ہونا تھا سب تیاریاں مکمل ہو چکیں تھیں، بس اب صبح کا انتظار تھا، امی کو شام میں ماموں آ کر لے گئے تھے، رات کے گیارہ بج رہے تھے جب اشمل عمارہ کے پاس اس کے کمرے میں چلی آئی، اویس بھائی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے کوئی مووی دیکھنے میں مصروف تھے اور عمارہ فجر کو سلانے کے بعد اب کچھ سامان بیگ میں پیک کر رہی تھی۔

''آپی!'' اشمل نے مدھم آواز میں اسے پکارا تھا، عمارہ نے اپنے عقب میں کھڑی اشمل کو دیکھا۔

''کیا کر رہی ہیں؟'' اشمل نے آگے بڑھتے ہوئے عمارہ سے پوچھا۔

''کچھ نہیں بس کچھ ضروری چیزیں فجر کی بیگ میں رکھ رہی تھی۔''

''تم بتاؤ کوئی کام تھا کیا؟'' عمارہ نے محبت سے پوچھا تھا۔

''نہیں کوئی کام نہیں بس یونہی پوچھ رہی تھی۔'' اشمل نے بیڈ پہ سوئی فجر کے بالوں کو پیار

سے سہلاتے ہوئے کہا۔

''تم کچھ کہنا چاہتی ہو اشمل؟'' عمارہ نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں کچھ بھی تو نہیں۔'' اشمل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جب سے میں آئی ہوں تم مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہو، تم پہلے والی اشمل لگ ہی نہیں رہی، کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ اشمل؟ ایسے دل میں رکھو گی تو زیادہ پریشانی ہو گی۔'' عمارہ نے محبت بھرے لہجے میں اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''آپی ایسا کچھ نہیں ہے، بس آج کل کام بہت ہوتا ہے تو تھک جاتی ہوں، جس کی وجہ سے نیند بھی پوری نہیں ہو پاتی اور طبیعت یوں بوجھل بوجھل سی رہتی ہے۔'' اشمل نے اچھا خاصا بہانہ تلاش کرتے ہوئے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا تھا۔

''اس لئے تو ہم تمہیں ضرور ساتھ لے کر جانا چاہتے ہیں فریش ہو جاؤ گی کچھ دن آؤٹنگ کرو گی تو۔'' عمارہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو اشمل بھی جبراً مسکرادی۔

''صبح جلدی نکلنا ہے تو اب تم جا کر آرام کرو، میں بھی سونے لگی ہوں۔'' عمارہ نے پیار سے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا تو اشمل بھی مزید کچھ بولے اپنے روم میں چلی آئی۔

☆☆☆

صبح کے چھ بج رہے تھے جب سورج کی چمکیلی کرنوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے صبح بخیر کہا تھا، عمارہ آپی اس کے کمرے کے پردے پیچھے ہٹاتے ہوئے اسے آواز لگانے لگیں۔

''اشمل اٹھو ہمیں نکلنا بھی ہے۔''

''جلدی سے ریڈی ہو جاؤ۔'' اشمل نے نیند سے خمار آنکھیں کھول کر عمارہ کی جانب دیکھا جو بالکل تیار کھڑی تھی۔

اشمل بھی بال سمیٹتی اٹھ کر بیڈ سے نیچے اتری اور اپنے کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی۔

کچھ ہی وقت میں وہ ریڈی ہو کر نیچے لاؤنج میں چلی آئی جہاں اویس بھائی فجر کو گود میں لئے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھامے بیٹھے فجر کو دودھ پلانے کی کوشش کر رہے تھے، فجر کو دودھ پلانا اتنا انتہائی مشکل تھا، اس کے ساتھ لاکھ زبردستی کر دی جاتی، یا پیار سے اس کو بہلایا جاتا لیکن وہ اس وقت تک کچھ نہ کھاتی پیتی جب تک اس کی اپنی مرضی نہ ہوتی، ابھی تین سال میں وہ اتنی موڈی تھی تو بڑے ہو کر مطلب وہ پوری اپنی خالہ پہ جانے والی تھی۔

اویس بھائی نے تھک ہار کر دودھ کا گلاس واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔

''سنبھالو بھئی اپنی بھانجی کو، تم پہ ہی گئی ہے نخریلی۔'' اویس بھائی نے مسکراتے ہوئے فجر کو اشمل کے حوالے کر دیا تھا، سب تیاریاں مکمل تھیں، اویس بھائی نے بیگز اٹھائے اور گاڑی کی ڈکی میں رکھے اور آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، عمارہ اویس کے ہمراہ فرنٹ سیٹ پر ہی بیٹھی جبکہ اشمل اور فجر دونوں پیچھے تھیں، اشمل کا فجر سے بہت لگاؤ تھا، فجر چاہے زیادہ وقت پاکستان میں نہیں گزارتی تھی لیکن انٹرنیٹ سے کی جانے والی ویڈیو کالز اور فجر کے پیدا ہونے کے بعد یہ دوسرا چکر تھا پاکستان کا، جس کی وجہ سے وہ اشمل کو اچھی طرح پہچانتی تھی اور اس سے بہت اٹیچ بھی تھی، ایبٹ آباد سے وہ اپنی منزل کی جانب روانہ ہو چکے تھے، چاروں اور سے پہاڑوں میں

گھرا یہ خوبصورت شہر ایبٹ آباد اپنی مثال آپ تھا، ایبٹ آباد کے گردونواح میں بہت سے ایسے مقامات بھی تھے جہاں ہر سال سینکڑوں لوگ سیرو تفریح کے لئے آتے تھے۔

اویس بہت احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا اور اویس عمارہ کی ہلکی پھلکی گفتگو بھی جاری تھی، جبکہ اشمل فجر کو گود میں لئے اسے باہر کے خوبصورت مناظر دکھانے میں مصروف تھی، اشمل جس پر جوش انداز سے اس کو بتاتی کہ وہ دیکھو فجر کتنے بڑے بڑے پہاڑ ہیں، آپ کی کنٹری میں بھی ہیں؟ ساتھ ہی وہ اس سے سوال کرتی تو وہ اپنی طوطلی زبان میں جواب دیتی تو اشمل کو پہلے سے بھی زیادہ فجر پر پیار آتا۔

''آنی بابا شے بولیں گالی (گاڑی) روکیں مجھے پہالوں (پہاڑوں) پہ جانا ہے۔'' وہ معصومیت سے کہتی اسے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''ابھی ہم کچھ دیر میں گاڑی روکیں گے پھر آپ کی بہت سی تصویریں بنائیں گے اور خوب ہلا گلا بھی کریں گے۔'' اشمل نے اس کو پیار سے کہا تو وہ پھر سے گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی اور اشمل پھر سے اپنے خیالوں میں کھونے لگی، کیا وہ کسی کی کمی کو محسوس کرنے لگی تھی؟ کیا وہ کسی کو یاد کرنے لگی تھی؟ ہاں شاید وہ کسی کو یاد کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

ایبٹ آباد سے بیس سے پچیس کلو میٹر کی دوری پر ''مانسہرہ'' کا شہر تھا جہاں سے ایک راستہ وادی کاغان کی طرف جاتا تھا، اویس بھائی نے مانسہرہ میں اسٹاپ کیا اور کھانے پینے کچھ اشیاء خریدیں اور پھر اپنی گاڑی انہوں نے اپنے ایک مانسہرہ کے ہی رہنے والے دوست کے ہاں پارک کی اور باقی کے سفر کے لئے جیپ کا انتظام کیا، آگے کے راستے کافی دشوار تھے۔

جیسے جیسے ان کی منزل قریب آ رہی تھی تو وہ پہلے کی نسبت زیادہ پرجوش دکھائی دے رہے تھے، روڈ کے ساتھ ساتھ بہتا دریائے کنہار یہاں کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہا تھا، بلاشبہ اللہ نے ہمارے ملک کو بہت حسن نوازا ہے، اب راستہ چونکہ پہلے سے بھی زیادہ دشوار تھا اس لئے عمارہ نے فجر کو اپنی گود میں مضبوطی سے تھام رکھا تھا، جبکہ اشمل یہاں کا ہر ہر منظر اپنے ہینڈی کیم میں قید کرتی چلی جا رہی تھی، اویس بھائی کی پوری توجہ اپنی ڈرائیونگ پر تھی۔

اشمل کا موڈ بھی اب کافی حد تک خوشگوار ہو چکا تھا، یہاں کے حسین اور دلفریب مناظر دیکھ کر تو کسی کا بھی موڈ اچھا ہو سکتا تھا، لیکن وہ نہیں جانتی تھی جس منزل پہ وہ رواں دواں ہے وہاں پھر سے اس کا سامنا اک ایسے شخص سے ہونے والا ہے کے اس کا خوشگوار موڈ پھر سے اداسی میں بدلنے والا ہے۔

☆☆☆

بالآخر راستے کی تمام تر دشواریوں کو کراس کرنے کے بعد اور خوبصورت مناظر کو انجوائے کرتے ہوئے وہ اپنی منزل پر آن پہنچے، ناران پہنچتے ہی اویس بھائی نے پہلی فرصت میں ہوٹل میں دو رومز بک کروائے، یہ ہوٹل جھیل سیف الملوک سے کچھ ہی دوری کے فاصلے پر تھا، فی الحال چونکہ اویس بھائی ڈرائیو کرتے کرتے تھک چکے تھے اس لئے انہوں نے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرنے کا سوچا۔

اویس اور عمارہ فجر کو اپنے ساتھ لئے روم میں چلے آئے جبکہ اشمل ابھی بھی اپنے روم کی چابی تھامے ہوٹل کے لابی میں کھڑی اردگرد کے

ماحول کو دیکھ رہی تھی، چند لمحوں بعد وہ بھی اپنے روم میں چلی آئی اور کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے کھڑکیوں کے پردے ہٹائے تھے، کھڑکی کے شیشے سے باہر نظر دوڑاتے ہوئے ان حسین وادیوں کا دیدار کرتے ہوئے کسی کا بھیجا ہوا شعر یاد آیا تھا، جو کسی نے صرف اور صرف اشمل علی کے لئے ہی لکھا تھا۔

وادی عشق کی اک پری نے
کر رکھا ہے دیوانہ مجھ کو

مطلب وہ ابھی بھی اس کو سوچ رہی تھی، بھلے اس کا موڈ فریش ہو گیا تھا، لیکن اشمل علی کی سوچ کا محور ابھی بھی عالیان ہی تھا، اس کے دل و دماغ ابھی بھی اسی شخص پہ اٹکے تھے۔

اب تو یقیناً وہ شخص خاص سے بہت خاص ہو چکا تھا، لیکن اشمل کیوں اب بھی اپنے آپ سے نظریں چرا رہی تھی؟ کیوں وہ اپنی فیلنگز کو اگنور کر رہی تھی۔

کیا اس کی انا آرے آ رہی تھی؟ یا پھر کچھ اور خیالات تھے کچھ اور وہم تھے جو اس کو ان سب جذبات سے دور ہی رکھنا چاہتے تھے، یہ تو صرف اشمل علی ہی بتا سکتی تھی یا پھر آنے والا وقت۔

☆☆☆

شام کے سات بج چکے تھے جب وہ عمارہ اور اویس کے ہمراہ باہر چلی آئی، یہاں نیٹ ورک کا کافی مسئلہ تھا اس لئے اب تک اس کی امی سے بات نہیں ہو پائی تھی۔

''صبح ہم جھیل سیف الملوک چلیں گے۔'' اویس بھائی نے کل کی پلاننگ سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو لاسٹ ٹائم بھی ہم کاغان سے ہی واپس چلے گئے تھے لیکن آپ مجھے جھیل دکھانے لائے۔'' عمارہ نے اویس سے گلہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تو اس بار تو پکا جائیں گے نا مائی ڈیئر۔'' اویس نے عمارہ کو یقین دہانی کرواتے ہوئے کہا، وہ دونوں میاں بیوی آپس میں گفتگو کر رہے تھے جبکہ اشمل فجر کو لئے ہوٹل کے لان میں کھڑی تھی، فجر اپنے بال کے ساتھ کھیل رہی تھی جب اس کا بال سلپ ہوتا کافی دور تک چلا گیا، فجر اپنے بال کے پیچھے بھاگ رہی تھی اور اشمل فجر کے پیچھے، اشمل بھاگتی بھاگتی ایک شخص سے ٹکرائی اور گرتی گرتی سنبھلی، اگر وہ شخص اشمل کو اپنی بانہوں کا سہارا دے کر بچا نہ لیتا، فجر بال پکڑے کھڑی مسکرا رہی تھی اور اشمل کسی برف کی چٹان کی طرح ٹھنڈی یخ جمی ہوئی اس شخص کو بنا پلک جھپکے دیکھتی اور بس دیکھتی ہی چلی گئی۔

☆☆☆

پہاڑوں کے دامن میں چھپی یہ انتہائی دلکش اور حسین جھیل سیف الملوک ہی تھی، جس کی تعریف کو اپنے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہو جاتا ہے، جھیل کے چاروں اور برف اور بادلوں سے ڈھکے پہاڑ، کہیں دھوپ اور کہیں بادلوں کا سایہ، ایک عجیب سا دھوپ چھاؤں کا امتزاج بن گیا تھا، اس خوبصورت جھیل پر اللہ کی قدرت کی جانب سے لمحہ لمحہ قطرہ قطرہ کرتا ہوا حسن پگھلتا ہی رہتا تھا اور سب لوگ اس کے پگھلتے حسن کے حصار میں آتے ہی جم جاتے، کتنے ہی لمحوں تک خاموش کھڑے بس رب کی اس نعمت کو دیکھتے ہی رہتے۔

''واؤ اٹس ریئلی بیوٹی فل۔'' عمارہ نے اپنے دونوں ہاتھ رخسار پہ رکھتے ہوئے حیرت انگیز انداز میں کہا۔

''اویس یہ ہمارے پاکستان کی خوبصورتی ہے؟ کتنا پیارا ملک ہے ہمارا۔'' وہ خوشی سے

جھومتے ہوئے بول رہی تھی، اویس فجر کو اٹھائے کھڑا عمارہ کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

''اویس ہم یہاں ہی اپنا گھر نہیں بنا سکتے؟'' عمارہ نے بہت ہی معصومیت سے پوچھا تھا کہ اویس بے اختیار قہقہہ لگاتا ہوا ہنس پڑا۔

''عمارہ اب بس کرو، یہاں گھر بنا دیا تو وہاں والے گھر کا کیا ہوگا جو تمہاری ہی فرمائش پہ دوبئی میں بنایا ہے؟'' اس لئے ایک بار پھر وہ جھیل کو دیوانہ کر دینے والے مناظر دیکھنے میں مصروف ہوگئی۔

جبکہ اشمل جھیل کے کنارے بیٹھی اپنی ہی سوچوں میں مگن تھی، وہ جھیل کے شفاف آسمانی رنگ کے پانی میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی، اسے اپنے عکس کے ساتھ ہی ساتھ کسی اور کا عکس بھی دکھائی دے رہا تھا، جس کو اس نے اپنا وہم سمجھتے ہوئے اگنور کر دیا تھا لیکن وہ وہم نہیں تھا حقیقت تھی۔

''ہیلو۔'' اشمل نے گردن موڑ کر اپنے عقب میں کھڑے اسی شخص کو دیکھا جس کا عکس اسے پانی میں دکھائی دے رہا تھا، وہ فوراً سے کھڑی ہوگئی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' حال انتہائی محبت بھرے انداز میں پوچھا گیا تھا، اشمل ٹکٹکی باندھے بنا کچھ کہے اس شخص کو دیکھ رہی تھی، وہ شخص کوئی اور نہیں تھا، عالیان تھا وہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا اس نے ایک مہینہ اور دس دن پہلے اس کو آخری بار دیکھا تھا، وہ بالکل نہیں بدلا تھا لیکن اس بار اشمل کی دیکھنے والی نظر وہ نہیں تھی، اشمل کا عالیان کو سوچنے کا انداز وہ نہیں تھا، سب سے اہم اشمل علی کا دل وہ نہیں تھا وہ بدل چکی تھی وہ بالکل بدل چکی تھی، وہ عالیان کو دیکھنا چاہتی تھی اور وہ اسی کو دیکھ بھی رہی تھی، بنا پلک جھپکے بنا کچھ کہے وہ عالیان کو بغور دیکھ رہی تھی، عالیان اشمل کے اس انداز سے تھوڑا گھبرا سا گیا تھا کہ شاید وہ اتنے لوگوں میں اس کی بے عزتی کرنے کے لئے لفظوں کا چناؤ کر رہی ہے اس لئے اتنی خاموش کھڑی اس کو گھور رہی ہے، لیکن اس نے عالیان سے کچھ بھی نہیں کہا تھا سوائے اس کے ''میں ٹھیک ہوں۔''

وہ تو سمجھا تھا کہ اشمل جواب ہی نہیں دینے والی لیکن اس کی سوچ غلط ثابت ہوئی تھی، اشمل نے جواب دیا تھا۔

''آپ کو مجھ پہ اب تک غصہ ہے میں جانتا ہوں، پلیز آپ کے دل میں جو بھی میرے لئے ہے آپ کہہ ڈالیں، میں چپ چاپ سننے کے لئے تیار ہوں۔''

''مجھے تم پر غصہ نہیں۔'' اشمل نے سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے کہا تو عالیان کو ایک بار پھر حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''کیوں؟'' عالیان نے مدھم آواز میں پوچھا۔

''کیوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔'' اشمل نے منہ موڑتے ہوئے کہا۔

''اور تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اب کی بار اشمل نے سوال کام کا پوچھا تھا۔

''آپ سے بات بھی کر رہا ہوں اور آپ کو دیکھ بھی رہا ہوں۔'' ایک ماہ دس دن بعد عالیان نے ایک ماہ اور دس دن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میرا مطلب تم یہاں ناران میں کیا کر رہے ہو؟'' اشمل نے واپس عالیان کی طرف چہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''جو آپ کر رہی ہیں۔'' عالیان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں کیا کر رہی ہوں؟'' اشمل نے اپنی بھنوؤں کو اچکاتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا۔

''مجھے اگنور۔'' عالیان نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا تھا۔
وہ خاص شخص تھا جو ذہین بھی تھا، وہ جانتا تھا اشمل کے دل میں اس کے لئے کچھ تو ضرور چل رہا ہے۔
''میں تمہیں اگنور کیوں کروں گی؟'' اشمل نے سنجیدگی سے کہا تھا۔
''کیونکہ آپ دل کی نہیں دماغ کی سن رہی ہیں۔'' عالیان نے جھیل کے بہانے اشمل کی تصویر بناتے ہوئے جواب دیا۔
''میں دل کی سن کر ان بے وقوف لوگوں میں شامل نہیں ہونا چاہتی جو بعد میں اپنے دل سے کیے جانے والے فیصلوں پر پچھتاتے ہیں اور پھر ساری زندگی آنسو بہاتے رہتے ہیں۔''
اشمل کے دل کے خدشات زبان پر چلے آئے تھے، وہ دونوں آپس میں محو گفتگو تھے جب عمارہ آپی فجر کو اپنے ساتھ لئے ان کی جانب چلی آئیں۔
''ارے عالیان تم یہاں؟'' عمارہ نے حیرت سے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔
اشمل عمارہ کو یوں عالیان کو اس کے نام سے مخاطب کرنے پر شاکڈ ہوئی تھی۔
''جی بھابھی میں بس دوستوں کے ساتھ آیا تھا، لیکن آپ میں اویس کے ساتھ آتی ہوں اور یہ میری چھوٹی بہن ہے اشمل۔'' اویس بھی ان کی جانب چلا آیا۔
اویس بھائی نے عالیان کو دیکھتے ہی گرم جوشی سے اس کو گلے لگاتے ہوئے حال پوچھا تھا۔
عالیان اور اویس کے فیملی فرینڈ ریلیشنز تھے، ان دونوں کے والد ایک ساتھ بزنس پارٹنرز رہ چکے تھے، اس لئے دونوں کی فیملی میں اچھے تعلقات تھے۔
''تم کب آئے پاکستان۔'' عالیان نے اویس سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''بس کچھ دن پہلے۔''
''تم سناؤ کیا مصروفیت ہیں آج کل؟''
اویس نے عالیان سے پوچھا تو عالیان نے ایک نظر اشمل کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
''کچھ خاص نہیں اگلے ہفتے دوبئی جا رہا ہوں، اس لئے سوچا جانے سے پہلے اپنے ملک کا ایک حسین یادگار وزٹ کر لیا جائے۔'' اس نے لمبا سانس بھرتے ہوئے جواب دیا۔
''تم کیوں خاموش بت بنی کھڑی ہو؟'' عمارہ نے اشمل کو مسکراتے ہوئے کہا، جو سب کی گفتگو بہت خاموشی سے سن رہی تھی۔
''آپ کی بہن کافی کم گو ہیں۔'' عالیان نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''کم گو تھی تو نہیں کچھ روز سے ہو گئی ہے۔''
''کیوں میم اشمل کیا ہو گیا ہے آپ کو؟''
عالیان نے اس کو زچ کرنے کی کوشش میں لگا تھا کہ وہ کچھ تو بولے گی۔
''تم جانتے ہو اشمل کو؟'' اویس نے حیرت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''جی بہت اچھی طرح، میں ان کے ہوٹل میں ان کے ساتھ کام کر چکا ہوں۔'' عالیان نے اشمل کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر جواب دیا تھا۔
''اوہ اچھا۔'' عمارہ اور اویس دونوں مسکرائے تھے۔
''آپی میں تھک گئی ہوں، میں ہوٹل واپس جا رہی ہوں۔'' اشمل نے وہاں سے کسی بھی طریقے نکلنا چاہا تھا۔
''اشمل ابھی تو بمشکل ہمیں گھنٹہ گزرا ہے آئے ہوئے اور تم تھک بھی گئی۔'' عمارہ نے برا

سامنہ بناتے ہوئے کہا۔
''آپی میری طبیعت خراب ہے شاید اس لئے، آپ لوگ انجوائے کریں میں خود اکیلی چلی جاؤں گی۔''
''میں چھوڑ دیتا ہوں، میں بھی ابھی واپس ہوٹل کے لئے ہی نکل رہا ہوں، دوستوں کا ابھی رکنے کا پروگرام ہے لیکن میں بھی کافی تھک چکا ہوں اس لئے واپس جا رہا ہوں۔'' عالیان نے جھٹ سے کہا تھا۔
وہ جتنا اس سے پیچھا چھڑوا رہی تھی وہ اتنا ہی اس پر غالب آ رہا تھا۔
''تم کون سے ہوٹل میں رکے ہوئے ہو؟''
''کنہار ویو۔'' اویس کے پوچھنے پر عالیان نے جواب دیا۔
''ارے ہم بھی تو اسی ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔''
''او کے تم چلی جاؤ عالیان کے ساتھ، لیکن ذرا دھیان سے جانا۔'' عمارہ نے فوراً سے کہا تھا۔
اور اب اشمل یہ کہنے سے تو رہی کہ نہیں میں اس کی وجہ سے ہی جانا چاہتی تھی یہاں سے اور اب یہ ہی میرے ساتھ جا رہا ہے تو میں نہیں جاؤں گی، اس لئے وہ بنا کچھ کہے عالیان کے ہمراہ واپسی کے لئے نکل پڑی۔
واپسی پر دونوں کے درمیان کافی دیر تک خاموشی کا راج رہا تھا جس کو عالیان نے ختم کیا۔
''میں اگلے ہفتے دوبئی چلا جاؤں گا۔'' وہ خاموش رہی تھی۔
''پھر شاید کبھی واپس نہ آؤں۔'' عالیان نے سنجیدگی سے کہا، وہ اب بھی خاموشی کا دامن تھامے ہوئے تھی۔
''آپ کچھ کہیں گی نہیں؟'' عالیان نے اس کو کچھ کہنے کے لئے اکسایا تھا۔

''نہیں۔'' اشمل نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔
''کیوں؟'' عالیان نے اس کو ایک نظر غور سے دیکھنے کے بعد پوچھا۔
''میری مرضی۔''
''اشمل میں سچ میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' اس بار عالیان کی آواز میں بے بسی ظاہر ہوئی تھی۔
''آپ مجھے صرف ایک موقع دے کر تو دیکھیں میں آپ کو بہت خوش رکھوں گا، آپ کو کبھی کوئی دکھ نہیں دوں گا۔''
''عالیان تم اپنی یہ فضول قسم کی بکواس بند کرو گے یا نہیں؟'' پہلی بار وہ غصے میں بولی تھی، عالیان خاموش ہو گیا، چند ثانیے بعد وہ پھر سے مدھم آواز میں بولا۔
''میں مر جاؤں گا اشمل۔'' اس کی آواز میں رچی بے بسی نمایاں تھی۔
''تو مر جاؤ۔'' اشمل نے بالکل سپاٹ لہجے میں غصے سے جواب دیا تھا، عالیان نے بے بسی کی اک آخری نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور پھر سارا راستہ وہ خاموش رہا تھا۔

☆☆☆

''عمارہ تم نے جھیل سیف الملوک کی کہانی سنی ہوئی ہے؟'' اویس نے عمارہ کو مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''سنی ہے پر زیادہ تفصیل میں نہیں۔'' عمارہ نے سرسری سے انداز میں جواب دیا تھا۔
وہ تینوں لکڑیوں کی آگ جلائے اس کے اردگرد بیٹھے تھے جبکہ فجر سو چکی تھی۔
''یہاں ایک مصر کا شہزادہ آیا تھا، جس کا نام سیف تھا یہ جھیل بھی کہتے ہیں کہ اسی کے نام سے پہچانی جاتی ہے سیف کو ایک پری سے محبت ہو گئی

تھی، تم جانتی ہو پری کا نام کیا تھا؟“

”نہیں، آپ بتائیں۔“ عمارہ نے تجسس سے اویس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”بدی الجمال! اس پری کا نام بدی الجمال تھا، وہ پری بہت خوبصورت تھی۔“

چودھویں کی رات وہ اس جھیل میں اترتی تھی، ایک بار سیف کی بہت سی کوششوں کے بعد بالآخر پری اس کو نظر آ ہی گئی، چودھویں کی رات کو وہ جب جھیل میں شاور لینے کے بعد واپس پرستان جانے لگی تو اس نے دیکھا اسے ونگز (پر) وہاں موجود نہیں ہیں جو اس نے پانی میں اترنے سے پہلے جھیل کے کنارے اتار کر رکھے تھے بدی الجمال کی ساری دوسری پری سہیلیاں واپس پرستان چلی گئیں اور بدی الجمال یہیں رہ گئی، سیف اس کو دیکھتا ہی اس کے قریب چلا آیا اور اس نے بدی الجمال کو آواز لگائی اور بدی الجمال نے اپنے عقب میں کھڑے شہزادہ سیف کو دیکھا۔

بدی الجمال اپنے پروں کے نہ ملنے پر کافی پریشان دکھائی دے رہی تھی، سیف قدم بڑھاتا پری کے قریب چلا آیا وہ بغور سیف کو دیکھنے لگی۔

سیف نے پری کو بتایا کہ وہ اس سے بے حد محبت کرتا ہے اور اس نے کتنی محنت اور جدوجہد کے بعد پری کو تلاشا ہے وہ بنا کچھ کہے خاموشی سے شہزادے کی باتیں سنتی رہی اور چند ثانیے بعد دکھ بھرے انداز میں شہزادے سے مخاطب ہوئی۔

”پری نے سیف کو بتایا کہ کوہ قاف کا دیو جو کہ وہاں کا سردار ہے اگر اس کو معلوم ہو گیا کہ ہم دونوں ایک ساتھ ہیں تو وہ ہم دونوں کو مار ڈالے گا۔“

اویس عمارہ اور اشمل کو کہانی سنا رہا تھا اور وہ دونوں بہت توجہ سے اس کی کہانی سن رہی تھیں۔

لیکن سیف کو کسی کا ڈر نہیں تھا، اسے بس بدی الجمال چاہیے تھی، اس کا ہمیشہ کا ساتھ چاہیے تھا۔

سیف نے پری سے پوچھا کہ کیا وہ اس کا ساتھ دے گی، وہ اس کو یہاں سے دور لے جائے گا۔

''پھر بدی الجمال نے سیف کی محبت کو قبول کر لیا اور بنا اپنی جان کی حفاظت کیے وہ سیف کے ساتھ سیف کی اس انسانوں والی دنیا میں رہنے کے لئے راضی ہو گئی۔''

''دیو بدی الجمال کو ڈھونڈتا ہوا جھیل تک آ گیا، لیکن وہ بدی الجمال کو ڈھونڈنے میں ناکام رہا۔''

''پھر سیف بدی الجمال کو اپنے ساتھ مصر لے آیا، ان دونوں نے نکاح کر لیا، بدی الجمال شہزادے کے ساتھ بہت خوش تھی وہ سیف کی محبت کی خاطر اپنی دنیا کو چھوڑ کر ہم انسانوں کی دنیا میں آن بسی تھی، جہاں اس کا پالا ہم جیسے اچھے اور برے دونوں قسم کے انسانوں سے پڑنے والا تھا، پری اپنے پروں کے بنا بھی رہنے کے لئے راضی تھی، جو کہ اس کے حسن کا اثاثہ تھے، بدی الجمال کے چمکیلے بال چاند جیسا خوبصورت چہرہ، نیلی آنکھیں سب کچھ ہی نرالہ تھا۔''

''آخر وہ پری تھی خوبصورت تو ہونی ہی تھی نا۔'' عمارہ نے مدھم آواز میں اویس کے کندھے پر اپنا سر ٹکاتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس نے اپنی خوبصورتی کو اپنے نرالے پن کو بھی اپنی محبت پہ قربان کر ڈالا تھا، بنا پروں کے اس کے حسن میں کمی آنے لگی تھی۔''

اویس نے مزید کہانی سناتا کہ عمارہ کو نیند آنے لگی اور وہ اویس کو باقی کی کہانی کا کل سننے کا کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

جبکہ اشمل آدھی کہانی سنتے ہی ایک بات سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

''کیا کوئی کسی کی محبت کی خاطر اپنی اتنی خوبصورت پرستان جیسی دنیا کو چھوڑ کر کسی دوسری مخلوق کی دنیا میں آ کر بس سکتا ہے؟ کیا واقعی ہی یہ کہانی سچی تھی؟''

سچی تھی یا پھر جھوٹی یہ بات اہم نہیں تھی۔

سیف بدی الجمال کو ایک دوسرے سے محبت کتنی تھی یہ سوچنا اہم تھا۔

کیا اشمل کو عالیان سے ایسی محبت ممکن تھی کہ وہ اس کی خاطر دنیا تو نہیں لیکن اپنی ضد چھوڑ سکتی؟ اپنی انا کو ختم کر سکتی؟

بدی الجمال کی طرح چپ چاپ سیف کی محبت کا یقین کرتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑتی، یہ سوچے سمجھے بنا کہ اس کے سفر کا اختتام کیسا ہوگا۔

سوچتے سوچتے اشمل وہاں سے کھڑی ہو گئی اور اپنے ہوٹل کے بک کروائے گئے کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

کل لیٹ نائٹ وہ پانچ دن بعد واپس لوٹے تھے، سب کافی تھک چکے تھے اس لئے اب تک سو رہے تھے، اشمل نے کروٹ بدلتے ہوئے ایک نظر گھڑی پر ڈالی، صبح کے گیارہ بج رہے تھے، وہ آنکھیں موند کر دوبارہ سونے لگی جب عمارہ آپی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں، وہ کافی حد تک پریشان لگ رہی تھیں۔

''اشمل تم ذرا فجر کو دیکھ لینا پلیز میں اویس ہوسپٹل جا رہے ہیں۔'' ہوسپٹل کے نام پر اشمل کا دل ایک بار دھڑکنا بھول گیا تھا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' اشمل نے فوراً سے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''عالیان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، وہ ایئرپورٹ کے لئے جا رہا تھا تو راستے میں اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، اس کی امی کی کال آئی تھی ابھی اویس کے نمبر پر، عالیان کے ابو بھی ابھی دوبئی ہی ہیں تو اویس اور میرا جانا بہت ضروری ہے، تم فجر کو دیکھ لینا۔'' وہ جلدی جلدی میں سب بتاتی ہوئیں کمرے سے چلیں گئیں، اشمل کے دل نے جیسے دھڑکنا چھوڑ دیا تھا، اس میں جیسے مزید کچھ سننے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی تھی۔

''میں مر جاؤں گا۔''

''تو مر جاؤ۔'' اشمل کو اپنا اور عالیان کا کہا گیا آخری جملہ کمرے میں گونجتا سنائی دیا تھا، وہ بے یقینی کے عالم میں بیڈ کا سہارا لیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ روئے یا پھر خوشیاں منائے کہ اس کی کہی گئی بات سچ ہونے والی تھی۔

وہ رونے لگی تھی، اشمل علی رونے لگی تھی، وہ گڑگڑانے لگی تھی، وہ زور قطار میں آنسو بہانے لگی تھی۔

اشمل علی رو رہی تھی؟ اشمل علی کس کے لئے رو رہی تھی؟ ایک مرد کے لئے؟ عالیان کے لئے۔

اشمل علی ایک مرد کی خاطر رو رہی تھی، وہ اشمل علی جس کو مرد ذات سے صرف نفرت تھی، جو مرد ذات کو صرف دھوکے باز سمجھتی تھی، جھوٹا، مکار سمجھتی تھی، وہ مرد پھر کیسے عام ہو سکتا تھا جس کے لئے اشمل جیسی لڑکی رہ سکتی تھی، وہ خاصیت میں خاص شخص تھا، وہ قطعی عام نہیں تھا، وہ عام ہو ہی نہیں سکتا تھا، کیونکہ اشمل علی کے آنسو اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ عالیان کے سامنے ہار بیٹھی ہے، اشمل کو اس سے محبت ہو گئی تھی، آج اس نے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ اشمل علی کو عالیان آفندی نے ہرا دیا تھا، اشمل کی ضد اور انا عالیان کی محبت کے سامنے ہار گئی تھی۔

☆☆☆

وہ زندگی میں دوسری بار کسی مرد کے لئے آنسو بہا رہی تھی، پہلا مرد اس کا باپ تھا اور دوسرا مرد اس کا کچھ نہ ہو کر بھی اب بہت کچھ ہو گیا تھا۔

وہ جائے نماز بچھائے اللہ کے حضور اس کی جان کی بھیک مانگ رہی تھی، وہ عالیان کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی جسے چند روز پہلے ہی اس نے کہا تھا۔

''مر جاؤ۔'' اسے اپنے کہے گئے آخری جملے یاد آ رہے تھے، اسے خود سے بھی نفرت ہو رہی تھی، اس کے ابو کی موت بھی ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ہوئی تھی، لیکن وہ اب اپنی محبت کو کھونا نہیں چاہتی تھی، وہ سجدے میں سر جھکائے مسلسل آنسو بہا رہی تھی، جب کمرے میں داخل ہوتی امی کی آواز سنائی دی جو کہ ابھی سلمان کے ہمراہ ہی گھر آئی تھیں۔

''اشمل!'' انہوں نے مدھم آواز میں اس کو پکارا، وہ نم آنکھوں سے اپنے عقب میں کھڑی امی کو دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' انہوں نے اس کی نم آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا

وہ جائے نماز سے اٹھ کر ان کے گلے آن لگی اور بچوں کی طرح ہچکیاں لیتے ہوئے رونے لگی۔

جبکہ سلمان کمرے میں آتا آتا دروازے پر ہی رک گیا۔

''امی اللہ آپ کی سنتے ہیں نا، آپ تو پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہیں وہ سب کام کرتیں ہیں جو اللہ کو پسند ہیں تو آپ اللہ سے دعا کریں امی کہ

عالیان کو کچھ بھی نہ ہو، امی وہ زندگی اور موت سے لڑ رہا ہے، آپ اللہ سے التجاء کریں کے اس کو کچھ نہ کرے، امی آپ کریں نا دعا، آپ دعا کیوں نہیں کر رہی، پلیز امی اس کے لئے دعا کریں۔"

وہ پاگلوں کی طرح اپنی ماں سے لپٹی آنسو بہاتی جا رہی تھی اور اس کی ماں ساری صورت حال سمجھنے سے قاصر تھیں، وہ نہیں جانتی تھیں کہ عالیان کون ہے لیکن وہ یہ ضرور جان گئی تھیں کہ عالیان جو کوئی بھی ہے ان کی بیٹی کے لئے بہت اہم ہے۔

"بیٹا تم رونا بند کرو پہلے اور مجھے بتاؤ کیا ہوا؟" انہوں نے اشمل کو محبت سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو سلمان دروازے پر دستک دیتا کمرے میں داخل ہوا۔

سلمان نے دروازے پر کھڑے اشمل کی ساری باتیں سن لیں تھیں، وہ جان گیا تھا کہ اشمل کسی سے محبت کرتی ہے اور اس نے اشمل کو اس طرح پہلی بار کسی کی خاطر روتے دیکھا تھا، سلمان نے دل ہی دل میں اس کی محبت کی سلامتی کی دعا کی تھی وہ اشمل کو ہمیشہ چڑاتا تھا لیکن سلمان آج پہلی بار اس کو یوں سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا، آج وہ اس کو بالکل بھی چڑانے کے موڈ میں نہیں تھا، اشمل نے سلمان کو دیکھتے ہی اپنے آنسو صاف کر لئے تھے اور سلمان اب تک بنا کچھ کہے اشمل کو بغور دیکھتے جا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ مزید صبر نہیں کر سکی اور عالیان کو دیکھنے ہوسپٹل چلی آئی تھی، عالیان کو اب تک ہوش نہیں آیا تھا، سب ابھی تک پریشان حال بیٹھے تھے، عمارہ اور اویس پہلے سے ہی وہاں موجود تھے، جبکہ عالیان کی فیملی سے اس کی امی اور بہن تھیں۔

اشمل نے پاس سے گزرتے ڈاکٹر کو روکا تھا۔

"میں عالیان کو دیکھنا چاہتی ہوں پلیز۔" اشمل نے التجائی انداز میں ڈاکٹر سے کہا تو انہوں نے ملنے کی اجازت دے دی، عمارہ کو سارا ماجرہ سمجھ میں آنے لگا تھا لیکن فی الوقت وہ خاموش تھی۔

اشمل آئی سی یو میں چلی آئی، وہ اپنے ڈگمگاتے ہوئے قدموں کے ساتھ عالیان تک پہنچی۔

عالیان کو دیکھتے ہی اس کے دل میں اک درد سا اٹھا تھا۔

وہ عالیان کو پہچان نہیں پا رہی تھی، چند روز پہلے اپنی وجیہہ شخصیت کا مالک اس وقت کیسے بے حال پڑا تھا، اس کے سر پر چھوٹ آئی تھی، اس کے بازو اور کندھے پر بھی پٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھی، باقی کی چوٹیں اندرونی تھیں، اشمل نے آگے بڑھتے ہوئے اپنی نم آنکھوں سے عالیان کو دیکھا۔

بڑھی ہوئی شیو میں وہ اس کو کتنا پیارا لگتا تھا، اس نے اپنا کپکپاتا ہاتھ بمشکل اس کے ماتھے پر رکھا تھا۔

"عالیان!" اشمل نے اپنی گردن کو ذرا سا خم کرتے ہوئے مدھم آواز میں اس کا نام پکارا۔

"عالیان آنکھیں کھولو پلیز، دیکھو میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" اشمل کی آنکھوں کے ساتھ اس کی آواز بھی بھیگ چکی تھی۔

"عالیان میں ہار گئی ہوں اور تم جیت گئے، تم نے مجھے ہرا دیا ہے۔" وہ اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتی ہوئی بولی۔

"میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" عالیان کے ہاتھ نے ہلکی سی حرکت کی تھی اس کو ہوش آ رہا

تھا۔

''عالیان!'' وہ اس کے ہاتھ کو حرکت کرتا دیکھ کر پرجوش انداز میں بولی تھی۔

''عالیان دیکھو میں ہوں اشمل۔''

عالیان نے اپنی آنکھوں کو ہولے سے کھولا تھا، وہ خاموش نظروں سے پہلے کمرے کا جائزہ لینے لگا اور پھر اس کی نظر اشمل پر آن رکی۔

''تم ٹھیک ہو نا؟'' وہ اپنے آنسو صاف کرتی ہوئی بولی تھی، وہ خاموشی سے اس کو دیکھتا جا رہا تھا۔

''تم مجھ سے جتنا چاہے ناراض ہو جانا عالیان، تم جو دل چاہے مجھے کہہ لینا، میں تمہیں بدلے میں کچھ بھی نہیں کہوں گی، لیکن پلیز تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔''

''عالیان میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' وہ کھلے دل سے اپنی محبت کا اعتراف کر رہی تھی، وہ بمشکل ہلکا سا مسکرایا تھا۔

''عالیان میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی، میں تم سے بے حد محبت کرتی ہوں، اب بھی تم سے غصہ نہیں کروں گی، تم بس ایک بار ٹھیک ہو جاؤ۔'' اشمل نم آنکھوں سے بولتی جا رہی تھی۔

اگر عالیان اس وقت ٹھیک ہوتا تو اشمل کے یوں اظہار کرنے پر خوشی سے دھمال ڈالنے لگتا، چلا چلا کر دنیا والوں کو اپنی خوشی کی انتہا بتاتا، لیکن اس وقت وہ مجبور تھا، اس کی کمر اور ٹانگیں دونوں ابھی اس قابل نہیں تھیں کے وہ اٹھ کر ناچنے لگتا۔

''یہ ہی آپ ایکسیڈنٹ سے پہلے بول دیتیں، ضرور اتنی تکلیفیں دینے کے بعد بولنا تھا۔'' عالیان نے شرارت بھرے انداز میں مدھم آواز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے معاف کر دو پلیز۔'' اشمل نے نظریں جھکائے ہوئے کہا۔

''وہ جب میں ٹھیک ہو جاؤں گا تو اس وقت کروں گا۔'' اشمل اس کے جواب پر مسکرا دی۔

''کتنی محبت کرتی ہو مجھے؟'' عالیان نے اشمل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں نہیں جانتی، بس اتنا ضرور کہوں گی کے جتنی مجھے تم سے محبت ہوئی میں تمہیں اتنا چاہ لوں گی اور جتنی تمہیں مجھ سے محبت ہوئی تم مجھے اتنی محبت کر لینا۔''

''ہاں باقی کا حساب میں ٹھیک ہونے کے بعد کروں گا۔'' عالیان نے آخری جملہ شرارت سے کہا تھا، اویس عمارہ کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''شکر ہے آج تمہاری حالت کافی بہتر ہے۔'' اویس بھائی نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔

''تم تو دوبئی جاتے جاتے اوپر کا ویزا لگوانے لگے تھے۔'' اویس نے ہنستے ہوئے کہا تو عالیان بھی اس کی بات پر مسکرا دیا، جبکہ اشمل عمارہ کے قریب چلی آئی تھی۔

''جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ اب شادی کروا کر ہی دوبئی جانا، تمہارا رشتہ طے کر دیا میں نے۔'' عالیان اویس کی بات پر حیران ہوا تھا جبکہ اشمل بھی انہی کو دیکھ رہی تھی۔

''پریشان مت ہو، اشمل کے ساتھ ہی طے کیا ہے، آنٹی باہر ہی بیٹھی ہیں، ان کو اپنی بہو بھی پسند آ گئی ہے۔'' اشمل اویس بھائی کی بات پر شرما کر عمارہ کے عقب میں چھپ گئی، جبکہ عالیان کی نظر ابھی بھی اشمل کا ہی طواف کر رہی تھی، عالیان بہت پہلے اشمل کے لئے اپنی امی کو بتا چکا تھا، بس اشمل کے ہاں کا انتظار تھا، آج عالیان

نے اشمل کو پالیا تھا۔
''جذبے سچے ہوں تو اپنی منزل تک پہنچ ہی جاتے ہیں محبت سچی ہے تو مل کر رہتی ہے۔''
''وہ پھر پرستان کی پریوں کی ملکہ بدی الجمال ہو، یا پھر وادی عشق کی پریوں کی شہزادی اشمل۔'' عالیان نے وادی عشق کی پری کو اپنی محبت سے آخر مجبور کر دیا تھا کہ وہ بھی اس کو چاہنے لگے۔
عالیان کے ٹھیک ہوتے ہی وہ اپنی امی کے ہمراہ اشمل کا ہاتھ مانگنے ان کے گھر پہنچ گیا تھا، ایک ہفتے بعد اس کے ابو پاکستان آ رہے تھے اور ان کے آتے ہی نکاح کی تاریخ رکھ دی گئی تھی۔
نکاح میں بس قریبی رشتہ داروں کو ہی مدعو کیا گیا تھا اشمل کی امی بھی بہت خوش تھیں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی دونوں بیٹیوں کے فرض ادا کر دیئے تھے، مولانا صاحب کے آتے ہی نکاح پڑھایا گیا اور اشمل علی کو عالیان آفندی کی محبت کا سرٹیفکیٹ دے دیا گیا، چند رسومات کے بعد رخصتی کر دی گئی تھی۔
☆☆☆
عالیان کی بہن اشمل کو اس کے کمرے تک لے آئی تھی کمرے میں آسمانی رنگ کے پردے کھڑکی سے اندر داخل ہونے والی ہوا کی وجہ سے جھول رہے تھے۔
سفید رنگ کی بیڈ شیٹ پہ بچھی سرخ گلاب کی پتیاں کمرے کو خوشبو سے مہکا رہی تھیں، پورا کمرہ آسمانی اور سفید رنگ کے کمبینیشن کے ساتھ خوب جچ رہا تھا۔
دروازے پر دستک دیتا ہوا عالیان کمرے میں داخل ہوا تھا جب اشمل نے فوراً سے اپنی نظریں جھکا لیں تھیں وہ کھڑکی کے پاس کھڑی باہر کے منظر دیکھ رہی تھی، جہاں چاند بادلوں میں کہیں چھپ گیا تھا، چار سو اندھیرا تھا لیکن اس کی زندگی روشن تھی، عالیان نے آگے بڑھ کر اشمل کو سلام کیا تو اس نے مدھم سی آواز میں سلام کا جواب دیا۔
عالیان کے لمبے قد اور چوڑی جسامت پہ بلیک شیروانی خوب جچ رہی تھی، عالیان نے بڑی نزاکت سے اشمل کو دونوں کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب کیا تھا۔
وہ میرون کلر کے لہنگے میں ملبوس تھی جس پہ سلور اور گرے کلر کا ہوا کام بے حد نفیس لگ رہا تھا اور وہ ہلکے سے میک اپ میں بھی کسی پری سے کم نہیں لگ رہی تھی، اشمل نے پہلی بار میک اپ کیا تھا وہ بھی بہت لائٹ، جس کی وجہ سے وہ پہلے سے بھی زیادہ وہ پیاری لگ رہی تھی۔
عالیان نے اس کے سراپا حسن پر نظر ڈالتے ہی بے ساختہ ماشاء اللہ کہا تھا، جس کی وجہ سے وہ جھینپ سی گئی تھی، عالیان نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکالی، جس میں ایک نازک سی ڈائمنڈ رنگ اشمل کے ہاتھ کی انگلی میں سمانے کے لئے بے چین تھی، عالیان نے ڈبیہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔
''یہ آپ کے لئے۔''
جبکہ اشمل نے اپنا ہاتھ خود ہی عالیان کی جانب بڑھا دیا تو وہ بے ساختہ اس کے اس انداز پر مسکرا دیا۔
''آپ میری زندگی میں آنے والی پہلی عورت ہیں اور آخری بھی، میں کوشش کروں گا آپ کو کبھی کوئی دکھ نہ دوں، آپ نہیں جانتی آج میں کس قدر خوش ہوں۔'' عالیان نے رنگ اشمل کی انگلی میں پہناتے ہوئے کہا تھا۔
''اشمل آپ نہیں جانتی کہ آپ میرے لئے کیا ہیں۔'' عالیان نے مدھم آواز میں سرگوشی

سے انداز میں کہا۔
''کیا ہوں میں آپ کے لیے؟'' اشمل نے اپنی خم نگاہوں کو ذرا سا اٹھا کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''پھولوں کی خوشبو ہیں آپ میرے لیے، میرے خواب، میرے خیال، میری سوچ سب کچھ آپ ہیں، آپ کے بال بادل وگھٹا، آپ کی آنکھیں جام شراب، آپ کے لب پنکھڑی گلاب، اب میں کیا کیا بتاؤں کے کیا ہیں آپ۔'' عالیان نے اس کے چہرے پہ اک نظر ڈالتے ہوئے کہا تو اشمل نے اک نظر عالیان کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر ہلکا سا مسکراتی ہوئی بولی۔
''بس تھک بھی گئے بتاتے بتاتے؟''
''میں ساری زندگی بھی بتاتا نہیں تھکوں گا کہ آپ میرے لئے کیا ہیں۔''
''آپ کے لبوں سے الفاظ بعد میں نکلیں اور وہ چیز پہلے آپ کے قدموں میں ڈال دوں۔'' وہ اپنی ہی دھن میں مگن اظہار محبت کر رہا تھا جبکہ اشمل علی بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ رہی تھی، اس کا ایک ایک لفظ اشمل پہ جادو جیسا اثر کر رہا تھا، وہ اس کے لفظوں کے حصار میں قید ہو رہی تھی، وہ عالیان کی محبت پہ فدا ہو رہی تھی، فنا ہو رہی تھی۔
''اور...... اور کیا ہوں میں آپ کے لئے؟'' اشمل نے مدھم آواز میں پوچھا، عالیان نے اس کو مسکرا کر دیکھا اور پھر اپنے دلفریب انداز میں کہنے لگا۔
''جان تمنا، جان من، عزیز جان، میری جان ہیں آپ۔''
اتنے خوبصورت اظہار پر تو کوئی بھی کسی سے بھی محبت کرنے پر مجبور ہو سکتا تھا، وہ تو پھر اشمل تھی جس کا شریک سفر اس سے یہ سب کچھ کہہ رہا تھا، چند ثانیے کے لئے دونوں میں خاموشی چھا گئی جس کو عالیان کی مدھم آواز نے ختم کیا۔
''اشمل!'' عالیان نے ہولے سے اس کا نام پکارا۔
''آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں نا؟'' عالیان نے بے حد معصومیت سے پوچھا تھا۔
''نہیں میں آپ سے محبت نہیں بلکہ بے حد محبت کرتی ہوں۔'' اشمل نے مسکراتے ہوئے کہا تو عالیان کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اشمل کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے قریب کر لیا تھا۔

☆☆☆

بچھڑنا بھی ضروری تھا

دوسری قسط

ہما راؤ

لیکن گھر میں باپ، بھائی کا تحفظ نہ ہونے کی بناء پر اس کے لئے آزمائش بن گیا تھا، گھر آ کر بھی وہ بے حد ڈسٹرب رہی تھی، ساری رات جاگتی رہی تھی، صبح کے قریب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

آج پہلی مرتبہ وہ اسکول سے لیٹ ہو رہی تھی۔

''نمرا! تم نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟'' وہ خفا لگ رہی تھی۔

''میں نے تمہیں جگایا تھا مگر تم پھر سو گئی ہو گی۔'' نمرا نے بتایا۔

صرف چائے کا کپ پی کر وہ گھر سے نکلی تھی، اسکول پہنچی تو اسمبلی ختم ہو رہی تھی، ابھی اتنی دیر نہیں ہوئی تھی۔

''مس مومنہ! آپ میرے آفس آیئے گا۔'' سر خاور نے کہا۔

ناولٹ

مومنہ مرے مرے قدموں سے آفس آئی تھی۔

''بیٹھیے مس مومنہ۔'' سر خاور مسکرائے تھے۔

''کوئی پریشانی ہے تو بتایئے، مت چھپایئے، ہم آپ کے اپنے ہیں۔'' انتہائی بھونڈے انداز میں شوخی سے بولے۔

''سر! میں نے کل بھی آپ سے کہا تھا، آج دوبارہ کہہ دیتی ہوں، میرا گھر میرا پرسنل میٹر ہے، میں کسی شخص سے ڈسکس نہیں کروں گی، نہ ہی کسی اور کو ذاتی معاملات میں مداخلت کی اجازت دوں گی۔'' مومنہ نے غصے سے کہا تھا۔

''مس مومنہ!'' وہ قدرے غصے سے بولے تھے۔

''ہمارے اسکول کے کچھ اصول ہیں، اس کی پاسداری ہر ٹیچر پر لازم ہے۔''

''سر! میں نے ہمیشہ ڈسپلن کا خیال رکھا ہے۔'' مومنہ دوبدو بولی۔

''آپ آج لیٹ آئی ہے کیوں؟ جب کے آپ کو وقت کی پابندی کا احساس از اے ٹیچر زیادہ ہونا چاہیے۔''

''سوری سر! میں صرف آج پہلی مرتبہ لیٹ ہوئی ہوں، آئندہ خیال رکھوں گی۔'' مومنہ نے معذرت کی۔

''آپ ایک غیر ذمے دار لڑکی ہیں، یہ اسکول تعلیمی درسگاہ ہے، یہاں تفریح اور وقت گزاری کے لئے مت آیا کریں۔'' انہوں نے طنز کیا۔

''سر! کل تک تو آپ میری ذمے داری کی تعریف کیے نہیں تھک رہے تھے، آج کیا ہو گیا، ایک دن میں میرے اندر سب نقص نظر آنے لگے؟'' مومنہ نے تپ کے جواب دیا۔

''مومنہ!'' ان کی آنکھوں میں شیطانی چمک لہرائی تھی۔

''میں تمہارے حسن کا قدر دان ہوں، حسن میری کمزوری ہے اور پیسہ تمہاری ضرورت ہے، مجھ سے دوستی کر لو، پیسے کا انبار لگا دوں گا، جتنے پیسے تم مہینے میں کمائی ہو، اتنے پیسے صبح و شام تمہاری نظر اتارنے میں لگا دوں گا۔''

ذلت کے احساس سے مومنہ کی زبان گنگ ہو گئی، بے یقینی سے آنکھیں پھاڑیں سر خاور کے مکروہ چہرے کو دیکھ رہی تھی، اس کا دل چاہ رہا تھا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے، اپنی بے بسی پہ تاؤ آ گیا، خود پہ غصہ آ گیا۔

پھر جو اس کے منہ میں آیا وہ بولتی چلی گی اور اسکول سے باہر آ گئی، کبھی نہ واپس آنے کے لئے، ایک مرتبہ پھر وہ بے بسی سے گھر آ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اماوس کی تاریکی کچھ اور بڑھ گئی تھی، یہ تاریکی اس کی زندگی پہ چھا رہی تھی، اس نے رات کے اندھیرے میں، آئندہ کے لئے کوئی روشن دریچہ ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی، مگر تاریکی میں صرف تاریک مستقبل نظر آ رہا تھا۔

اس دنیا میں صرف اللہ پاک ہی کے بھروسے وہ معاشی حالات کے سبب نکل جاتی تھی، صرف وہ ہی اس کی عزت کا رکھوالا تھا، ورنہ ہر کوئی اس کی عزت کا دشمن بنا ہوا تھا، بدنامی اور رسوائی کا عفریت منہ پھاڑے اسے نگلنے کو تیار بیٹھا تھا۔

اسکول کی جاب کیا چھوٹی، سر خاور نے بچوں کے والدین کو نجانے کیا کہانی سنائی، بچے رفتہ رفتہ ٹیوشن سے بھی فارغ ہو گئے، وہ کہیں اور جاب تلاش کرنے لگی، اسے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پہ ایک فیکٹری میں جاب مل رہی تھی، مگر اکیلے دو بسیں بدل کر آنا، آتے آتے اسے رات ہو جاتی، محنت سے وہ نہیں گھبراتی تھی، فیکٹری میں ورک زیادہ مگر تنخواہ کم تھی، اس نے حساب لگایا، تین ہزار تو محض بسوں کا کرایہ بن رہا تھا، باقی چار ہزار میں وہ مہینے میں ایک وقت کا کھانا بھی روزانہ نہیں کھا سکتے تھے، یاسر بھائی بھی سعودیہ سے آ گئے تھے، نمرا کے سسرال والے شادی کا ارادہ کیے بیٹھے تھے، یہاں نوبت فاقوں پہ آ گئی تھی، پرانے بدرنگ کپڑوں اور بوسیدہ جوتوں کے ساتھ وہ جاب پہ جاتی تھی، ایسے میں نمرا کے لئے جہیز اکٹھا کرنا، ستارے توڑ کے لانے کی طرح ناممکن تھا۔

مومنہ نے محسوس کیا، شادی کے مطالبے پر امی بے حد پریشان ہے، بہت اداس رہنے لگی تھی، ماموں کو فون کر کے بتایا تو مزے سے مفت مشورہ دیا کہ سادگی سے نکاح کر کے اس کو رخصت کر دو، صالحہ بیگم کا دل بری طرح ٹوٹا تھا، اس نے محض مشورے کے لئے فون کیا تھا۔

کچھ دن مزید گزرے گھر میں سودا سلف ختم، گھر کے تینوں نفوس غمزدہ اور پریشان۔
صبح اٹھ کے مومنہ دوست ماہین کی بتائی ہوئی جاب فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں جاب کے لئے آمادہ تھی، اب بھی نہ جاتی تو نجانے کیا حال ہوتا۔
رشتے داروں کی بے حسی اسے آج تڑپا رہی تھی مگر دل میں ان سے مدد مانگنے کا خیال نہیں تھا۔
فاسٹ فوڈ میں آ کر اسے اندازہ ہو گیا تھا اسے یہاں صرف اس کی خوب صورتی کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔
جلد ہی وہ یہاں کے ماحول سے اکتا گئی، ریسٹورنٹ کے مالک عبدالغفار شریف النفس انسان تھے، مگر آنے والے میل کسٹمر ہرگز شریف نہیں تھے، کسٹمر ٹرے لینے آتے تو نوخیز معصوم حسن کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے، اس کے ساتھ دو لڑکیاں مزید تھیں مگر ان میں مومنہ ہی سب کی توجہ کا مرکز تھی۔
سیلری یہاں پندرہ ہزار تھی، رات کا کھانا بھی ملتا تھا، مگر وہ کبھی بھی کھانا وہاں نہیں کھاتی تھی، پیک کر کے گھر لے آتی تھی، تینوں رات کا کھانا مل کے گھر میں کھاتیں، اس طرح ان کے گھر میں رات کے کھانے کی بچت بھی ہو گئی تھی۔
مومنہ نے گھر میں امی کو اپنے کام کی نوعیت نہیں بتائی تھی، وہ سادہ خاتون تھی، مومنہ نے بتایا کے وہ آفس میں کیش کا کام کر رہی ہے، انہوں نے یقین کر لیا تھا، نمرا کو البتہ سچ پتہ تھا۔
مومنہ روزانہ اخبار میں نئی جاب کے لئے اشتہار دیکھتی، وہ اس جاب سے خوش نہیں تھی، اتنے لوگوں کی نظروں میں آنا اسے سخت برا لگتا تھا۔
ان ہی دنوں وہ رو رو کر گڑگڑا کے دعا مانگتی تھی کسی باعزت جاب اور ماحول کی، ایک دن ایڈ پڑھا ڈیفنس میں ایک امیر و کبیر تنہا عورت کو ایک خدمت گار پڑھی لکھی لڑکی کی ضرورت ہے، تنخواہ بیس ہزار، مومنہ نے نمبر نوٹ کیا، گھر آ کر فون کیا، ایڈریس لیا اور دوسرے دن ہی پہنچ گئی تھی، اب اسے تنہا آتے جاتے ڈر نہیں لگتا تھا، اس میں اعتماد آ گیا تھا۔
چوکیدار نے اسے ڈرائنگ روم میں بیٹھا دیا تھا، وہ بنگلے کے ظاہری حسن سے بے نیاز میڈم کا انتظار کر رہی تھی، آج اسے ابو بہت یاد آ رہے تھے، اس کے لبوں سے سسکاری نما آواز نکلی تھی، چند سرکش آنسو گالوں پر لڑھک آئے تھے۔
''عورت کا مطلب ہے چھپی ہوئی چیز، لہٰذا جتنا چھپ کر رہے گی، اتنی ہی اہم باعزت ہو گی۔''
ابو کی بات اسے یاد آئی، وہ دل ہی دل میں ابو سے بے حد شرمندہ ہوئی۔
''سوری ابو میں بے حد مجبور تھی۔'' مومنہ نے دل ہی دل میں معذرت کی تھی۔
اتنے سارے لوگوں کی بد نظری سہنے سے بہت بہتر تھا ایک بند گھر میں ایک تنہا عورت کے ساتھ کام کیا جائے۔
سائرہ بیگم نے ڈرائنگ روم میں اندر داخل ہوتے ہوئے بہت حیرانی سے مومنہ کو دیکھا تھا، اسی پل مومنہ نے بھی جھکے سر کو اٹھایا اور پھر سائرہ میڈم کو دیکھ کر احتراماً کھڑی ہو گئی۔
میڈم سائرہ ایک ٹک اس کی حسین بھیگی بھیگی آنکھوں اور نم پلکوں پہ اٹکے شبنمی قطروں کو دیکھ رہی تھی۔
وہ لڑکی بلاشبہ بہت خوبصورت تھی، سائرہ نے ایک مرتبہ پھر مومنہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا، مومنہ اب سرعت سے دودھیا نازک ہاتھوں سے

آنکھیں اور گال پونچھ رہی تھی۔
''کیا نام ہے تمہارا؟'' سوال بہت نرمی سے کیا تھا۔
''مومنہ جاوید۔'' وہ انگلیاں مسلتے ہوئے آہستگی سے بولی تھی۔
''پڑھی لکھی لگتی ہو؟'' انہوں نے قیاس کیا۔
''جی میں بی اے فائنل ایئر میں چھوڑا تھا۔'' مومنہ نے افسوس سے کہا۔
''پہلے کہیں کام کیا ہے؟'' اس دوران ملازمہ ٹیبل پہ جوس رکھ گئی۔
''جی، میڈیسن کمپنی، اسکول، اور اب فاسٹ فوڈ پہ جاب کر رہی ہوں۔'' مومنہ نے سادگی سے جواب دیا۔
''تمہارے پاس تو جاب ہے، یہاں آنے کی وجہ؟'' سائرہ میڈم نے حیرت سے سوال کیا تھا۔
''میڈم! میں وہاں کے ماحول سے مطمئن نہیں ہوں۔'' مومنہ نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔
''کیا کام کرسکتی ہو؟''
''سارے کام کرسکتی ہوں۔''
''اچھی گفتگو بھی کرسکتی ہو؟'' سائرہ بیگم نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔
''جی۔'' مومنہ نے حیرانی سے جھکا ہوا سر اٹھایا۔
''میرا مطلب ہے کہ تم میرے ساتھ باتیں دوستوں جیسی کرو گی۔'' میڈم سائرہ نے اس کی حیرانی دور کرنی چاہی، مومنہ ہونقوں کی طرح انہیں دیکھتی رہی۔
''جی۔'' مومنہ نے حیرت چھپاتے ہوئے کہا۔
''ٹھیک ہے، کل سے کام پہ آجانا، کل تمہیں تمہاری ڈیوٹی بتا دی جائے گی، اب تم جا سکتی ہو۔'' سائرہ میڈم نے کہا۔
مومنہ حیران پریشان سی اٹھی اور پھر گھر آنے تک مسلسل سائرہ میڈم کے متعلق سوچتی رہی، یہاں سے وہ فاسٹ فوڈ گئی، اپنے باس کو جاب چھوڑنے کا بتایا اور اب تک کی سیلری لے کر گھر واپس آگئی۔
''مومنہ! آج بہت تھکی تھکی لگ رہی ہو؟'' امی نے اس کے تھکے تھکے چہرے کو دیکھ کر پوچھا تھا۔
''امی! میں نے ریسٹورنٹ کی جاب چھوڑ دی ہے۔'' مومنہ نے آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مار کے بتایا، امی خاموش رہی۔
''امی! میں ایک خاتون کے پاس جاب کرنا چاہتی ہوں، وہ تنہا بیوہ خاتون ہے، ڈیفنس میں رہتی ہے، انہیں ایک پڑھی لکھی لڑکی کی ضرورت ہے، جو ملازمین سے کام کروا سکے۔'' مومنہ نے بتایا، امی کے دل پہ بوجھ آن پڑا تھا، حالات انہیں اس مقام پہ لے آئے تھے وہ اپنی معصوم بیٹی کو نہ روک سکتی تھی اور دل سے اجازت بھی نہیں دے سکتی تھی، امی پریشان ہو کر چپ ہو گئیں تھیں۔
''امی...... میری پیاری امی! آپ پریشان مت ہوں، امی ریسٹورنٹ کا کام بہت تھکا دیتا ہے، یہ اب والا کام ٹھیک رہے گا، آپ کچھ مت سوچیے سب ٹھیک ہے۔'' مومنہ نے ان کے ہاتھ تھام کر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔
''بیٹا! اگر خاندان والوں کو پتہ چل گیا تو نجانے کیا سمجھیں گے۔'' امی نے خدشہ ظاہر کیا۔
''امی! لوگوں کی پروا مت کریں، انہیں نہیں پتہ چلے گا۔'' نمرا نے دلاسہ دیا، امی لیکن مطمئن نہیں ہوسکیں تھیں۔
دن بارہ بجے سے رات آٹھ بجے تک اسے

سائرہ میڈم کے پاس رہنا ہوتا تھا، جمیلہ ملازمہ نے اسے بتایا تھا، وہ سائرہ میڈم کو اخبار پڑھ کر سنایا کرے گی، ان سے باتیں کیا کرے گی، ان کا بی پی چیک کرے گی، انہیں مختلف بیماریاں بھی تھیں، ان کی میڈیسن کا ٹائم یاد رکھا کرے گی، یہ کام مشکل تھا اور نہ تکلیف دہ۔

میڈم سائرہ پچاس سال کے قریب بھاری بھرکم سراپے کی خاتون تھیں، میڈم سائرہ میں غرور اور نخرہ بالکل نہیں تھا، وہ سادہ مزاج کی مالک تھیں، وہ کافی باتونی تھیں، مومنہ سے ان کی بہت جلد دوستی ہوگئی تھی، وہ مومنہ سے کافی لگاوٹ کا اظہار کرتی تھیں، جس ٹائم مومنہ ان کے ساتھ ہوتی تھی، ان کا ماننا تھا وہ وقت ان کے بہت خوشگوار گزرتے تھے۔

ان کے شوہر بڑے جاگیردار تھے، ان کی دو شادیاں تھیں، انہوں نے شہر میں سائرہ بیگم سے شادی کی تھی اور گاؤں میں اپنی تایا زاد سے ان کی دوسری شادی کی تھی، دوسری بیوی سے ان کے تین بچے تھے، میڈم سائرہ سے ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔

سائرہ میڈم سے ان کی محبت کی شادی تھی، آج سے دس برس قبل ان کا انتقال ہوگیا تھا۔

''ان کے جانے کے بعد میں تنہائی کا شکار ہوگئی ہوں، وہ مجھ سے بے حد محبت کرتے تھے۔'' ان کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

''آؤ میں تمہیں عمر ولید کی تصویر دکھاتی ہوں۔'' انہوں نے ٹشو سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور پھر اسے اپنے بیڈروم میں آنے کا اشارہ کرکے چلی گئیں، مومنہ پہلی مرتبہ ان کے بیڈروم میں آئی تھی۔

سامنے دیوار پر عمر ولید کی تصویر جلوہ افروز تھی، تصویر میں دل موہ لینے والا، سامنے والا کیا شخصیت رکھتا تھا، مومنہ جیسے گرد و پیش کو بھول کر دیکھنے گئی، بس ایک لمحہ اس کے بعد مومنہ بے نیاز ہوگئی تھی۔

''عمر ولید کو ذہانت حسن وارثت میں ملا ہے، عمر ولید امریکہ گیا ہوا ہے، تین ماہ کے لئے میں اسے بے حد یاد کرتی ہوں، وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور میرا بے حد خیال رکھتا ہے، عمر ولید کی دوسری امی کی تین بیٹیاں ہیں، بیٹا نہیں ہے، اس کی عادتیں مزاج سب سے مختلف ہے، اس کے خاندان میں عمر ولید جیسا کوئی بھی نہیں ہے، گوٹھ میں سب اس کو پسند کرتے ہیں، دیوانے ہیں لوگ، اس کے گاؤں والوں کی خواہش ہے کہ عمر ولید سیاست میں آجائے مگر اسے سیاست سے خدا واسطے کا بیر ہے، البتہ گاؤں میں ترقیاتی کام کیے ہیں اس نے، لیکن آج کل بے حد مصروف ہے، عمر اینڈ سنز دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے، امپورٹ ایکسپورٹ کا دائرہ وسیع ہوگیا ہے۔'' سائرہ بیگم بے حد جوش سے بتا رہی تھی، مومنہ عمر نامہ سن کر بور ہو رہی تھی مگر وہ اس کی میڈم تھی، سننا ضروری تھا۔

''میری بھانجی ہے روبی اچھی لڑکی ہے، میں چاہتی ہوں عمر ولید اس سے شادی کرلے، وہ امریکہ میں ہی پلی بڑھی ہے، اب میرے بہنوئی یہاں آگئے ہیں، یہاں قریب ہی ان کا گھر ہے، بہن میری فوت ہوگئی ہے، میں نے کہا، عمر آجائے تب ہی جواب دوں گی۔'' میڈم سائرہ مسکرائیں۔

''میڈم! ایسا ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہو جائے گا، آپ کی تنہائی دور ہو جائے گی، آپ کی بھانجی ہے، آپ کا خیال بھی رکھے گی۔'' مومنہ نے نیک نیتی سے کہا۔

اتنے میں ان کے موبائل پہ بیل ہوئی، عمر

ولید کا نام دیکھ کر ایک خوشگوار احساس سائرہ بیگم کے اندر اترا۔

''بڑی عمر ہے بیٹے ابھی تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی۔'' انہوں نے کال ریسو کرتے ہی کہا۔

''مومنہ سے کر رہی تھی، میں نے بتایا تھا نہ تمہیں، بڑی اچھی نیک سیرت لڑکی ہے، میرا بہت خیال کرتی ہے، میں بالکل بھی بور نہیں ہوتی اور صورت اتنی پیاری کے دیکھ کر بیماری دور ہو جائے۔'' قہقہہ لگا کر انہوں نے زندہ دلی سے کہا، مومنہ جھینپ گئی اپنی تعریف پہ اور کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

''میڈم بھی نہ خوامخواہ تعریف کیے جا رہی تھیں۔'' مومنہ نے بے زاری سے سوچا تھا۔

مغرب کی اذان پہ وہ سر جھٹک کر اذان سننے لگی، اذان کے بعد نماز اور پھر ساڑھے سات بجے میڈم کھانا کھاتی تھی، ساتھ میں اصرار کر کے مومنہ کو بھی کھلاتی، مومنہ بے حد شرمندہ ہوتی، مگر میڈم کی محبت کے آگے بے بس ہو جاتی، میڈم کھانا کھا کے دوائی لیتی اور آٹھ بجے مومنہ کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی تھی اور وہ گھر چل پڑتی۔

☆☆☆

''تمہیں پتہ ہے، میں سارا دن بور ہوتی ہوں۔'' آج چھٹی تھی اور وہ گھر پر ہی تھی، نمرا نے خفگی سے کہا۔

''کیا کروں، میری ٹائمنگ ہی ایسی ہے، خیران کا بیٹا عنقریب آنے والا ہے، وہ آ جائے گا اس کے بعد میڈم کی تنہائی ختم ہو جائے گی، پھر میں شاید جاب چھوڑ دوں کیونکہ ہو سکتا ہے میڈم کو میری ضرورت نہ رہے۔'' مومنہ بولی۔

''یہ جاب تمہاری بہت اچھی ہے، یہ ختم ہو گئی تو تمہیں پھر سے نئی جاب کی تلاش میں خوار ہونا پڑے گا، پھر نئے لوگ نیا ماحول۔'' نمرا کو رنج ہوا۔

''خیر اللہ مالک ہے، تم پریشان مت ہو۔'' مومنہ نے محبت سے اپنی عزیز جان بہن کو دیکھا۔

''مومنہ! میں نے تمہارے لئے نیا سوٹ لیا ہے۔'' مومنہ نے جھٹ الماری کھول کر اسے سوٹ دکھایا، سوٹ بہت خوبصورت تھا، سلائی بہت عمدہ تھی۔

''یہ کب لیا؟'' مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

''میں اور امی بازار گئے تھے تب، مجھے تمہارے لئے پسند آ گیا۔'' نمرا نے بتایا۔

''میرے لئے لینے کی کیا ضرورت تھی، تم اپنی شادی کی تیاری کرو۔'' مومنہ نے ناراضی سے کہا۔

''تم جاب پہ جاتی ہو، تمہاری میڈم اتنی امیر خاتون ہے، تمہارے پاس اچھے کپڑے ہونے چاہیے۔'' نمرا معصومیت سے بولی، تو مومنہ مسکرا دی۔

''میڈم امیر ہے تو کیا ہوا، لباس سے بھلا کیا ہوتا ہے۔'' مومنہ بولی۔

''لباس اچھا نہ ہو تو دنیا بدحال سمجھ کر اہمیت دینا چھوڑ دیتی ہے۔'' نمرا افسردگی سے بولی۔

''تم لباس کے معاملے میں اتنی کانشس کیوں ہو رہی ہو خیریت؟'' مومنہ چونکی۔

''سو فیصد خیریت ہے۔'' نمرا مسکرائی۔

اتنے میں امی بھی آ گئیں۔

''امی! آج کیا بناؤں؟'' نمرا نے الجھن سے پوچھا۔

''مومنہ سے پوچھ لو، جو مومنہ کا دل چاہے۔'' امی نے جواب دیا۔

''میں مہمان تھوڑی ہوں، خیر دال چاول بنا لو۔'' مومنہ نے مسئلہ حل کیا۔

''بال دیکھے ہیں اپنے، کتنے خشک اور بے رونق ہو رہے ہیں۔'' امی نے مومنہ کے بالوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن تمہارا بھی کیا قصور، میں بالوں کو کہہ رہی ہوں، تمہاری تعلیم چھوٹ گئی، تم کتنی شوقین تھی پڑھنے کی، گھر کی پوری ذمہ داری تم نے خاموشی سے بنا کسی کے کہے خود پہ لے لی، تم بیٹی نہیں مجھے بیٹا لگتی ہو، اگر میرا کوئی بیٹا بھی ہوتا، تمہاری عمر کا تو وہ بھی شاید اتنا سمجھدار اور ذمہ دار نہ ہوتا، جیسا تم نے ان حالات میں ثابت کیا ہے۔'' امی کی آنکھیں نم ہو گئیں، وہ بے حد جذباتی ہو گئیں تھیں۔

''امی ٹھیک کہتی ہیں مومنہ، اگر تم یہ سب نہ کرتی تو نجانے ہم کیا کرتے۔'' نمرا کی آنکھوں میں مومنہ کے لئے تشکر تھا۔

''امی! آپ ایسا کچھ مت سوچا کریں، میں نے کچھ بھی نہیں کیا ہے، نمرا تم بھی آئندہ کوئی فضول بات مت کرنا۔'' مومنہ خفا ہوئی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' اتنے میں علی آ گیا وہ جانتا تھا، آج مومنہ گھر ہو گی۔

''کچھ نہیں...... تم سناؤ؟'' مومنہ نے دوپٹہ پھیلا کر لیا۔

''اتنا تیل کیوں لگایا ہوا ہے؟'' علی نے پوچھا۔

''جاب کی وجہ سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی، آج گھر ہوں تو امی نے خوب مساج کیا ہے۔'' مومنہ سادگی سے بولی تھی۔

''مومنہ! تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔'' علی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، اس وقت وہ رف حلیے میں بھی بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

مومنہ کی چھٹی حس کہنے لگی علی صاحب پر رومینس کا بھوت سوار ہونے لگا ہے، عافیت اسی میں ہے کہ وہ یہاں سے چلتی پھرتی نظر آئے۔

''علی تم ٹھہرو، میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' وہ بہانہ بنا کر چلی گئی تھی، علی بے چارگی سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

''مومنہ! بنا لو بہانے ایک دن تمہیں میری پناہ میں آنا ہو گا۔'' علی نے سوچتے ہوئے خود کو دلاسہ دیا۔

☆☆☆

''مومنہ! یہ تمہارے لئے ایک چھوٹا سا گفٹ ہے۔'' میڈم سائرہ نے اسے ڈبہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

''مگر کیوں میڈم، اس کی کیا ضرورت ہے؟'' مومنہ جھجکی۔

''مومنہ! تم میرا اتنا خیال کرتی ہو، کیا میں تمہیں گفٹ بھی نہیں دے سکتیں؟'' وہ الٹا ناراض ہوئیں۔

''نہیں...... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' مومنہ اٹکی۔

''تم مجھے اپنا نہیں سمجھتی، جب کے حقیقت میں، میں تمہیں اپنوں کی طرح چاہتیں ہوں تم نے جس محبت سے فکر سے میری کیئر کی ہے اور سب سے قیمتی چیز جو تمہارے پاس ہے وہ وقت ہے، تم نے مجھے وقت دیا ہے، میں تمہاری احسان مند ہوں۔'' وہ ممنون نظر آ رہی تھیں، مومنہ بے حد شرمندہ ہوئی۔

''میڈم! یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے جو آپ ایسا سمجھتیں ہیں، یہ آپ کا بڑا پن ہے۔''

''یہ لو۔'' انہوں نے فوراً ڈبہ آگے کیا، مومنہ نے آہستگی سے تھاما۔

''کھول بھی لو، ایک تم بھی نہ بس۔'' میڈم نے ڈانٹا مومنہ نے ڈبہ کھولا اندر بے حد

خوبصورت موبائل تھا۔
''اس کی کیا ضرورت تھی؟'' مومنہ موبائل فونز کے متعلق نہیں جانتی تھی مگر پھر بھی اندازہ ہو رہا تھا یہ موبائل مہنگا ہے۔
''موبائل سائنس کی بہترین ایجاد ہے اور یہ آج کل ہر انسان کی ضرورت بن گیا ہے۔'' انہوں نے جواب دیا۔
''لیکن میڈم مجھے موبائل فون کی کیا ضرورت ہے، نہ ہی مجھے کسی کو کال کرنی ہوتی ہے اور نہ ہی میری فرینڈز ہیں۔'' مومنہ ابھی تک تذبذب کا شکار تھی۔
''سب باتیں ٹھیک ہے بیٹا لیکن میں اب تم سے با آسانی کانٹیکٹ کرلیا کروں گی، فائدہ ہی ہوگا، تمہیں اس کا نقصان نہیں ہوگا۔'' انہوں نے کہا۔
وہ کہنا چاہتی تھی سارا دن تو میڈم میں آپ کے ساتھ رہتی ہوں، مجھ سے فون پہ کانٹیکٹ کی نوبت ہی نہیں آئے گی، مگر سوچ کے رہ گئی، اس کی بحث سے میڈم کا دل دکھ سکتا تھا، جبکہ یہ سچ تھا وہ مومنہ سے مخلص تھیں، وہ مومنہ کی اتنی کم عمری میں خودداری، سمجھداری سے بہت متاثر تھی، ان کا خیال بے حد دل سے رکھا کرتی تھی، مومنہ کے لئے ان کے دل میں نرم گوشہ تھا۔
''آج مجھے اپنی بہن کے گھر جانا ہے، آج تم بھی جلدی چلے جانا۔'' انہوں نے گھڑی دیکھی۔
''جی میڈم!'' مومنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
''میڈم آپ کبھی میرے گھر بھی آیئے، میری امی اور بہن سے ملیے گا۔'' مومنہ نے خواہش ظاہر کی۔
''انشاء اللہ ضرور۔'' وہ مسکرائیں۔

''میڈم! آپ واپس کب آئیں گی؟''
''میں رات کو واپس آجاؤں گی، میری بہن زندہ ہوتی تو رات بھی رک جاتی، بھائی صاحب اپنے کاموں میں مصروف روبی آج کل کی لڑکی ہے بھلا مجھ سے کتنی دیر باتیں کرے گی۔'' انہوں نے افسردگی سے جواب دیا۔
''روبی آجائے گی تو آپ کے گھر میں رونق آجائے گی، آپ جلدی سوچیں روبی کے متعلق۔'' مومنہ سے ان کی تنہائی نہیں دیکھی جاتی تھی۔
''عمر آجائے تو کوئی بات جڑ چلاؤں کل کہہ رہا تھا کہ مما میں بہت بزی ہوں نیا پروجیکٹ......''
مومنہ جانتی تھی اب عمر نامہ گھنٹے پہ محیط ہوگا اور اسے سننا مومنہ کی مجبوری ہوگا۔
''تمہاری بہن نمرا کی شادی کب تک متوقع ہے؟'' خلاف توقع عمر نامہ جلدی ختم ہوگیا تھا۔
''میڈم! ابھی امی نے کوئی ڈیٹ نہیں دی ہے، کچھ وقت درکار ہے۔'' مومنہ بولی۔
''ہوں تیاری کچھ کی ہے یا سب وقت کے وقت کرنے کا ارادہ ہے۔'' انہوں نے فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔
''بس میڈم تھوڑی بہت کر ہی رکھی ہے۔'' مومنہ نے بتایا۔
''امی سے کہو شادی کی تاریخ دینے میں تاخیر نہ کریں۔'' میڈم نے کہا۔
''جی!'' مومنہ خاموش رہی اب کیا بتاتی کہ ان کی کل آمدنی آپ کی دی سیلری ہی ہے، بیس ہزار میں سودا سلف، بجلی، گیس کے بل ہی دیئے جاسکتے ہیں، شادی کی تیاری نہیں ہوسکتی۔
''مومنہ! کیا سوچ رہی ہو؟'' انہوں نے سوچ میں گم مومنہ کو مخاطب کیا۔

''کچھ نہیں۔'' مومنہ مسکرائی۔

''مومنہ! تم مجھ سے چند ماہ کی ایڈوانس سیلری لے لو اور بہن کی شادی کی تیاری شروع کرو۔'' میڈم نے جھجکتے ہوئے کہا، انہیں مومنہ کی خوددار طبیعت کا اندازہ ہو گیا تھا، اس لئے بہت احتیاط سے بات کر رہی تھیں، ورنہ ان کے لئے بے حد آسان تھا، نمرا کی شادی کے تمام اخراجات اٹھانا، لیکن وہ اس چھوٹی سی معصوم سی خوددار محنتی لڑکی کی انا کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی تھیں۔

ان دونوں کا تعلق بے غرض اور بے لوث محبت پر مبنی تھا۔

میڈم نے اس سے قبل جتنی بھی لڑکیاں رکھی سب غریب گھروں کی تھیں مگر بے حد چالاک تھیں، کام چور اور لاپرواہ، البتہ میڈم سے بہانے بہانے سے جھوٹی مجبوریوں کا بہانہ رو کر پیسے اینٹھنا خوب جانتی تھیں۔

مومنہ نے انہیں حیران کر دیا تھا، بہت لگن سے وہ ان کا خیال رکھتی، خاموشی سے اپنے کاموں میں مگن رہتی، کبھی اپنے گھر کے حالات کا تذکرہ نہیں کیا تھا، انہیں مومنہ کی عادات بے حد پسند آئیں تھیں۔

''بیٹا! سوچو مت یہ لے لو۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھایا، مومنہ حیران تھی، ان کے ہاتھ میں ایک لاکھ کا چیک تھا۔

''حیران مت ہو، یہ ادھار ہے اب تمہیں آئندہ ماہ تنخواہ نہیں ملے گی۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''تھینک یو میڈم!'' مومنہ نے چیک تھاما۔

''امی بے حد خوش ہو جائے گی۔'' مومنہ نے سوچا۔

''لیکن۔'' مومنہ کچھ سوچ کر بے حد پریشان دوسرے ہی پل نظر آنے لگی۔

''لیکن کیا؟''

''میڈم! اگر کسی وجہ سے یہ جاب میں جاری نہ رکھ سکوں یا آپ مجھے مزید نہ رکھنا چاہے۔'' مومنہ نے خدشے کا اظہار کیا۔

''تم خواہ مخواہ پریشان مت ہو، مجھے تم سے اچھی کیئر کرنے والی نہیں مل سکتیں اور تمہیں مجھ سے اچھی باس نہیں مل سکتیں۔'' انہوں نے مزاح کے انداز میں کہا۔

''یہ تو ہے۔'' مومنہ قائل ہوئی۔

''اب تم جاؤ اور مجھے بھی روبی کی طرف جانا ہے۔'' انہوں نے یاد دلایا۔

☆☆☆

''امی...... امی۔'' وہ گھر میں داخل ہوتے ہی چلائی تھی۔

''کیا ہوا؟'' امی کا دل دہل گیا، گھبرا کر باہر آئیں، نمرا بھی کچن سے تیزی سے نکلی تھی۔

''امی! میڈم نے مجھے ایڈوانس سیلری کا چیک دیا ہے ایک لاکھ روپے کا، اب آپ نمرا کی شادی کی تیاری کریں۔'' مومنہ جوش سے بولی۔

امی اور نمرا ساکت رہ گئیں تھیں، مگر دوسرے ہی پل امی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''واہ میرے اللہ تو واقعی وہاں سے دیتا ہے جہاں سے بندے کو گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔''

''اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔'' مومنہ نے چیک انہیں تھمایا۔

نمرا نے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا، بے ساختہ اس کے اچھے نصیب کے لئے دل سے دعا نکلی، وہ چھوٹی بہن ہو کر اس کے لئے بڑے بھائی کا کردار ادا کر رہی تھی۔

''امی مجھے جہیز وغیرہ نہیں چاہیے، انہیں پتہ ہے، ابو کا انتقال ہو چکا ہے۔'' نمرا ناگواری سے بولی۔

''تم چپ رہو، مشرقی لڑکی ایسے موقع پر خاموش رہتی ہے۔'' مومنہ نے ڈانٹا، ای محض مسکرا کر رہ گئی۔

''میں سنجیدہ ہوں۔'' نمرا بولی۔

''میں تم سے زیادہ سنجیدہ ہوں۔'' مومنہ نے جواب دیا۔

''بہت بدتمیز ہو گئی ہو تم؟'' نمرا مصنوعی ناراضگی سے بولی تھی۔

نمرا نے دل میں تہیہ کیا کے وہ اپنے منگیتر سے بات ضرور کریں گی، اسے احساس دلائیں گی، وہ شادی کی ڈیٹ فکس کرنے پہ اصرار کر رہے ہیں، لیکن یہ نہیں جانتے کہ اتنی جلدی یہ سب کیسے ممکن ہو گا، وہ ان کے حالات سے بے خبر نہیں تھے، اس کی اپنی نند سے فون پہ بات ہوتی رہتی تھی، مگر یاسر سے کبھی نہیں ہوئی تھی، نہ ہی نمرا کے پاس نمبر تھا۔

لیکن شاید دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، تب ہی رات میں اس کی نند حرا کا فون آیا، بے حد اصرار کیا، کہ وہ یاسر سے کم از کم ایک مرتبہ بات کرے، کوئی اور موقع ہوتا وہ ٹال دیتی، لیکن اب بات کرنا اس کی ضرورت تھی۔

رات میں نمرا نے مختصر بتایا، وہ سمجھدار تھا، سمجھ کے بے حد شرمندہ ہوا اور وعدہ کیا ان کی طرف سے نمرا کی فیملی کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی، نمرا بات کر کے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

مومنہ سو کر اٹھی تو موسم کی دلفریبی کا احساس ہوا۔

سیاہ و سرمئی رنگ کے ڈھیر سارے بادل زمین و آسمان کا بدلا ہوا رنگ، معطر ہوا اور انتہائی باریک بوندوں کی سرسراتی چادر۔

''ہائے اللہ! بارش ہو رہی ہے۔'' انتہائی پرجوش و خوشگوار لہجے میں اس نے خاصی بلند آواز میں کہا تھا۔

''نہیں آپ خواب عظیم دیکھ رہی ہیں۔'' جواب صحن کے عین وسط میں بیٹھے علی کی طرف سے آیا تھا، مومنہ نے اس کے بے تکے جواب پہ گھور کر دیکھا۔

وہ برآمدے کے فرش پر بیٹھ گئی اور برستی بوندوں کو دیکھنے لگی، جامن کے پتوں کے جھونکوں میں دلفریب مہک سی تھی، اس کا دل چاہا بوندوں کی نمی اپنے وجود پر محسوس کرے مگر علی کی موجودگی اسے باہر جانے سے روک رہی تھی، کوئی اور وقت ہوتا تو وہ علی کی بے وقت آمد پر جھنجھلا جاتی مگر اس وقت بہت سکون سے بازو پھیلا کر اپنی ہتھیلی سامنے پھیلا دی۔

ننھے ننھے موتی اس کی ہتھیلی پر گر کر ٹوٹتے اور پھیل جاتے تھے، وہ مگن سی اس کھیل میں مشغول تھی، علی بہت دلچسپی سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا، کسی دلفریب خیال نے علی کے لبوں پر نرم سی مسکراہٹ بکھیر دی۔

''مومو!''

''ہوں۔'' اس نے مگن انداز میں کہا۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟''

''ہاں، لیکن یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟'' مومنہ نے الجھ کر علی کی جانب دیکھا۔

''پچھلے دس منٹ سے دیکھ رہا ہوں، تم مسکرا رہی ہو، اتنا تو تم عید کے عید بھی نہیں مسکراتیں۔'' علی نے تشویش سے کہا تھا مگر شرارت اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

''جھوٹ کی بھی حد ہوتی ہے علی، مسکرانا خوش اخلاقی کی علامت ہے اور سب جانتے ہیں میں بچپن سے بے حد خوش اخلاق ہوں۔'' مومنہ خلاف توقع برا ماننے کے بجائے مسکرا دی تھی۔

''توبہ استغفار، اتنا بڑا جھوٹ وہ بھی اس

موسم میں آسمانی بجلی گر جائے گی۔'' علی نے دونوں ہاتھ کانوں کو لگائے۔
کچھ دیر بعد امی کچن میں داخل ہوئی تھیں، مومنہ چائے پی رہی تھی۔
''نمرا! تم کھانا بنانے کی تیاری کرو میرا خیال ہے کڑاہی بنالو ساتھ میں زردہ بھی۔''
''خیر اتنی تیاری کس سلسلے میں ہو رہی ہے امی؟ کون آرہا ہے؟'' مومنہ نے پوچھا۔
''نمرا کے سسرال والے آرہے ہیں۔'' امی نے بتایا۔
''میں آج گھر ہوں، واشنگ مشین لگا کے کپڑے دھولوں گی۔'' مومنہ نے مصروف نمرا کو دیکھ کر کہا۔
''کون سے کپڑے؟'' نمرا نے پوچھا۔
''تم کوئی میرے لئے کام بھی چھوڑ دیا کرو، یار اتوار کو تو میں فارغ ہوتی ہوں۔'' مومنہ نے احتجاج کیا۔
''اور جو اتنی بڑی ذمہ داری لی ہوئی ہے تم نے اپنے سر پہ وہ کم ہے کیا؟'' نمرا نے کہا۔
''میں کوئی انوکھا کام نہیں کر رہی، تم فضول بہت سوچتی ہو۔'' مومنہ نے چائے ختم کی اور کپ دھونے لگی۔
''مومنہ! موبائل تو بہت زبردست ہے، خاصا مہنگا بھی ہے۔'' نمرا نے موبائل کو بغور چیک کرتے بھی متاثر کن لہجے میں کہا۔
''ہاں، لیکن میں نے میڈم سے کہا تھا، مجھے اس کی ضرورت پیش نہیں آتی، یہ میرے لئے غیر ضروری ہے۔'' مومنہ بے نیازی سے بولی۔
''خیر تمہیں تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، ہر چیز ہی تمہارے لئے غیر ضروری ہوتی ہے۔'' نمرا نے برا مانتے ہوئے جواب دیا۔
''بھئی جب مجھے ضرورت ہی نہیں تو میں خوامخواہ کا احسان کیوں لوں؟'' مومنہ نے الجھن سے کہا۔
''مومنہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' امی نے تائید کی نمرا اب خاموش ہی رہی۔
''مومنہ! تم درخت کے پاس کھڑی ہو جاؤ، بلکہ ان پھولوں کے درمیان بیٹھ جاؤ، میں تمہاری تصویر بناتی ہوں، دیکھنا کتنی پیاری تصویر بنے گی۔'' نمرا نے دبے دبے جوش سے کہا تھا۔
''نمرا! یہ شوق تم پھر کبھی پورا کر لینا فی الحال تمہارے سسرالیوں کی آمد متوقع ہے، ہمیں شادی کی ڈیٹ سوچ لینی چاہیے، اس مرتبہ وہ ڈیٹ فکس کر کے ہی ٹلیں گے۔'' مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔
امی اسے محض دیکھ کر رہ گئیں، کچھ ہی مہینے میں وہ اپنی عمر سے بہت بڑی ہو گئی تھی، بہت سنجیدہ اور گھر کے معاملات کے لئے بڑی فکرمندی سے نظر آتی تھی۔
''امی! پھر کیا ارادہ ہے؟'' مومنہ تخت پہ آبیٹھی تھی۔
''کچھ سمجھ نہیں آرہا، اتنی جلدی سب کیسے ہوگا۔'' امی نے بے بسی سے کہا تھا۔
''امی! سب ہو جائے گا، آپ پریشان مت ہوں۔'' مومنہ نے ان کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہا۔
امی کے نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ آنسو آنکھوں میں آنسو آگئے، یہ بہت بڑی ذمہ داری تھی اور وہ تنہا تھی۔
''امی! اللہ بڑا کارساز ہے، آپ دیکھیے گا سب کیسے ہوگا، آپ کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔'' مومنہ نے دلاسہ دیا۔
''بھائی سلیم کا فون آیا تھا، شادی ہال وہ اپنی طرف سے بک کروائیں گے، کھانا بھی ان کی

طرف سے ہوگا۔“ امی نے بتایا۔
”بس فرنیچر اور کپڑوں کا اور لین دین کا کام ہے۔“ کچھ دیر بعد انہوں نے رک کر کہا۔
”امی! ہم اس فضول رسم و رواج میں نہیں پڑیں گے۔“ نمرا چڑی تھی۔
”بیٹا! یہ سب ضروری ہوتا ہے۔“ امی نے نرمی سے کہا۔
”امی! کیا فائدہ ایسے لالچی لوگوں سے رشتے داری کا جو انسانیت کی نہیں جہیز کی قدر کریں۔“ نمرا نے طنز کیا۔
”بیٹا! یہ ہی تو المیہ ہے، پہلے ایسے لوگوں کا پتہ نہیں چلتا، نیت تو اللہ ہی جانتا ہے۔“ امی نے بے بسی بے چارگی سے کہا، مومنہ نے دل ہی دل میں اسے ڈھیروں خوش رہنے کی دعائیں دی تھی۔

☆☆☆

صائمہ بے چینی بے قراری سے چکر کاٹ رہی تھیں، ان کے بھائی سلیم کا فون آیا تھا، وہ اپنی اکلوتی صاحبزادی ثنا کا رشتہ علی کو دینے کے لئے رضا مند تھے، لیکن ان کی دوسری بات نے انہیں پریشان کر دیا تھا، بھائی سلیم کا سالا ماجد ان کے کاروبار میں شریک تھا، ان کا ایک بیٹا فرقان بے حد اچھا تھا، صائمہ دل ہی دل میں اپنی بیٹی کا فرقان سے رشتہ کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں، ابھی اس کا تذکرہ انہوں نے صرف اپنے شوہر سے کیا تھا، صائمہ کو یقین تھا جب بھائی سلیم کی بیٹی ثنا ان کی بہو بن جائے گی، تب وہ بھائی سلیم سے کہہ کر اپنی بیٹی کا رشتہ فرقان سے کروا دے گی، اپنی اس پلاننگ پہ وہ مطمئن تھیں، اسی پلاننگ کی کامیابی کے چانس بھی سو فیصد تھے، مگر آج بھائی سلیم کے فون نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔
سلیم بھائی نے فون پہ بتایا تھا کہ ان کے سالے نے انہیں کہا کہ ان کا ارادہ اپنے بیٹے فرقان کے لئے صالحہ باجی کی بیٹی مومنہ لینے کا ہے، آج سے دو سال قبل انہوں نے مومنہ کو دیکھا تھا، انہیں مومنہ بے حد پسند آئی تھی، مگر چونکہ مومنہ کی عمر کم تھی، اس وجہ سے صالحہ باجی سے رشتہ نہیں مانگا تھا، اب یہ کہ اگر منگنی کر لی جائے تو دو سال بعد شادی ہو سکتی ہے، بھائی سلیم بھی سن کر خوش ہوئے تھے کہ اس طرح صالحہ باجی کا بوجھ کم ہو جائے گا، انہیں گھر بیٹھے مناسب رشتہ مل جائے گا۔
ایک آگ پورے جسم میں صائمہ کے پھیلیں تھیں، حسد سے برا حال تھا، انہیں اپنی یہ حسین خود اعتماد، ذہین خوددار سی بھانجی سے اللہ واسطے کا بیر تھا، اس کی بے نیازی، اطمینان انہیں جلا کر خاک کرتا تھا، وہ مومنہ کی آنکھوں میں حسرت محرومی دیکھنا چاہتی تھیں، لیکن انہیں ہر مرتبہ مایوسی ہوتی تھیں، ان آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ہوتی تھی۔
مومنہ بچپن میں بھی ان کے گھر آتی تو خاموشی سے ایک طرف بیٹھ جاتی، علی اور ان کی بیٹیاں اپنے کھلونے دکھاتے، مگر مجال ہے وہ کبھی انہیں ہاتھ بھی لگاتی ہو، کھیلنا تو دور کی بات ہے، نہ جانے کیوں انہیں چڑ سی ہو گئی تھی، انہیں لگتا تھا مومنہ انہیں چیلنج کر رہی ہے، رفتہ رفتہ ان کی بیٹیاں بھی مومنہ سے چڑنے لگی تھیں، بلکہ حسد کرنے لگی تھیں، صرف اس کی وجہ اس کا حسین ہونا تھا، جس کے سامنے وہ ماند پڑتی تھیں۔
صائمہ کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیسے بھائی سلیم کو روکے، انہیں ڈر تھا بھائی سلیم نے اگر فون کر کے صالحہ سے تذکرہ کر دیا اور صالحہ نے ہاں کر دی تو رشتہ ہاتھ سے چلا جائے گا۔

☆☆☆

نمرا کے سسرال والوں نے بقرعید کے بعد کی ڈیٹ طے کی تھی، محرم کے بعد یاسر نے واپس جانا تھا۔

ان کے پاس صرف ایک مہینے اور ایک ہفتے کا وقت تھا۔

نمرا کے سسرال والوں نے سختی سے جہیز لینے سے منع کیا تھا، ان کا کہنا تھا کہ یاسر خود اپنے بیڈ روم میں اپنی پسند کے فرنیچر کا آڈر دے چکا ہے، گھر میں کہیں بھی نمرا کے جہیز کی جگہ نہیں ہے۔

صالحہ بے بسی سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی، مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے، ناچار صالحہ کو ماننی پڑی، نمرا کو اطمینان نے آگھیرا۔

نمرا نے بیڈ روم میں آ کر ''شکریہ'' کا میسج ٹیکسٹ کیا یاسر کو، جواب پڑھ کر ایک شرمیلی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی تھی۔

مومنہ کھانا لگا رہی تھی، خوشگوار ماحول میں سب نے مل کر کھانا کھایا تھا، سب بے حد خوش تھے، صالحہ بھی ہلکی پھلکی ہو گئی تھیں، عشاء کے بعد وہ گئے، تو نمرا نے برتن دھوئے۔

مومنہ اور امی مہمانوں کی فہرست اور شادی کا ٹاپک لے کر بیٹھ گئی تھیں، نمرا کو بے حد خوشی ہو رہی تھی، اس کے شریک سفر نے نہ صرف اس کی مجبوری کو سمجھا ہے بلکہ اس کے کہنے پر عمل بھی کر کے دکھایا تھا۔

صبح مومنہ اپنی ڈیوٹی پہ اور صالحہ اور نمرا بازار نمرا کی شادی کے ملبوسات کی خریداری کے لئے چلیں گئی تھیں۔

مومنہ نے کل نمرا کے سسرال والوں کی آمد، شادی کی ڈیٹ اور ان کا جہیز لینے سے انکار کا میڈم کو بتایا تھا۔

دونوں چھوٹی چھوٹی ہر بات آپس میں ڈسکس کرتی تھیں، دونوں کی انڈر اسٹینڈنگ کمال کی تھی۔

''مومنہ! میں چاہتی ہوں میری خواہش ہے کہ روبی بھی تمہارے جیسے مزاج کی نکلے اور اسی طرح ہم ہر بات کیا کریں۔'' سائرہ میڈم نے حسرت سے کہا تھا۔

''میڈم! انشاءاللہ روبی بھی ایسی ہی ہو گی، آپ ہے ہی اتنی اچھی، پھر وہ کیوں روایتی بہو بنے گی۔'' مومنہ بولی۔

''ہاں، ہے تو میری بھانجی ہی مگر مجھ سے کم گھلتی ملتی ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''میڈم ساتھ رہنے سے بے تکلفی پیدا ہوتی ہے، آپ نے خود ہی تو کہا تھا، وہ عرصہ دراز امریکہ میں پلی بڑھی، آپ یہاں تھی، اس دوران آپ لوگوں کی ملاقات بھی نہیں ہوئی، اب وہ یہاں آئی ہے، چھ سات ماہ سے، اتنی جلدی بے تکلفی کہاں ہوتی ہے۔'' مومنہ نے دلاسہ دیا۔

''ٹھیک کہاں تم نے، قریب رہنے سے ہی فاصلے مٹتے ہیں۔'' انہوں نے اطمینان سے کہا۔

''اچھا مومنہ! بیٹا تم بے شک ایک ہفتے کی چھٹی کر کے نمرا کی شاپنگ کر لو۔'' سائرہ میڈم نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا تھا، مومنہ جانتی تھی ان کے لئے تنہا رہنا بہت مشکل ہے، وہ ڈیپریشن کا شکار ہو جاتی تھیں۔

''میڈم! مجھے بازاروں کے چکر لگانے کا بالکل بھی شوق نہیں ہے یہاں تک کے میرے کپڑے بھی نمرا خریدتی ہے۔'' مومنہ سادگی سے بولی تھی، میڈم محض مسکرا کر اس کو دیکھتی رہی، وہ بے حد ذمے دار تھی، اس لئے میڈم کے دل کے بے حد قریب تھی۔

اب وہ کل ہونے والی عمر سے گفتگو اور روبی

کے گھر جانے کا احوال مومنہ کو سنا رہی تھیں، مومنہ بے حد خوشدلی سے تبصرے کر رہی تھی، اس دوران عمر ولید کا فون آ گیا تھا، اس نے بھی اپنی مما کے خوشگوار موڈ کو محسوس کیا، وہ اب جان گیا تھا، یہ مومنہ کی بدولت ہے، عمر ولید بنا ملے اس انجانی لڑکی کا ممنون تھا، ورنہ اس سے قبل جب بھی مما کو فون کرتا وہ بے حد تنہا، پریشان ہوتی تھیں اور اسے بار بار آنے کی تاکید کرتی تھیں، مگر اب ایسا نہیں تھا، مما کو خوش دیکھ وہ بے حد مطمئن تھا۔

☆☆☆

پہلی شادی تھی گھر میں سب رشتے داروں کی آمد متوقع تھی، شادی کارڈ کی جگہ صالحہ نے سب کو فون کر دیئے تھے، سب چونک ہی گئے تھے کہ کیسے سب اتنی جلدی ممکن ہو گیا، تاہم پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی کہیں کسی پریشانی کا تذکرہ کر کے ان سے رقم نہ مانگ لی جائے، البتہ تجسس میں سب مبتلا تھے۔

بارات سے ایک دن قبل سب آ گئے تھے، اچھا خاصا ہنگامہ برپا تھا، بے حد رونق ہو رہی تھیں، دونوں ماموں بہت عرصے بعد آئے تھے، ماموں مامی اور سب کزنز بھی بے حد تپاک سے ملے تھے، جہاں ایک طویل نشست کے بعد مامی اور کزنز کو مومنہ خالی کمرے میں لے آئی تھی۔

بڑی مامی نے بے حد پسندیدگی سے مومنہ کی جانب دیکھا وہ اس وقت بے حد سوبر لگ رہی تھی، کچھ دیر میں صائمہ خالہ بھی اپنی فیملی کے ساتھ آ گئیں تھیں، کھانے سے فارغ ہو کر سب خوشگوار گپ شپ میں مگن ہو گئے، لڑکے لڑکیوں نے ڈھولک رکھ لی تھی، نمرا اور مومنہ گو اس کے حق میں نہیں تھیں، انہیں اپنے ابو کی بے حد یاد آ رہی تھی۔

کچھ دیر میں سب اتنے پر رونق اور اپنائیت بھرے ماحول کا حصہ بن گئے تھے، رات میں صائمہ ثنا اور اپنے بھائی سلیم کو اپنے گھر لے گئی تھیں۔

صبح ہوتے ہی گھر میں شادی کی مخصوص چہل پہل شروع ہو گئی، امی آج بے حد اداس تھیں، نمرا کی جدائی کے خیال سے چپکے چپکے کئی بار آنسو بہا چکی تھیں، نمرا بھی ایسی کیفیت سے دوچار تھی، وقت پہ سب پہنچ گئے تھے شادی ہال میں۔

میڈم سائرہ بھی آ گئی تھیں، امی اور نمرا سے ملیں، سائرہ میڈم کو ان سب سے مل کر بہت اچھا لگا، صائمہ حیرت سے اس خاتون کو دیکھ رہی تھی، جنہوں نے خاصے قیمتی کپڑے اور ڈائمنڈ کا سیٹ پہن رکھا تھا وہ بیش قیمت گفٹ لے کر آئی تھیں۔

''مومنہ کو آپ کیسے جانتی ہیں؟'' آخر کار بے صبری سے پوچھ ہی لیا، مومنہ کے لئے ان کی اپنائیت صائمہ کو کھٹک رہی تھیں۔

''یہ جاب کرتی ہے میرے پاس۔'' سادگی سے میڈم سائرہ نے کہا۔

''کیا جاب؟'' صائمہ نے چبھتا ہوا سوال کیا مومنہ کو بغور دیکھ کر۔

صائمہ کے سوال پہ مومنہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا، جانتی تھی اگر سچ پتہ چل گیا تو انہوں نے اور ہی رنگ لینا ہے، خاندان بھر میں باتیں الگ کرنی تھیں۔

''میرا امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ کا بزنس ہے اور مومنہ میری پرسنل سیکرٹری ہے، بہت ذہین اور ذمہ دار لڑکی ہے۔'' سائرہ میڈم نے مومنہ کا چہرہ دیکھ کر جھوٹ بول دیا۔

سائرہ میڈم کا جواب سن کر جہاں صائمہ کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا، وہاں مومنہ کی جان میں

جان آ گئی تھی، مومنہ نے نظروں ہی نظروں میں میڈم کا شکریہ ادا کیا، سائرہ میڈم جواباً مسکرائی مومنہ کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

تب ہی علی کی نظر مومنہ پر پڑی ٹی پنک پائجامہ فراک پہنے ہلکے میک اپ کیے وہ سیدھی اس کے دل میں اتری جا رہی تھی، وہ ہمیشہ بے حد سادہ رہتی تھی، مگر آج ہلکے سے سنگھار نے اسے بے حد حسین اور نمایاں کر دیا تھا۔

''آج تو پہچانی نہیں جا رہی، چہرہ بہت چمک رہا ہے۔'' علی نے قریب آ کر کہا۔

''کیا فائدہ چہرے چمکنے کا جب مقدر نہ چمکے۔'' صائمہ نے سفاکی سے جواب دیا۔

''اللہ نہ کرے، بہن آپ ایسی باتیں مت کریں، اللہ مومنہ کا نصیب بے حد اچھا کرے گا، صاف دل کے لوگوں کے چہرے ایسے ہی چمکتے ہیں۔'' سائرہ میڈم نے صائمہ پہ طنز کیا، صائمہ تلملا کر رہ گئیں، انہیں سائرہ میڈم کی حمایت بہت بری لگ رہی تھی۔

''یہ تمہاری سگی خالہ ہے؟'' سائرہ میڈم نے علی کی موجودگی میں حیرت سے دریافت کیا۔

''جی میڈم!'' مومنہ نے شرمندگی محسوس کی، علی البتہ خاموش تھا۔

بارات آ گئی تھی، یاسر کو دیکھ کر سب نے سراہا۔

صائمہ ایک مرتبہ پھر حاسد ہوئی تھیں، رخصتی بخیر و عافیت ہو گئی تھی۔

دوسرے دن ولیمہ تھا، ولیمہ بہت زبردست تھا، نمرا ایپل گرین شرارے میں بہت نکھری نکھری خود اعتماد لگ رہی تھی۔

''نمرا بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔'' مومنہ نے متاثر کن لہجے میں پیار سے کہا۔

''ہاں، لیکن تم سے کم۔'' نمرا نے نیوی بلیو اور زنک کلر سوٹ پہنے مومنہ کو جواب دیا۔

''بدتمیز۔'' مومنہ خفگی سے بولی۔

ولیمے کے بعد سب تھکان کا شکار ہو گئے تھے، دوسرے دن صبح ہی سب اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئے، نمرا کی کمی امی اور مومنہ کو بہت محسوس ہو رہی تھی، کمرے میں صحن میں کچن میں ہر دم وہ کام کرتی پھرتی تھی، اب جیسے سناٹا چھا گیا تھا۔

''امی! میرے جاب پہ جانے کے بعد آپ کیسے تنہا رہیں گی؟'' مومنہ فکر مند ہوئی تھی۔

''بیٹا! وقت گزارنا تنہا بڑا مشکل ہے لیکن کیا کریں دوسرا کوئی راستہ نہیں اور ایک دن تمہاری بھی تو شادی ہو جائے گی۔'' امی رنجیدہ تھیں۔

''امی! میں آپ کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گی۔'' مومنہ جذباتی پن سے بولی۔

''بیٹا! تم اپنے گھر جاؤ گی تو مجھے زیادہ اطمینان ہو گا، میری بیٹی اپنے گھر میں خوش ہو، اس سے زیادہ کیا خوشی کی بات ہو گی میرے لئے۔'' امی بولیں۔

''میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گی، آپ کی خدمت کروں گی۔'' مومنہ ضدی انداز میں بولی۔

''تمہیں اپنی خدمت کے لئے رکھ کر میں تمہاری زندگی برباد کر لوں، میرے بعد کیا کرو گی، تم تنہا رہ جاؤ گی؟'' امی نے پیار سے سمجھایا۔

''امی! اگر ہمارا بھائی ہوتا تو......'' مومنہ کی دبی دبی خواہش منہ سے نکلی تھی۔

''بیٹا! اللہ کی حکمت پوشیدہ ہو گی، ہم اس کی رضا میں راضی ہیں۔'' امی بے نیازی سے بولیں۔

''امی! آج کیا بنانا ہے؟ آج نمرا اور یاسر بھائی آئیں گے؟'' مومنہ نے پوچھا۔

''داماد پہلی بار گھر آئے گا۔'' امی فکر مند نظر

آئیں۔
''میں پلاؤ اور کوفتے بنا لوں گی تم کباب اور کسٹرڈ بنا لینا۔'' انہوں نے کام بانٹے۔
اس سے قبل نمرا تمام کچن کا کام اکیلی ہی کرتی تھی۔
''امی! سودا سلف لانا ہوگا۔'' مومنہ کو یاد آیا، چکن اور چاول ختم تھے۔
''علی آجائے تو اس سے منگوا لیں گے۔''
امی اطمینان سے بولیں۔
''امی! علی کو چھوڑیں، میں اور آپ خود چلے جاتے ہیں، علی نے ایک گھنٹہ باتیں کرتی ہیں پھر نہیں جانا ہے۔'' مومنہ کے چہرے پہ بیزاری نمایاں ہوئی۔
''بے چارہ محبت میں آجاتا ہے ورنہ آج کل کسے فرصت ہے۔'' امی کے لہجے میں بھانجے کے لئے محبت تھی۔
مومنہ نے بحث سے گریز کیا تھا، کچھ دیر میں امی کی بات سچ ثابت ہوئی تھی، علی صاحب تشریف لے آئے تھے۔
''لو علی آگیا۔'' امی بے ساختہ دیکھ کر بولیں۔
''خالہ! آپ یاد کریں اور ہم نا آئیں۔''
علی مسکرایا۔
''بیٹا! مارکیٹ جانا تھا، آج نمرا اور یاسر آئیں گے، کچھ سامان لانا ہے۔'' لسٹ دیتے ہوئے مومنہ نے بتاتے ہوئے پرس سے پانچ ہزار کا نوٹ نکال کے اسے بڑھایا۔
''پیسے رہنے دو، سامان لے آتا ہوں۔''
علی نے جواب دیا۔
''پیسے پکڑو۔'' مومنہ کے چہرے پر سنجیدگی نمایاں تھی، اس کا مطلب تھا، وہ مزید بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔
''مومنہ! اپنوں میں تکلف نہیں کرتے۔''
علی نے اس کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔
''صائمہ آنٹی کے سامنے بھی کہنا، فی الحال یہ پیسے پکڑو۔'' مومنہ نے طنز کیا۔
''تمہیں تو پتہ ہے ان کا مزاج ایسا ہی ہے۔'' علی نے صلح جو انداز میں کہا۔
''بہت ضدی ہو۔'' علی خفا نظر آنے لگا۔
کھانا تیاری کے آخر مراحل میں تھا، کہ یاسر بھائی اور نمرا کی آمد نے گھر کی خاموشی کو توڑا تھا۔
یاسر بھائی اور علی کے قہقہے گونج رہے تھے، نمرا امی کو اپنے سسرالیوں کے متعلق بتا رہی تھی، مومنہ تیز تیز کام ختم کر رہی تھی، اطمینان بخش بات نمرا کا پُراعتماد انداز چہرے پہ بکھرے حیا کے رنگ، لبوں پر بکھرتی دھیمی مسکان دیکھ کر نمرا کی طرف سے بے فکری ہوئی تھی۔
کھانا بے حد خوشگوار ماحول میں سب نے مل کر خاموشی سے کھایا تھا، ان کے واپس جاتے ہی ہر طرف خاموشی چھا گئی تھی، امی بھی شادی کی تھکان کے باعث جلدی سو گئیں تھیں، تاہم وہ دیر تک جاگ کے نمرا کی کمی محسوس کرتی رہی۔
صبح حسب دستور فجر کی نماز کے بعد مومنہ نے کپڑے پریس کیے آج اسے سائرہ میڈم کے پاس بھی جانا تھا۔
لیکن آج میڈم کے پاس جاتے ہوئے اسے امی کی بے حد فکر ستا رہی تھی، امی کی تنہائی کے خیال سے پریشان تھی، اس کی پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔
''مومنہ! کیا بات ہے؟'' سائرہ میڈم نے پوچھا۔
''کچھ نہیں، میڈم سوچ رہی ہوں، امی

اکیلی ہو گئی ہیں، نمرا تھی تو کسی بات کی فکر نہیں تھی۔'' مومنہ نے کہا۔
''ہاں، یہ بات تو ہے، اب تم ایسے کیا کرو، میرے پاس دس بجے اپنے کام ختم کر کے آیا کرو اور شام پانچ بجے واپس چلی جایا کرو۔'' انہوں نے تجویز پیش کی۔
''تھینک یو سو مچ میڈم یو آر سو گریٹ۔'' مومنہ بے ساختہ بولی۔
''اچھا، زیادہ تعریف کی ضرورت نہیں ہے، تم سب کام چھوڑو کچن سے مٹھائی لے کر آؤ۔'' انہوں نے کہا۔
''او کے۔'' مومنہ کچن میں گئی تو چم چم اور گلاب جامن رکھے تھے، مومنہ ایک پلیٹ میں رکھ کے لے آئی، ٹیبل پہ سائرہ میڈم کے سامنے رکھے۔
''کھاؤ۔'' میڈم بولی۔
''میڈم کس خوشی میں؟ عمر صاحب کی منگنی ہو گئی ہے؟'' مومنہ نے خوشدلی سے پوچھا۔
''اللہ وہ وقت بھی لائے گا، فی الحال تو عمر نیکسٹ منتھ آ رہا ہے، میں بہت خوش ہوں۔'' میڈم ہنسیں۔
''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، آپ کی تنہائی ختم ہو جائے گی۔'' مومنہ کو واقعی خوشی ہو رہی تھی، میڈم سے اس کی انسیت اپنائیت اور محبت میں بدل گئی تھی۔
''روبی کے والد صاحب کو بھی اطلاع دوں گی، وہ بھی خوش ہو جائیں گے۔'' میڈم بولیں۔
''اور روبی بھی۔'' مومنہ نے یاد دہانی کروائی۔
''ہاں، تم دیکھنا میں کتنی دھوم دھام سے عمر کی شادی کروں گی، میرا سب کچھ میرا بیٹا ہی ہے۔'' سائرہ میڈم بے حد محبت سے جذباتی انداز میں بولیں۔
''اللہ پاک خوشی مبارک کرے۔'' مومنہ نے دل ہی دل میں دعا کی۔
''سنو تم میری بیٹی ہو، تمہارا اس گھر سے تعلق قائم رہے گا۔'' انہوں نے نرمی سے کہا۔
''جی بالکل۔'' مومنہ نے تائید کی۔
''لیکن تم شادی کے بعد نجانے کہاں چلی جاؤ۔'' میڈم اداس نظر آنے لگیں۔
''جہاں بھی جاؤں گی، امی سے ملنے آؤں گی تو آپ سے بھی ضرور ملوں گی۔'' مومنہ نے محبت سے جواب دیا۔
''جیتی رہو۔'' میڈم خوش ہو گئیں۔
''میڈم آپ کو کیسے لگے یاسر بھائی؟'' مومنہ کو یاد آیا۔
''ماشاء اللہ خوبصورت شریف النفس لڑکا لگ رہا تھا، سب لوگ ہی اچھے تھے، لیکن تمہاری خالہ کا مزاج مجھے پسند نہیں آیا۔'' میڈم صاف گوئی سے بولیں۔
''تمہاری امی بہت سادہ مزاج کی ہے مگر خالہ تیز مزاج کی ہے، بڑا تنقیدی مزاج پایا ہے۔''
''ایک ہی خالہ ہیں میری۔'' مومنہ مسکرائی۔
''یہ ایک بھی نہ ہوتی تو فرق نہ پڑتا۔'' میڈم نے چھیڑا۔
''یہ تو ہے۔'' مومنہ بیچارگی سے بولی۔
''سنو!'' میڈم ذرا قریب آ کر راز داری سے بولیں۔
''یہ علی تم میں انٹرسٹیڈ ہے؟'' مومنہ کچھ دیر کے لئے چپ ہو گئی۔
''میں انہیں جانتی۔''
''مجھے ایسے لگتا ہے پوری شادی میں تم ہی کو

دیکھے جا رہا تھا، خیر تم لگ ہی اتنی پیاری رہی تھی، سب کی توجہ کا مرکز بن رہی تھی۔'' انہوں نے سچائی سے کہا۔

''لوگوں کی تو عادت ہوتی ہے بلاوجہ لڑکیوں کو گھورنا۔'' مومنہ بیزاری سے بولی تھی۔

سطحی لڑکیوں کی طرح اسے یہ جان کر بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا کے وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی، وہ حیادار مشرقی لڑکی تھی، تب ہی اس کے موبائل پہ بپ ہوئی، ان بکس کھولا تو علی کا میسج تھا۔

بس اتنا یاد رکھ مجھے
جیسے کسی کتاب میں
بیتے دنوں کے دوست کا
اک خط پڑا ہوا ملے
لفظ مٹے مٹے سے ہو
رنگ اڑا اڑا سا ہو
لیکن وہ اجنبی نہ ہو
بھولے ہوئے تمام دکھ
بیتے دنوں کا سب کچھ
تجھ سے کہے اور تو رو پڑے
بس اتنا سا یاد رکھ مجھے
کہ جب کبھی بات یہ بات
یاد ہماری آجائے تو تھوڑا سا مسکرا لینا
اور دل کو یہ سمجھا لینا
نادان سا ہے پر سچا ہے
بس اتنا سا یاد رکھ مجھے

''کس کا میسج ہے؟'' میڈم نے دریافت کیا۔

''علی کا ہے، وہ خواہ مخواہ کرتا رہتا ہے، میں ریپلائے بھی نہیں کرتی۔'' مومنہ نے شرمندہ ہوتے ہوئے میڈم سے کہا۔

''ہوں، لیکن اس کی امی تمہارا جینا حرام کر دے گی، ایسی عورتیں محض اپنی حکمرانی چاہتی ہیں اور وہ اس صورت میں جب بیٹا اکلوتا ہو۔'' میڈم نے تبصرہ کیا۔

''میں ایسا کچھ نہیں سوچتی۔'' مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں مجھے یقین ہے مگر وہ تو سوچ سکتا ہے نہ؟'' میڈم بولیں۔

''خالہ ایسا کبھی نہیں چاہیں گی۔'' مومنہ نے بتایا۔

''وہ تو لگ رہا ہے اتنی حسین اور وہ بھی بیٹے کی پسندیدہ اتنا ظرف نہیں اس خاتون میں۔'' میڈم مسکرائیں۔

''نہ ہو، یہاں کون خواہشمند ہے۔'' مومنہ بے نیازی سے بولی تو سادہ بیگم اس کی سادگی دیکھ کر کچھ سوچنے لگیں۔

☆☆☆

''امی! مجھے آپ سے بات کرنی ہے؟'' علی نے رغبت سے کھانا کھاتیں صائمہ کو مخاطب کیا۔

''بولو۔'' وہ متوجہ ہوئی، مگر دھیان اور نظریں پلیٹ پہ مرکوز تھیں۔

''میں مومنہ کو پسند کرتا ہوں، آپ خالہ سے رشتہ کی بات کریں، اس سے قبل کوئی اور آ جائے۔'' علی نے صاف دو ٹوک انداز اختیار کیا تھا۔

صائمہ کو لگا وہ طوفان کی زد میں آگئی ہے، انہیں بے حد تکلیف ہوئیں۔

''علی! یہ کیا مذاق ہے؟'' وہ گرجیں۔

''یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔'' علی نے ان کا پھیکا پڑتا چہرہ دیکھا۔

''یہ ناممکن ہے۔''

''کیوں؟''

''مجھے وہ پسند نہیں۔''

''اس میں کیا خامی ہے؟''
''اس کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ مجھے پسند نہیں۔'' انہوں نے نخوت سے کہا۔
''لیکن مجھے وہ بہت پسند ہے۔'' علی بضد تھا۔
''میں جانتی ہوں، مومنہ نے تمہیں پھانسا ہے۔'' انہوں نے نفرت سے کہا۔
''آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں، یہ میری اپنی آرزو ہے، میری اپنی خواہش ہے۔'' علی نے یقین دلانا چاہا۔
''علی! میں جانتی ہوں تمہیں رشتہ بھیجنے کے لئے مومنہ نے کہا ہوگا، وہ میسنی لڑکی ہے، تمہیں مجبور کیا ہوگا۔'' صائمہ یقین سے بولیں تھیں۔
''مجھے مومنہ نے ایسا کچھ نہیں کہا، اس نے کبھی ایسی بات نہیں کی ہے، وہ میرے جذبات سے انجان ہے، وہ اس کا مزاج مجھے اچھا لگتا ہے۔'' علی نے حقیقت بیان کی تھی۔
''مجھے یہ رشتہ نہیں کرنا وہ لوگ ہمارے اسٹیٹس کے نہیں ہیں۔'' صائمہ غرور سے بولیں۔
''میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے امی اور میں اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔'' علی نے اٹل انداز میں جواب دیا اور وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔
صائمہ سر تھام کر رہ گئیں، انہیں علی کی ضد بری نہیں لگ رہی تھی، انہیں مومنہ پہ تاؤ تھا، جس کی وجہ سے ان کا اکلوتا عزیز بیٹا منہ کو آ رہا تھا۔
''مومنہ بی بی میں تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہونے دوں گی، میرے گھر میں آ کر عیش کرنا چاہتی ہو، میرے بیٹے کو مجھ سے چھیننا چاہتی ہو۔'' صائمہ نفرت سے دل ہی دل میں مومنہ سے مخاطب تھیں۔

☆☆☆

مومنہ خلاف توقع جلدی گھر آ گئی تھی، اس کو دیکھ کر خوش ہی ہو گئی تھیں، تنہائی کاٹنے کو آ رہی تھی۔
''مومنہ! میڈم کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' صالحہ بیگم نے پوچھا۔
''جی! میڈم نے کہا ہے کہ تم اب دس سے پانچ تک آیا کرو، تمہاری امی بھی تنہا ہوتی ہیں۔'' مومنہ نے بتایا، اس کے چہرے پہ اطمینان تھا۔
''یہ تو بہت اچھا ہو گیا۔'' صالحہ خوش تھیں۔
''امی! آج کا دن کیسا گزرا؟'' مومنہ نے عبایا کے بٹن کھولے۔
''نمرا یاد آتی رہی۔'' صالحہ کے چہرے پہ اداسی نمایاں ہوئی۔
''آپ! فون کر لیتی؟'' مومنہ نے عبایا کو ہینگر کیا۔
''آیا تھا نمرا کا فون، وہ اپنی نند کی دعوت میں گوجرانوالہ جا رہی ہے۔'' صالحہ نے بتایا۔
''واؤ نمرا کے سیر سپاٹے شروع۔'' مومنہ مزے سے بولی۔
''اس کے بعد لاہور بھی جائے گی۔'' صالحہ نے مزید معلومات فراہم کیں۔
''امی! نمرا کے یہ ہی دن ہے گھومنے پھرنے کے، پھر اس کے بعد یاسر بھائی سعودیہ چلے جائیں گے۔'' مومنہ افسردگی سے بولی۔
''ہاں بیٹا! کچھ دن کی رونق ہے، پھر اس کے بعد اس کا دل بھی نہیں لگے گا۔'' صالحہ مسکرائیں۔
''دل کیوں نہیں لگے گا، ہم ہیں نا۔'' مومنہ خفگی سے بولی۔
''بیٹا! ہر رشتے کی اپنی جگہ ہوتی ہے، شادی کے بعد بیوی کے لئے شوہر سب سے اہم ہو جاتا ہے۔'' صالحہ رسان سے بولیں۔

''عجیب منطق ہے خیر کیا بنایا ہے آج؟''
مومنہ کو اچانک بھوک کا احساس ہوا تھا۔
''آلو گوشت۔'' صالحہ نے جواب دیا۔
''ٹھیک ہے میں نماز پڑھ لوں پھر کھانا کھاؤں گی۔'' مومنہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔
نماز کے بعد کھانا اور پھر نمرا سے بات کر کے اس نے اپنے اور امی کے کپڑے دھوئے تھے اور پھر چائے بنا کر صالحہ کے پاس آ گئی۔

☆☆☆

علی نے صائمہ کو تنگ کیا ہوا تھا، عاجز تھیں صائمہ علی کی ضد سے مگر بہرحال مومنہ انہیں قبول نہیں تھی۔
علی کے والد صاحب کا کہنا تھا کے جوان بیٹے سے ضد کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، وہ بدظن ہو جائے گا، مومنہ کے حسن کا اسیر ہو گیا ہے، نصیحتوں سے افاقہ نہیں ہوگا۔
''مگر مومنہ۔'' وہ بے بسی سے بولیں۔
''مومنہ میں ایسی کوئی خامی نہیں جس کی دلیل دے کر تم اسے مطمئن کر سکو۔'' صائمہ خاموش ہو گئیں، یہ ہی تو مسئلہ تھا، کیا کرتی، کیسے بدظن کرتی، علی آج کل دیر سے آتا تھا، کھانا بھی گھر نہیں کھا رہا تھا، انہیں علی سے بے حد محبت تھی مگر مومنہ سے چڑ میں اضافہ ہو رہا تھا۔
''امی! آپ خالہ کے گھر کب جائیں گی؟'' علی نے رات بنا کسی تمہید کے ان سے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا تھا۔
''کبھی بھی نہیں۔''
''ٹھیک ہے، امی میں اسٹڈی ویزے پر یو کے جا رہا ہوں، اب آپ کر لیجئے گا مومنہ سے ضد کا شوق پورا۔'' علی نے طنز سے کہا۔
صائمہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، بہرحال وہ اپنے بیٹے سے بے حد محبت کرتی تھیں فی الحال اور کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔
''فی الحال مومنہ سے منگنی کر دو تو؟'' صائمہ کچھ سوچ کر بولیں۔
''پھر تو مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے نا۔''
''نہیں پھر میں نہیں جاؤں گا۔'' علی فوراً بولا۔
''ٹھیک ہے۔'' صائمہ تھکے ہارے انداز میں گویا ہوئیں تھیں۔
''سچ امی۔'' علی بے ساختہ چلایا۔
''ہاں مگر تم نے میری بات نہیں مانی، اپنی ضد منوائی ہے، یاد رکھنا میں خوش نہیں ہوں۔'' صائمہ رنجیدہ نظر آ رہی تھیں، مگر علی اتنا خوش تھا کہ صائمہ کی رنجیدگی اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔
''اولاد کی محبت بھی کیسی آزمائش میں مبتلا کر دیتی ہے۔'' صائمہ محض سوچ کر رہ گئیں۔
علی خوشی خوشی اپنے بیڈ روم میں آیا، مومنہ کا نمبر ڈائل کرنے لگا مگر پھر سرپرائز کا سوچ کے رک گیا، اگلے ہی دن صائمہ علی کے مجبور کرنے پہ مومنہ کے گھر چلیں آئیں۔
''ارے صائمہ! تم صبح صبح؟'' صالحہ بے حد خوش ہوئیں، صائمہ کو اپنے گھر دیکھ کر۔
''مومنہ کہاں ہے؟'' صائمہ بہن کو نظر انداز کر کے بولیں۔
''مومنہ اپنی ڈیوٹی پہ ہے۔'' صالحہ نے بتایا۔
''میں علی کی خواہش پہ مومنہ کا رشتہ طلب کرنے آئی ہوں۔'' صائمہ بے دلی سے بولیں۔
''مومنہ تمہاری ہی بیٹی ہے۔'' صالحہ بہت خوش ہو گئیں اچانک سے جیسے بڑی خوشی میسر آ گئی ہو۔
کچھ دیر بیٹھ کر صائمہ واپس آ گئی بہن سے ایک مرتبہ ہی کہنے کے بعد دوبارہ بات نہیں کی

رشتے کی، ان کے جانے کے بعد صالحہ نے نمرا کو فون کیا نمرا کی خوشی قابل دید تھی، علی اسے بھائیوں کی طرح عزیز تھا۔

مومنہ البتہ حیران ہوئی، اسے صائمہ سے توقع نہیں تھی، مگر چپ رہی۔

''مومنہ! تمہاری کیا رائے ہے بیٹا!'' صالحہ نے رات میں ناول پڑھتی مومنہ سے مشورہ طلب کیا۔

''امی! جو آپ کو بہتر لگے۔'' مومنہ نے فرمانبرداری سے کہا تھا۔

اس کا ذہن صاف تھا، اس نے کبھی بھی کچھ ایسا ویسا نہیں سوچا تھا۔

''تمہیں علی کیسا لگتا ہے؟'' صالحہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

''امی! علی کے متعلق میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا، آپ کو پسند ہے تو ٹھیک ہے وہ مگر صائمہ خالہ کا مزاج کچھ ناراض ناراض رہتی ہیں مجھ سے۔''

''بیٹا! صائمہ مزاج کی تیز ہے اس کا رویہ سبھی کے ساتھ ہی ایسا ہے، مگر دیکھو اگر تمہیں ناپسند کرتی تو تمہارا رشتہ لینے کیوں آتی۔'' صائمہ نے سمجھایا۔

مومنہ خاموش ہوگئی، اب وہ مزید کیا کہتی، پھر صائمہ فون کر کے آنے والی اتوار کو منگنی کی تقریب رکھ لی، نمرا تو خبر سنتے ہی بھاگے چلی آئی، صائمہ خواہش مند تھی علی ان کا اکلوتا بیٹا ہے وسیع پیمانے پہ اس کی منگنی کی تقریب منعقد کی جائے، مگر مومنہ کا موقف تھا یہ حال ہی میں نمرا کی شادی کے باعث ان کے مالی حالات انہیں کسی فنکشن کو دھوم دھام سے کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں، صائمہ کو مومنہ کی ضد پہ تاؤ آ گیا مگر خلاف توقع چپ ہوگئیں تھیں۔

☆☆☆

''میڈم آپ آئیں گی نا؟'' مومنہ نے سائرہ بیگم کو اپنے رشتے کا بتاتے ہوئے منگنی پر انوائیٹ کیا۔

''بالکل بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے؟ تم انوائیٹ نہ کرو، ہم تب بھی آئیں گے۔'' میڈم خوشدلی سے بولیں، مومنہ مسکرائی۔

''علی کے متعلق میرا شبہ درست تھا، اس کی آنکھوں میں تمہارے لئے پسندیدگی تھیں یہ بتاؤ تم۔''

''خوش ہو؟'' انہوں نے مومنہ کو گہری نظر سے پرکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں؟'' مومنہ بھولپن سے بولی۔

''یہ سوچنے کی نہیں محسوس کرنے کی بات ہے ڈیئر۔'' میڈم نے تصحیح کی۔

''جذبات، احساسات وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں، رشتے بدلتے ہی جذبات، احساسات سب محسوس ہوں گے۔'' میڈم کی بات پر مومنہ محض مسکرا کر رہ گئی۔

اتوار کا دن بھی آ گیا۔

مومنہ پنک سوٹ میں ہلکے میک اپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی، علی بھی موجود تھا، نیوی بلیو کرتا پہنے خوبرو لگ رہا تھا۔

صائمہ نے بے دلی سے مومنہ کو انگوٹھی پہنائی ان کا بیٹا جن محبت بھری نظروں سے مومنہ کو دیکھے جا رہا تھا، انہیں مومنہ زہر لگ رہی تھی۔

میڈم، علی اور مومنہ کے لئے بیش قیمت گفٹ لے کر آئی تھیں۔

کچھ دیر بعد سب کھانے وغیرہ میں مگن ہو گئے تو مومنہ اٹھ کر باہر صحن میں آ گئی، علی اس کے تعاقب میں آیا۔

''مبارک ہو۔'' علی اس کے سامنے تھا۔
''خیر مبارک۔'' مومنہ دھیمے سے بولی۔
''آج میں بہت خوش ہوں۔'' علی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، وہ حسن کی دیوی کو دیکھے گیا۔
''سچ پوچھو تو میں یہی دعا کر رہا تھا جب سے امی نے کہا اس ہفتے تمہاری انگلی میں انگوٹھی پہنائیں گی تب سے میں بے چین ہو گیا اور چاہتا تھا جلد سے جلد یہ دن آ جائے، میرے نام کی انگوٹھی تمہاری انگلی میں آ کر اور بھی حسین ہو گئی ہے۔'' علی محبت کے احساس سے مغلوب ہو کر بولا، مومنہ شرمیلی مسکان لئے قدرے جھک گئی۔
''تم خوش تو ہو نہ؟'' علی نے پوچھا۔
''یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' مومنہ نے سر اٹھایا۔
''اس لئے کہ تم نے ہمیشہ میری محبت کو نظر انداز کیا، محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا۔'' علی کے انداز میں بے یقینی اور بے اعتمادی کا عنصر موجود تھا۔
''علی! اس وقت تم میرے کزن تھے، ہر بات اپنے وقت پہ اچھی لگتی ہے، جب وقت آئے گا تم میری محبت میں کمی نہیں پاؤ گے۔'' مومنہ نے جواب دیا۔
مومنہ کے جواب نے علی کے چہرے پہ چراغاں کر دیا، وہ بے حد مطمئن ہو گیا تھا، مومنہ کے چہرے پہ خوبصورت مسکراہٹ تھی، ایسی مسکراہٹ جس پہ وہ دل و جان سے فدا ہونے کو تیار تھا۔
''چلو تم اب اندر جاؤ، سب نے کھانا کھا لیا ہو گا۔'' مومنہ نے سنجیدگی سے ٹوکا۔
''اگر نہ جاؤں تو؟'' مقابل نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مخمور لہجے میں کہا۔
''تو میں چلی جاؤں گی۔'' مومنہ نے فوراً جواب دیا۔
''تم وہ ہی مومنہ ہو؟'' علی بدمزہ ہوا۔
''تم بھی وہ ہی علی ہو، ہر وقت سر پہ سوار رہنے والے۔'' مومنہ نے چھیڑا۔
''غلطی کی منگنی کے بجائے نکاح کروا لیتا، کوئی جواز نہ ہوتا تمہارے پاس فرار کا۔'' علی نے آہ بھری۔
''جیسے میں تو تیار ہی تھی نکاح کے لئے۔'' مومنہ نے چڑایا۔
''اچھا جناب یہاں ہیں۔'' نمرا بھی چلی آئی۔
''مبارکباد دینے آیا تھا۔'' علی بولا۔
''دے لی تو خالہ بلا رہی ہیں۔'' نمرا نے پیغام دیا۔
''اوکے!'' علی مومنہ پہ اک نظر ڈال کے کھڑا ہوا تھا۔
''فون پہ اب تو بات کیا کرو گی؟'' جاتے جاتے علی کو خیال آیا تو مڑ کے پوچھا، مومنہ چپ رہی، فونز کا لفڑا اسے پسند نہیں تھی، مگر آج کے دن علی کی خوشی خراب کر کے کے لئے انکار نہیں کر سکتی تھی، اس لئے چپ رہی۔
''لڑکی کی خاموشی میں اقرار ہوتا ہے۔'' علی نے اسے بولنے پر اکسایا۔
''مشرقی لڑکی ہے ہماری۔'' نمرا نے جواب دیا۔
''جناب اب آپ تشریف لے جائے ورنہ خالہ برہم ہو جائیں گی۔'' علی کمرے میں چلا گیا۔
''انگوٹھی دکھاؤ۔'' نمرا نے کہا، مومنہ نے ہاتھ آگے کر دیا۔
انگوٹھی پرانی اور ہلکی تھی، نمرا حیران ہوئی،

اکلوتی بہو کو یہ انگوٹھی جب کے پیسوں کا بھی مسئلہ نہیں تھا۔

''انگوٹھی تو خاص نہیں۔'' نمرا مایوسی سے بولی۔

''کیا فرق پڑتا ہے ان چیزوں سے۔'' مومنہ بے نیازی سے گویا ہوئی۔

''فرق نہیں پڑتا مگر محبت ظاہر ہوتی ہے۔'' نمرا سنجیدہ تھی۔

''یاسر بھائی کب جائیں گے؟'' مومنہ نے موضوع بدلا۔

''بیس تاریخ کو۔'' نمرا کے چہرہ پہ تفکر نمایاں ہوا۔

''تم بھی ساتھ چلی جاؤ؟'' مومنہ نے مفت مشورہ دیا۔

''نہیں، اتنی جلدی ممکن نہیں ہے۔'' نمرا نے بتایا۔

''اب تم علی کے ساتھ اپنا رویہ تبدیل کرو، کزن کی طرح ٹریٹ کرتے ہوئے لڑنا مت۔'' نمرا نے مسکراتے ہوئے اس کو تنگ کرنے لگی۔

''او کے۔'' مومنہ سعادت مندی سے سر ہلانے لگی۔

''تم، بہت سمجھدار ہو، مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے، اب اندر چلو پرانے زمانے کی ہیروئن کی طرح چھپ گئی ہو۔'' نمرا کھڑی ہوئی۔

''میڈم نے کھانا کھا لیا؟'' مومنہ نے پوچھا۔

''بہت جلدی خیال آ گیا آداب میزبانی کا؟''

''آج کے دن کیا میری بخشش نہیں ہو سکتی؟'' مومنہ جھنجلائی۔

''ویسے مومنہ تمہاری میڈم تمہاری ذمہ داری تمہاری حساس طبیعت کی بڑی تعریف کر رہی تھی۔'' نمرا متاثر کن لہجے میں بولی۔

''یہ میڈم کا بڑا پن ہے، وہ خود بہت خیال رکھتی ہیں، ان کی مہربان طبیعت کی وجہ سے میں یہاں اب تک ہوں۔'' مومنہ ممنون تھی۔

دونوں باتیں کرتیں اندر آئیں، میڈم اور صائمہ خالہ جانے کے لئے تیار تھیں، ان سے ملنے اور رخصت کرنے کے بعد مومنہ نے برتن سمیٹے، نمرا نے کمرے کی صفائی کی تھی، مومنہ رات بارہ بجے کام نپٹا کے تھکن سے نڈھال تھی، اور لیٹتے ہی سو گئی۔

رات ایک بجے علی مومنہ کا نمبر ٹرائی کرتا رہا مگر مومنہ نیند کی پکی تھی، سو موبائل کی بیل نیند میں خلل نہ ڈال سکی۔

''مومنہ لگتا ہے تمہیں خوابوں میں پہنچنے کی جلدی تھی۔'' علی میسج کر کے سو گیا تھا۔

صبح روٹین کے کام نپٹا کے میڈم کے پاس پہنچی تھی، نمرا بھی بارہ بجے واپس اپنے سسرال چلی گئی تھی۔

☆☆☆

صبح جلدی میں گھر سے نکلی تھی اس لئے مومنہ نے موبائل نہیں دیکھا، دن میں میڈم کے گھر موبائل دیکھا تو علی کی مسڈ کالز اور میسج دیکھا۔

''رات تھک گئی تھی اس لئے جلدی سو گئی تھی۔'' مومنہ نے جواب دیا خلاف توقع مگر پھر علی کے ایک کے بعد ایک میسج آنے لگے، وہ بزی تھی، بار بار موبائل کی بپ پہ وہ میڈم کے سامنے شرمندہ ہوئی، موبائل سائلنٹ پہ لگا دیا تھا۔

''یہ علی صاحب جاب وغیرہ نہیں کرتے؟'' میڈم نے چھیڑا۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے۔'' مومنہ شرمندہ ہوئی۔

''خیر آج کل کے لڑکے منگنی کے بعد فونز پہ اسی طرح ہی بزی ہو جاتے ہیں اور علی تو ویسے ہی تم سے محبت کرتا ہے۔'' میڈم نے مومنہ کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر وضاحت کی تھی۔

''علی! پلیز میں ڈیوٹی پہ ہوں اور بزی ہوں۔'' مومنہ نے کچھ دیر بعد میسج کیا۔

''تو کیا ہوا، میں بھی ڈیوٹی پہ ہوں، ہینڈ فری لگا کے بات کرو۔'' علی نے لکھا۔

''کیا بات؟ ابھی کل ہی تو تم ملے ہو؟'' مومنہ جھنجھلائی۔

مومنہ نے فونز کالز کو کبھی پسند نہیں کیا تھا، لیکن علی کا وہ لحاظ کر رہی تھی، لیکن علی اس کی مجبوری سمجھ نہیں رہا تھا۔

''مجھے بیس ہزار کام کے ملتے ہیں۔'' مومنہ نے سوچا اور کام میں بزی ہو گئی، اسے کچن میں ختم تمام سودا سلف کی لسٹ بنانی تھی، میڈم کی میڈیسن ڈرائیور سے منگوانی تھی، آج میڈم کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھی جانا تھا، مومنہ نے آج کے کام یاد کیے، فری ہوتے ہوتے اسے چھ بج گئے تھے، واپسی میں میڈم نے اسے ڈراپ کر دیا تھا۔

''امی! علی آج سارا دن فون اور میسج کرتا رہا، میں نے بتایا کہ میں ڈیوٹی پہ ہوں، میڈم کیا سوچتی ہو گی۔'' مومنہ کو اپنی ریپوٹیشن کی فکر تھی، سو اس نے آتے ہی ماں سے کہا۔

''تم اسے آرام سے سمجھا دینا، جذباتی ہے۔'' امی نے نرمی سے کہا۔

''سمجھنے والوں میں سے لگتا نہیں۔'' مومنہ بڑبڑائی۔

''میں ناراض ہوں۔'' میسج آیا۔

''کیوں؟'' مومنہ نے ٹائپ کیا۔

''تم مجھے اگنور کر رہی ہو۔'' علی نے شکوہ کیا۔

''نہیں علی میں نے تمہیں بتایا تھا میں ڈیوٹی پہ تھی، مجھے اچھا نہیں لگتا کام کے دوران بار بار فون دیکھنا، موبائل بیگ میں ہوتا ہے۔'' مومنہ نے وضاحت کی۔

''میں کچھ نہیں جانتا، تمہیں میرے لئے وقت نکالنا ہوگا۔'' اس کے انداز میں دھونس تھی۔

مومنہ بے بسی سے موبائل دیکھ کر رہ گئی تھی، مومنہ نے اپنی گریجویشن مکمل کرنے کا سوچا تھا، اس لئے رات میں اسٹڈی شروع کر دی تھی، اس کی مصروفیت بے حد بڑھ گئیں تھیں۔

☆☆☆

عمر ولید کے آنے میں صرف ایک دن تھا، میڈم نے از سر نو عمر ولید کا کمرا سیٹ کروایا، مومنہ میڈم کے ساتھ بہت مصروف تھی۔

''میں کل ائیر پورٹ میں جاؤں گی، تم بھی چلنا سرپرائز دیں گے۔'' میڈم کے چہرے پہ جوش نمایاں تھا۔

''نہیں میرا جانا کچھ مناسب نہیں لگتا۔'' مومنہ نے معذرت ظاہر کر دی۔

''کیوں؟'' میڈم کے چہرے پہ حیرت کے آثار نمایاں ہوئے۔

''پلیز میڈم!'' مومنہ نے لجاجت سے کہا۔

''اوکے۔'' وہ مومنہ کو کافی حد تک جان گئی تھی۔

''کس وقت کی فلائٹ ہے؟'' مومنہ نے سیب کی قاشیں بنائی۔

''دن دو بجے کی ہے۔'' میڈم نے کھاتے ہوئے کہا۔

''روبی کو لے جائیے گا۔'' مومنہ نے تجویز دی۔

''گڈ آئیڈیا۔'' میڈم نے سراہا۔

''کل تو کافی لوگ ہوں گے آپ کے گھر؟'' مومنہ جھجکی۔
''ہاں کل تم چھٹی کر لینا، پرسوں آ جانا۔'' میڈم نے اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔
''تھینک یو سو مچ۔'' مومنہ ممنون ہوئی۔
''آج کچھ زیادہ کام ہے۔'' میڈم فکر مند ہوئیں۔
''آپ بے فکر رہیے سب انتظامات ہو جائیں گے، میں سب کام مکمل کر کے ہی جاؤں گی۔'' مومنہ نے تسلی دی۔
''شکریہ۔'' میڈم کی آنکھوں میں تشکر تھا۔
پھر واقعی رات نو بجے تک مسلسل کام کرنے کے بعد کام اختتام پذیر ہوئے، امی کو فون کر کے اس نے بتا دیا تھا، علی کو میسج کر دیا تھا، رات کو میڈم نے اصرار سے کھانا اپنے ساتھ کھلا کے اسے خود ڈرائیور کے ساتھ ڈراپ کیا تھا، آج وہ واقعی بہت تھک گئی تھی، سونے سے پہلے بمشکل علی کو دو میسج کیے اور نیند کی وادیوں میں اتر گئی، صبح علی اس کے سامنے تھا۔
''بڑی بے مروت ہو۔'' گلہ کیا گیا۔
''تم بڑے نادان ہو۔'' مومنہ نے شکوہ کیا۔
''چائے بناؤں، ناشتہ کیا ہے؟'' مومنہ نے پوچھا۔
''صرف چائے پیوں گا، مجھے کام سے جانا ہے۔'' علی نے گھڑی دیکھی۔
''آج کا دن اچھا گزرے گا۔'' علی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا، مومنہ خاموش رہی۔
''اور تمہارا دن کیسا گزرے گا؟''
''اللہ کا شکر ہے میرا تو ہر دن اچھا گزر جاتا ہے۔'' وہ سادگی سے بولی تھی۔

''آج تمہیں میں ڈراپ کر دوں گا۔'' علی نے پیشکش کی تھی۔
''نہیں آج میری چھٹی ہے۔'' مومنہ نے جواب دیا۔
''کیوں؟'' علی نے وجہ جاننی چاہی۔
''آج سائرہ میڈم کا بیٹا امریکہ سے آ رہا ہے۔'' مومنہ نے سچائی بیان کی۔
''مومنہ! امی کو اور مجھے تمہارا جاب کرنا پسند نہیں ہے۔'' علی ٹھہر کے بولا، مومنہ نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا، وہ بہت سنجیدہ تھا۔
''علی! یہ جاب میں شوقیہ نہیں کر رہی، تم جانتے ہو، سب حالات سے واقف ہو، مجھے تم سے کم از کم ایسی امید نہیں ہے۔'' مومنہ نے تاسف سے کہا۔
''آئی نو، بس ویسے ہی کہہ دیا تھا۔'' علی نے مومنہ کے چہرے پہ تکلیف کے آثار دیکھے تو ذرا شرمندہ ہو گیا۔
چائے پی کر علی چلا گیا تو اس نے گھر کی تفصیلی صفائی کا فیصلہ کیا، صفائی کرنے ک بعد نہا دھو کر فریش ہوئی، امی نے کھانا بنایا تھا، دونوں نے مل کر کھانا کھایا، اس کے بعد مارکیٹ سے سودا سلف لائے تھے، عصر کی نماز کے بعد اس نے اپنا سوٹ سلائی کرنا شروع کیا تھا، رات گئے اس نے اپنا سوٹ مکمل کر لیا تھا، امی کئی دن سے کہہ رہی تھی کے وہ سوٹ سلائی کر لے، مگر شام کو آنے کے بعد اس کا دل نہیں کرتا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

محبت خانہ بدوش

نائلہ طارق

پچھلے دو سال سے ہر ہفتے ملنے والے خطوط اس کے لئے معمہ بن چکے تھے، بھیجنے والا جو کوئی بھی تھا طبیعت سے مستقل مزاج تھا، یہ چیز بھی حیرانی کا باعث تھی کہ خط بھیجنے والا اس کے فن کا پرستار بھی نہیں تھا مگر مختصر تحریر کے ہر خط میں اس کے فن کا ذکر ضرور ہوتا تھا جو نہ تو تعریف کے زمرے میں آتا تھا نہ ہی تنقید کے، مثال کے طور پر ایک بار اس اجنبی نے لکھا تھا۔

''بے شک تمہاری استاد پری وش کے بے شمار پرستار تھے کیونکہ وہ اپنے فن میں کمال کی مہارت رکھتی تھیں، وہی فن تمہارے پاس بھی ہے، مگر تم اس میں مہارت سے زیادہ انا اور گھمنڈ رکھتی ہو اور میں ان ہی دو چیزوں کا پرستار ہوں۔''

سال بھر پہلے اس کی استاد، رہنما اور دل کے بہت قریب ہمدرد و غمگسار ہستی پری وش جب طویل علالت کے بعد دنیا سے رخصت ہوئی تو اس نے بھی گوشہ نشینی اختیار کر لی، پری وش کے فنی

ناولٹ

سفر کا سلسلہ سالوں پہ محیط تھا جبکہ اس نے صرف دو سال پہلے ایک محفل میں پہلی پرفارمنس دی تھی، یہ وہ وقت بھی تھا کہ جب پری وش پر بیماری حاوی ہو چکی تھی اور اس نے پری وش کی خواہش اور اپنی رضا سے اپنے فن کا مظاہرہ کیا تھا، اس کے ہر انداز، ہر جنبش میں پری وش کی جھلک تھی کیوں وہ بس شوقیہ پری وش سے کتھک رقص کی تربیت لیتی رہی تھی، پری وش کے وسیع حلقہ احباب میں سب اسے جانتے تھے اس حیثیت سے کہ وہ پری وش کی خاص ملازمہ ہے، پری وش کی اس سے یہ محبت اور انسیت ہی تھی کہ اس نے اپنی جگہ اپنی ایک ملازمہ کو دے ڈالی، بہرحال اسے پہلی پرفارمنس سے ہی سراہا گیا، پذیرائی ملی، لیکن اس کا پیشہ پری وش کی خدمت ہی تھا، بیماری کی وجہ سے پری وش

نے محفلوں کو خیر آباد کہہ دیا تھا مگر جب کوئی بہت خاص جان پہچان والے اپنی نجی محفل میں شرکت پر اصرار کرتے تو پری وش کی اجازت اور اپنی خوشی سے وہ محفل میں چار چاند لگانے کی حامی بھر لیتی، یہ وہ محافل ہوتی تھیں جہاں فن کی قدر اور فن کار کی عزت کی جاتی تھی جبکہ پری وش کی وجہ سے اسے بہت زیادہ توجہ اور عزت و احترام دیا جاتا تھا، چند محفلوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے بعد ہی اس نے اپنی جگہ بنالی تھی، پری وش کی طرح اس نے بھی اپنی حدود اور اصول بنا رکھے تھے اور سختی سے اس پر کاربند تھی۔

دو سال کے عرصے میں اس نے کبھی کسی میگزین کو انٹرویو نہیں دیا، پری وش کی طرح اس تک کئی جرنلسٹ نے پہنچنا چاہا مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی، اس نے بھی یہی وطیرہ اختیار رکھا کہ پرفارمنس مکمل ہوتے ہی محفل سے رخصت ہونا ہے، اس کی سیکورٹی کی ذمہ داری محفل منعقد کرنے والوں پر ہوتی تھی۔

پری وش سے اس کا ایک عجیب روحانی تعلق تھا، جب وہ ملازمت کے لئے پری وش کے پاس آئی تھی اس وقت بہت کم سن تھی، پری وش کے سائے میں آتے ہی اس کے لئے جیسے ایک نئی دنیا کے دروازے کھل گئے۔

☆☆☆

دروازے پر بلند ہوتی دستک پر اس نے خط لفافے میں واپس رکھ کر ایک طرف ڈالا تھا اور مختصر کمرے سے نکل گئی تھی، آنے والی پری وش کے گھر کی بہت پرانی ملازمہ رانی تھی، پری وش کے گزرنے کے بعد بھی رانی نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔

''رانی! بس اپنے لئے اور میرے لئے چائے بنالو، تمہیں ناشتہ کرنا ہو تو کر لینا۔''

''باجی! کافی دن سے دیکھ رہی ہوں آپ کھانے پینے سے لاپروائی برتنے لگی ہیں، سب ٹھیک تو ہے؟'' اس کے پیچھے آتی رانی تشویش سے بولی تھی۔

''وقت پہ کھانا، کھانا یا کھانے پینے سے لاپروائی نہ برتنا، سب ٹھیک ہونے کی نشانی نہیں ہوتا، معدے کو اچھے برے حالات سے کوئی مطلب نہیں ہوتا، یہ تو اس وقت بھی روٹی مانگتا ہے جب ہم اپنے کسی بہت پیارے کو اپنے ہاتھوں سے دفنا کر قبرستان سے واپس آتے ہیں۔'' تلخی سے بولتی وہ پھر کا بک نما کمرہ عبور کرتی کچھ گیلری میں آ گئی تھی، دنیا میں اس کے لئے یہ ایک ہی پرسکون گوشہ رہ گیا تھا، جہاں کھل کر وہ سانس لے سکتی تھی۔

سردیوں کی ہلکی ہلکی دھوپ میں وہ کرسی پر بیٹھی نیچے کمپاؤنڈ میں نظر دوڑاتی کسی سوچ میں گم تھی جب رانی چائے کے مگ اٹھائے آ گئی۔

''باجی! آج آپ کو بازار جانا تھا۔'' فرش پر پیر پھیلا کر بیٹھی رانی نے اسے یاد دلایا تھا۔

''ہاں، ذرا ٹھہر کر چلتے ہیں، آج ذرا کوئی اچھی چیز پکا لینا، ساتھ والے فلیٹ میں شاید کوئی نئے کرائے دار آ گئے ہیں، رات میں کھٹ پٹ کی آواز آ رہی تھی، دوپہر کا کھانا، شام کی چائے اور رات کا کھانا سب وقت پر پہنچا دینا۔'' چائے کے سپ لیتے ہوئے اس نے ہدایت دی تھی۔

''میں ابھی یہی بتانے والی تھی، ساتھ والے فلیٹ میں آج تالا نظر نہیں آیا مجھے، مگر ابھی کوئی آتا جاتا نظر نہیں آ رہا۔'' رانی نے درمیانی جالی سے برابر والی گیلری سے تانک جھانک کی تھی۔

''نہ کر رانی، پاگل ہوئی ہے کیا۔'' اس کے گھرکنے پر رانی جالی سے دور ہٹ گئی تھی۔

''جب تک تیرے بچے نہیں ہوں گے، تیرا بچنا نہیں جائے گا۔'' اس کے مزید ڈپٹنے پر رانی کھسیانی ہوئی تھی۔

''رحم کرو باجی، ایک نکھٹو شوہر کو پال رہی ہوں کیا وہ کافی نہیں۔''

''اچھا بس اب اپنے شوہر کی برائیاں کرنے نہ بیٹھ جانا، شکر کرو سر پر سائبان تو موجود ہے۔'' مدھم لہجے میں بولتی وہ خاموش ہوگئی تھی۔

☆☆☆

بوسیدہ سی بد رنگ عمارتوں والے اس علاقے میں سب کچھ گھٹا گھٹا سا اور اجنبی تھا، فرش کا اکھڑا سیمنٹ دیواروں پر بھی قائم نہ تھا، گیلری کی زنگ آلود جالیوں سے باہر کی چیخ و پکار، پھیری والوں کو چبھتی آوازیں تیسری منزل پر اس کے فلیٹ تک بخوبی پہنچ سکتی تھی، مگر یہ سب برداشت تو کرنا ہی تھا، جس کو زیادہ شدت سے حاصل کرنے کی لگن ہو، اسے پانے کے لئے ہمیشہ ہی دشواریوں کو عبور کرنا ہی پڑتا ہے یہ بھی غنیمت تھا کہ ایک جاننے والے کے تعلقات اس علاقے کی مسجد کے امام صاحب سے تھے، ان کے توسط سے ہی اس تن تنہا انسان کو یہاں رہائش کا ٹھکانہ مل گیا تھا، امام صاحب اس علاقے کی بزرگ شخصیت اور کافی اثر و رسوخ رکھنے والے بندے تھے، فلیٹوں کی ایک یونین تھی جو اس علاقے کے معاملات دیکھتی تھی، اس یونین کے ممبرز میں امام صاحب بھی شامل تھے۔

مگر اس علاقے میں رہنا اس کے لئے شاید اتنا بھی آسان نہیں تھا کیونکہ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس کے پڑوسی کے بارے میں یہاں کے رہائشی کچھ اچھی رائے نہیں رکھتے تھے، اس فلیٹ میں آنے کے بعد وہ جب فجر کی اذان پر فلیٹ سے نکلا تو سامنے والے فلیٹ میں رہنے والے شیخ صاحب سے مڈبھیڑ ہوگئی، سیڑھیاں اترنے تک سلام دعا اور رسمی تعارف ہو گیا تو وہ اچانک بولے۔

''دیکھو داؤد میاں! تم جوان آدمی ہو چھڑے چھانٹ ہو، اول تو تمہیں ایسے فلیٹ میں رہنے کی حامی نہیں بھرنی چاہیے تھی لیکن اب اگر تم یہاں آ ہی گئے ہو تو بہتر ہے کہ اپنے پڑوس میں موجود فتنے سے خود کو ہر ممکن طور پر بچائے رکھنا۔''

بڑے میاں کے ذو معنی لہجے نے اسے چونکایا تھا۔

''کیسا فتنہ شیخ صاحب! میرے پڑوس میں کون لوگ رہتے ہیں؟'' وہ کریدنے والے انداز میں بولا تھا۔

''دیکھو میاں! اب اپنے منہ سے کیا کہوں، مگر عورت بھی کوئی معمولی فتنہ نہیں، عورت بھی وہ جو پیشہ ور رقاصہ ہے، کسی کے کردار کے بارے میں بات کرنا مجھے گوارا نہیں، یہاں رہو گے تو آہستہ آہستہ خود سب جان جاؤ گے، ویسے بہتر تو یہی ہے کہ کسی دوسرے فلیٹ کے خالی ہونے تک زبان بند اور آنکھیں، کان کھلے رکھنا۔'' شیخ صاحب کی یہ ہدایت سننے کے بعد وہ مزید کچھ نہیں بولا تھا۔

نماز کے بعد وہ مسجد سے منسلک امام صاحب کے حجرے میں چلا آیا، ان کی تاکید تھی کہ جب تک وہ کوئی ملازمت حاصل نہیں کر لیتا، وہ تینوں وقت کا کھانا ان کے ساتھ ہی کھائے۔

ناشتے کے دوران اس نے شیخ صاحب کی گفتگو کے بارے میں ان سے ذکر کیا تو وہ پہلے زیر لب مسکرائے پھر بولے۔

''برخوردار! یہ معاشرہ اکثر کسی تنہا عورت کے بارے میں صرف ایک ہی رائے رکھتا ہے، غلط رائے اور وہ غلط ہی ہوتی ہے، شیخ صاحب نے تمہیں اس عورت کے بارے میں یہ نہیں بتایا

ہوگا کہ مسجد میں ٹھنڈے پانی کا بندوبست بھی اسی عورت نے کروایا ہے، انہوں نے یہ بھی نہیں بتایا ہوگا کہ وہ یہاں کتنے ہی ضرورت مند لوگوں کے کام آتی رہی ہے مگر کبھی چرچا نہیں کرتی، جس کام کی وجہ سے اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اس عورت نے اس کام سے ہی کنارہ کشی کر لی ہے، یہاں کچھ لوگ ہیں جو اس کے مخالف ہیں، باوجود اس کے کہ اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ اس کی طرف انگلی اٹھائی جاتی مگر، فلیٹ اس کا ذاتی ہے ورنہ شاید اب تک وہ یہاں سے کہیں اور جا چکی ہوتی، بہرحال تم میری ذمہ داری پر یہاں رہ رہے ہو، مجھے تمہاری شرافت پر بھروسہ ہے، بے فکر رہو، زرگون میری بچی جیسی ہے، اس کی وجہ سے تمہارے کردار پر کوئی حرف نہیں آئے گا، یہ میں بہت ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں، اس سب کے باوجود تم اپنی رہائش اگر بدلنا چاہتے ہو تو میں ضرور تمہاری مدد کروں گا۔'' امام صاحب کی اس تفصیلی گفتگو کو سننے کے بعد کچھ اور کہنے کی اسے ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆

مغرب کا وقت قریب تھا جب دروازہ بجا تھا، دروازہ کھولتے ہی وہ انجان چہرے کو دیکھتا دم بخود سا ہو گیا تھا، آسمانی دوپٹے کے ہالے میں وہ چہرہ عجیب سی روشنی سے دمک رہا تھا، اپنے بارے میں وہ فخر رکھتا تھا کہ اس کا قد چھ فٹ سے بھی نکلتا ہوا ہے مگر سامنے موجود عورت کا سر اس کے کاندھے تک پہنچتا اس کے فخر کو کم کر رہا تھا، اس پر طرہ یہ کہ اونچی گردن کو وہ مزید اکڑائے ہوئے تھی۔

''کسی خاتون کو بھیج دیں۔'' نظروں کا رخ بدلتی وہ بولی تھی مگر داؤد نے جیسے سنا ہی نہ تھا۔

''میں نے کہا ہے، کسی خاتون کو بھیج دیں، مجھے بات کرنی ہے۔'' اس بار اس کے سپاٹ لہجے میں بیزاری تھی۔

''یہاں کوئی خاتون نہیں، میں یہاں تنہا رہتا ہوں۔'' داؤد کے جواب پر اس کی کشادہ آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔

''لیکن یہاں تو کسی تنہا آدمی کو فلیٹ نہیں دیا جاتا اور نہ تنہا عورت کو رہنے نہیں دیا جاتا۔'' وہ کچھ تلخی اور ناگواری سے بولی تھی۔

''کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کو کس کی سفارش پر یہاں رہنے کے لئے فلیٹ دیا گیا ہے؟''

''امام صاحب کی سفارش پر۔''

''اس علاقے کی مسجد کے امام صاحب کی بات کر رہے ہیں آپ؟'' وہ حیرت زدہ لہجے میں بولی تھی جواباً داؤد اثبات میں سر ہلاتا اس کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا۔

''اچھا۔'' کچھ تذبذب میں مبتلا وہ جاتے جاتے یکدم رکی تھی۔

''مجھے یہ پوچھنا تھا کہ تین دن سے برابر میں اپنی ملازمہ کے ہاتھ کھانا بھیج رہی ہوں، مگر آپ کھانا واپس کیوں کر دیتے ہیں؟''

''آپ کا بے حد شکریہ مگر امام صاحب کی تاکید پر میں کھانا ان کے ساتھ ہی کھاتا ہوں۔''

''تو یہ پہلے بتانا تھا، تاکہ میں ذرا زیادہ کھانا ان کی طرف پہنچاتی میں تو معمول کی طرح ہی ان کا کھانا بھیجتی رہی ہوں۔''

''مجھے پتہ نہیں تھا کہ امام صاحب کے لئے کھانا آپ بھیجتی ہیں، آپ یہ شکایت امام صاحب سے کرتیں تو اچھا تھا۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر زرگون کے تاثرات بدلے تھے اگلے ہی پل وہ مزید کچھ بولے بنا اس کے سامنے سے ہٹتی اپنے فلیٹ میں چلی گئی تھی، جبکہ دروازہ واپس بند

کرتے داؤد نے جانے کتنی دیر بعد اپنی رکی ہوئی سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش کی تھی۔

☆☆☆

سیاہ چادر لپیٹے بیگ کندھے پر لٹکائے وہ اس وقت مسجد کی سیڑھیوں کے قریب ہی امام صاحب سے بات کر رہی تھی۔

''آپ جانتے بھی ہیں کہ یہاں بس موقع چاہیے ہوتا ہے میرے خلاف باتیں کرنے کا، میری ہر حرکت پر نظر رکھی جاتی ہے تاکہ میرا یہاں رہنا اور مشکل بنایا جا سکے، اس کے باوجود آپ نے ایک ایسے شخص کو میرے برابر لا کر رکھ دیا ہے جو بالکل تنہا ہے، رائی کا پہاڑ بنانے والے کم ہیں کیا یہاں۔'' وہ شدید ناراضی سے بولی تھی۔

''دیکھو بیٹی! میں نے تم سے پہلے بھی کئی بار کہا ہے کہ صرف چند ایسے لوگ جو تمہارے خلاف ہیں ان کے لئے خود کو پریشان رکھنے کے بجائے ان لوگوں کے بارے میں سوچو جو تمہارے ساتھ مخلص ہیں کیونکہ تم بھی ان کے ساتھ مخلص ہو، رہ گئی بات داؤد کی تو وہ بہت ضرورت مند تھا، میرے ایک جاننے والے کے توسط سے میرے پاس مدد کے لئے آیا تھا، سب سے بڑھ کر مجھے تم پر بھروسہ ہے، تم میری ذمہ داری ہو، یہ بات سب جانتے ہیں اور داؤد کو بھی میں اپنی ذمہ داری پر یہاں لایا ہوں، یہ بھی میری ذمہ داری ہے کہ کوئی انگلی تمہاری طرف نہ اٹھے، اطمینان رکھو وہ ایک شریف انسان ہے، انسان کی فطرت کو پہچاننا ہو تو اس کے قریب رہو، اس کے ساتھ کھانا کھاؤ اور میں پچھلے ایک ہفتے سے یہ دونوں کام کر رہا ہوں، مجھے پورا یقین ہے کہ وہ تمہارے لئے بالکل نقصان دہ ثابت نہیں ہوگا۔'' امام صاحب کے خاموش ہونے پر وہ بھی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی، سیاہ رنگ کے قمیض شلوار میں ملبوس وہ آستینیں کہنیوں تک چڑھاتا مسجد کی طرف آیا تھا، ایک سرسری نگاہ زرگون پر ڈالتے ہوئے اس نے سلام کے ساتھ امام صاحب سے مصافحہ کیا تھا اور پھر وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ کر اپنی پشاوری چپل اتارنے لگا تھا۔

''یہ داؤد ہے جس کی تم شکایت کر رہی ہو، میں نے اسے کہا تھا دروازے پر آیا رزق واپس نہیں لوٹایا جاتا مگر یہ اس سے انجانے میں سرزد ہوا، کیوں داؤد؟'' تائیدی نظروں سے امام صاحب نے اسے بھی دیکھا تھا جو واپس اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''جی، مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور میں اس کے لئے شرمندہ ہوں۔'' داؤد کے سنجیدہ لہجے پر زرگون نے ایک نخوت بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی جو شاید مخاطب تو زرگون سے ہی تھا مگر متوجہ وہ امام صاحب کی طرف تھا۔

''اچھی بات ہے، اپنی غلطی تسلیم کر لینے میں ہی بڑائی ہے، زرگون انشاء اللہ تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی داؤد کی طرف سے۔''

''آگے کی بات رہنے دیں، ابھی ذرا ان کو سمجھا دیں، قرآن پاک تلاوت فجر کی نماز کے بعد کیا کریں، رات کے تین بجے اتنی بلند آواز میں تلاوت کرتے ہیں کہ قبر کا مردہ بھی کلمہ پڑھتا اٹھ کر بیٹھ جائے۔'' درمیان میں وہ جس طرح تنک کر بولی تھی، امام صاحب نے بھی دنگ ہو کر پہلے اسے پھر داؤد کو دیکھا تھا۔

''ان کی یہ بات تو میں ہرگز نہیں مانوں گا امام صاحب، نئی جگہ ہے مجھے نیند نہیں آتی تو میں تلاوت کرنے لگ جاتا ہوں۔''

''تو اس کا کیا مطلب ہے، دوسروں کی نیند بھی خراب کر دی جائے؟'' اس بار براہ راست وہ ناگواری سے داؤد کو دیکھتی بولی تھی۔

''زرگون! یہاں قرآن پاک کی تلاوت کی بات ہو رہی ہے۔'' امام صاحب کے تنبیہی لہجے پر وہ بری طرح شرمندہ ہوئی تھی۔

''میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ تلاوت ضرور کریں مگر ذرا آواز ہلکی رکھا کریں یا پھر فجر کے بعد کیا کریں، اس وقت تک تو میں بیدار ہو جاتی ہوں۔'' وہ شرمندہ لہجے میں بولی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے، میں سمجھا دوں گا اسے، تمہیں جانا ہے اب دیر مت کرو، دھیان سے جانا، اللہ کی امان میں۔'' اس کے سر پر ہاتھ رکھتے وہ بولے تھے۔

''امام صاحب! ہاتھ میں ذائقہ نہ ہو برداشت ہو جاتا ہے، زبان کی ترشی ناقابل برداشت بن جاتی ہے۔'' یکدم داؤد کے سنجیدہ جتانے والے انداز پر زرگون نے رک کر اسے دیکھا تھا۔

''داؤد! آج موذن صاحب علالت کی وجہ سے نہیں آسکیں گے، تم جا کر وضو کرو، اذان تمہیں دینی ہے۔'' مسکراہٹ چھپاتے ہوئے امام صاحب نے اسے فوراً مسجد میں جانے کا اشارہ دیا تھا۔

''خدا حافظ امام صاحب۔'' امام صاحب کو مخاطب کرتی وہ کھا جانے والی ایک نگاہ مسجد میں جاتے داؤد پر ڈالتی آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

رات سرد تھی مگر ٹھٹھرا دینے والی نہیں، سناٹا ہر سمت پھیلا تھا مگر رات کی تاریکی چڑھتے چاند کی روشنی میں بہت زیادہ گہری نہ تھی، دور سڑک کے کنارے اُگی خار دار جھاڑیوں میں گھومتے آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں اسے وقتاً فوقتاً چونکا رہی تھیں جو گیلری میں ہی کرسی پر گرم شال اوڑھے زرد بلب کی بیمار سی روشنی میں کوئی کتاب پڑھنے میں مگن تھی، گہری خاموشی میں کسی کے کھنکھارنے کی آواز پر اس نے چونک درمیانی گرل کے اس پار موجود داؤد کو دیکھا تھا جو اپنی گیلری کی باؤنڈری پر بازو ٹکائے آسمان کی طرف متوجہ تھا، کتاب بند کر کے زرگون کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اگر آپ میری وجہ سے جا رہی ہیں تو رک جائیں، میں ہی یہاں سے چلا جاتا ہوں، ویسے بھی آپ کے اس کے آہنی پنجرے کو توڑ کر آپ تک پہنچنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔'' داؤد کا یوں مخاطب کرنا جہاں اس کے لئے غیر متوقع تھا وہیں اس کی اس جرأت نے زرگون کو ناگواری میں بھی مبتلا کر دیا تھا، ویسے یہ سچ تھا کہ یہاں صرف اس کی گیلری ہی چاروں طرف سے آہنی گرل سے بند تھی۔

''تمہیں یہ خوش فہمی کیوں ہے کہ میں تمہاری وجہ سے یہاں سے جا رہی ہوں؟ یہ میرا گھر ہے، میں جہاں چاہے بیٹھوں، میری مرضی ہے۔'' ناگواری سے وہ بولی تھی اور پھر ایک جھٹکے سے کرسی کا رخ بدل کر بیٹھی وہ دوبارہ کتاب کھول چکی تھی۔

اس کی پشت سے نگاہ ہٹاتا وہ دوبارہ آسمان کا جائزہ لینے لگا تھا۔

''یہ سچ ہی ہے، انسان کے پاس گھر، دولت، گاڑی، آسائشیں نہ ہوں تو دنیا اسے دو کوڑی کا بھی نہیں سمجھتی۔'' وہ جانے کس سے مخاطب تھا، گردن موڑ کر زرگون نے اسے دیکھا تھا۔

''اور جو اس قدیم سچ پر ایمان رکھتا ہے وہ جیب سے ہی نہیں دماغ سے بھی قلاش ہوتا ہے، بیکار کے شکوے۔'' کوفت سے بولتی وہ دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''آپ یقیناً مجھ پر طنز کر رہی ہیں مگر میں نے شکوہ نہیں کیا، یہ سچ میں اکثر خود کو سناتا ہوں تاکہ میرے اندر آگے بڑھنے کی، اس دنیا میں کوئی اچھا مقام حاصل کرنے کی جستجو اور لگن بڑھتی رہے، آپ نے بھی غلط نہیں کہا، زمینی حقیقتوں پر سب کا متفق ہونا ضروری نہیں، مگر قلاش کی تعریف اس دنیا میں وہی ہے جو میں نے بیان کی۔'' اس کی آواز سنتے ہوئے زرگون نے گہری سانس لے کر کتاب بند کی تھی اور پھر دوبارہ گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''جدی پشتی قلاش ہو؟'' اس کے سوال پر باؤنڈری سے پشت ٹکائے کھڑے داؤد نے کچھ خجالت سے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''جس انسان کی زبان میں مٹھاس نہ ہو، جس کے دل میں کسی کا درد محسوس کرنے کی اہلیت نہ ہو، جس کی نیت میں سچائی اور عمل میں خلوص نہ ہو، جس کا ظرف کسی ضرورت مند کی ضرورت سننے پر بھی آمادہ نہ ہو، پھر وہ چاہے سونے کی اینٹوں اور دولت کے انبار کے درمیان رہتا ہو، یقیناً وہ قلاش ہے۔'' خود سے ہی مخاطب ہونے والے انداز میں بولتی وہ کرسی سے اٹھ گئی تھی۔

''خود کو قابل رحم اور قابل ترس سمجھنے والا انسان کبھی ان دشواریوں کو عبور نہیں کر سکتا جو آگے بڑھنے کے مراحل میں درپیش آتی ہیں۔'' کرسی ایک طرف کرتی وہ بولی تھی اور پھر ایک اچٹتی سی نگاہ داؤد کی سمت ڈالتی وہاں سے چلی گئی تھی، دروازہ بند ہونے کی آواز کے ساتھ زرد بلب کی روشنی بھی گل ہوگئی، کسی گہری سوچ میں گم وہ اپنی جگہ موجود اس کرسی کو ہی دیکھ رہا تھا جہاں چند لمحوں پہلے زرگون براجمان تھی۔

☆☆☆

صبح کا ہی وقت تھا جب تیز آوازوں پر اس کی نیند ٹوٹی تھی، شور شرابا، عورتوں اور بچوں کے جھگڑے اب اس کے لئے کوئی نئی چیز نہیں تھی مگر اس کے حیران ہونے کی وجہ وہ تیز آواز تھی جو سب سے زیادہ بلند تھی، وہ رہ نہیں سکا تو دروازہ کھول کر باہر کا جائزہ لیا تھا، ایسا لگتا تھا کہ جیسے بلڈنگ کی تمام عورتیں وہاں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ حلق کے بل چیختی جانے کن لوگوں کو وہ کوس رہی تھی۔

''سارا فساد اس محلے کی کمیٹی والوں نے پھیلا رکھا ہے، ایڑیاں رگڑتے مرجائیں گے مجھے بدقماش ثابت کرنے میں، ایک عورت کو بدنام کرنے والے بڑے شریف مرد بنے گھومتے پھرتے ہیں، ہمت ہے تو کیوں باز پرس نہیں کرتے ان گلی کے آوارہ کتوں سے، اس مہینے میں تیسری بار یہ ذلیل حرکت کی ہے ان کمینوں نے، کل اگر آپ میں سے کسی کے دروازے کے آگے، شراب کی خالی بوتلیں پھینکی گئیں تو بھی کیا کریں گے یہ غیرت تب جاگے گی جب ان کے دروازے پہ یہ نجس چیزیں پھینکی جائیں گی۔'' اس کی غصیلی آوازوں کو سنتا وہ رانی کی طرف متوجہ تھا جو ایک تھیلی میں دروازے کے سامنے بکھری بوتلیں اٹھا کر ڈال رہی تھی، وہ دیکھ چکا تھا، بوتلوں پر باقاعدہ لیبل چسپاں تھا، اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ یہ کس قسم کی چیز ہے، زرگون کی حمایت میں کچھ اور عورتیں بھی بول رہی تھیں، جس طرح اس نے دروازہ کھولا تھا، اسی خاموشی سے دروازہ بند بھی کر دیا تھا، اس معاملے میں وہ کیا کر سکتا تھا، بہرحال ایک چیز کا اندازہ اسے ہوگیا تھا کہ اس عمارت میں رہنے والی تمام خواتین سے زرگون کے تعلقات اچھے تھے، لین دین اور آنا جانا بھی تھا، امام صاحب نے ٹھیک ہی کہا تھا چند لوگ ہیں

جو زرگون کے لئے کینہ دل میں رکھتے ہیں، ماضی کے اس کے پیشے کی وجہ سے یا پھر اس کا قصور یہ تھا کہ اس کی ڈھال بننے والا کوئی مرد اس کے گھر میں نہیں تھا۔

☆☆☆

''آپ اس کمیٹی میں شامل ہیں، آپ چاہیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں، ان لوگوں کو سمجھا سکتے ہیں جو یہاں اکیلی عورت کو تنگ کر رہے ہیں۔'' مسجد کے باہر ہی وہ امام صاحب کے مقابل محو گفتگو تھا۔

''بہت سمجھایا ہے میں نے ان لڑکوں کو مگر جو اپنے ماں باپ کی عزت کی پرواہ نہ کریں وہ کیا کسی کی عزت کریں گے، میں اگر زرگون کو نہ روکتا تو وہ بہت پہلے ہی پولیس اسٹیشن جا کر ان لڑکوں کے خلاف رپورٹ کرتی، مگر وہ کب تک تھانے میں قید رہیں گے، یہ قدم اٹھا کر زرگون کا البتہ یہاں رہنا مزید مشکل ہو سکتا تھا، اسے اگر اپنی ضد میں اسی طرح تنہا زندگی گزارنی ہے تو صبر اور خاموشی میں ہی اس کی عافیت ہے۔''

''ضد کیسی؟'' وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

''میں نے کئی بار اسے مشورہ دیا ہے کہ اسے شادی کر لینی چاہیے مگر وہ نہیں مانتی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان حالات کا صرف یہی ایک حل ہے۔'' امام صاحب کا جواب سن کر وہ خاموش رہا تھا۔

''تمہاری نوکری کا معاملہ کہاں تک پہنچا؟'' امام صاحب کے سوال پر وہ ایک کو گڑبڑایا تھا۔

''ایک دو جگہ سے امید ہے کہ بات بن جائے گی۔''

''اچھی بات ہے، نوکری لگ جائے تو پھر سب سے پہلے شادی کے بارے میں سوچنا، اب تک تو تمہیں دو چار بچوں کا باپ بن جانا چاہیے تھا۔'' امام صاحب کے سادہ لہجے پر وہ خجالت سے مسکرا کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

تھکے تھکے قدموں سے سیڑھیاں چڑھتی وہ دوسری منزل پر پہنچی تھی کہ نگاہ داؤد پر پڑی، سامان کاندھے پر مرزا صاحب کی بیگم کو تھما کر وہ ان کی دعائیں لیتا بس ایک پل کے لئے زرگون کی طرف متوجہ ہوا تھا مگر پھر اگلے ہی وہ اس پر سے نگاہ ہٹاتا تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا تھا مگر زرگون کو مرزا صاحب کی بیگم نے روک لیا تھا۔

''اندر تو آؤ، کتنے دن ہو گئے تم نے خبر تک نہیں لی، شانو سے کہہ کر بلوایا بھی تھا تمہیں۔'' اس کے دروازے پر ہی خیر خیریت پوچھنے پر وہ شکایت کر رہی تھیں۔

''بھابھی! اس وقت جانے دیں، آج بوتیک میں بہت کام تھا، ایک دو دن تک ضرور آؤں گی شانو کے ہاتھ سے بنے چائے پکوڑے کھانے۔'' اس نے سلیقے سے انکار کیا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے مگر ذرا ایک بات سنتی جاؤ، میں سوچ رہی ہوں، یہ داؤد تو بہت اچھے کردار کا ہے، جو کام کہو بڑی فرمانبرداری سے کر دیتا ہے، بہت ہی شریف ہے، ہمیشہ سلام بھی نظر جھکا کر کرتا ہے، شانو کے ابو بھی اس کو بہت پسند کرتے ہیں، وہی بتا رہے تھے کہ امام صاحب بھی اسے بہت پسند کرتے ہیں۔''

''بھابھی! کہنا کیا چاہ رہی ہیں آپ؟'' اس طول پکڑتے تعریف نامے نے زرگون کو کوفت میں مبتلا کیا تھا، تبھی ان کی بات کاٹ کر بولی۔

''سنو گی تو پتہ چلے گا ناں، چپ کر کے سنو، وہی بتا رہی ہوں۔'' ان کے گھرکنے پر وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی تھی۔

''میں نے شانو کے ابو سے کہا کہ وہ امام

صاحب سے بات کریں مگر انہوں نے کہا کہ تم اگر امام صاحب سے بات کرلو تو زیادہ اچھا ہے، وہ تمہاری بات ضرور مانیں گے۔''

''اب جلدی سے وہ بات بتا دیں جو امام صاحب سے کرنی ہے؟'' ان کی طویل ہوتی تمہید پر وہ پھر روک گئی تھی۔

''یہی کہ ہم چاہتے ہیں کہ داؤد ہمارا داماد بن جائے۔''

''کیا......؟'' زرگون کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

''بھابھی کچھ اللہ کا خوف کریں، شانو آپ کی اکلوتی بیٹی ہے، مشکل سے ابھی اٹھارہ سال کی ہوگی، ابھی اسے پڑھنے دیں۔''

''بس پڑھ لیا جو پڑھنا تھا، اچھا خاصا رشتہ میری نظروں کے سامنے ہے تو کیسے نظر انداز کر دوں۔''

''مگر بھابھی! آپ کیا کوئی بھی شاید اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا ہوگا، اسے یہاں آئے عرصہ ہی کتنا ہوا ہے؟'' وہ حق دق تھی۔

''امام صاحب اسے جانتے ہیں، ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے، اس کے چہرے مہرے، انداز اطوار سے صاف لگتا ہے کہ اس کا تعلق بہت اچھے خاندان سے ہے، بس تم کسی طرح امام صاحب سے بات کرکے اس معاملے کو آگے بڑھا دو، میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔'' وہ جس طرح اس کا ہاتھ پکڑے التجاء کر رہی تھیں زرگون کو سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ ان سے کیا کہے۔

''بھابھی! آپ کہتی ہیں تو میں ضرور امام صاحب سے بات کروں گی مگر ایک بار پھر سوچ لیں، شانو ابھی پڑھنا چاہتی ہے، یہ رشتہ بے جوڑ ہوگا، شانو ابھی بہت کم عمر ہے۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو، میں اس کی ماں ہوں، زیادہ بہتر سمجھتی ہوں، برا مت ماننا تمہاری جتنی عمر تک وہ کنواری بیٹھی رہ گئی تو کون پوچھے گا اسے، تمہاری بات الگ ہے مگر زندگی، موت کا کوئی بھروسہ نہیں، شانو بہت معصوم ہے، ہمارے بعد کوئی نہ ہوگا، اس کے آگے پیچھے۔'' ان کے کچھ تلخ لہجے پر زرگون کے تاثرات بدلے تھے مگر وہ خاموش رہی تھی۔

☆☆☆

آج رات خنکی معمول سے زیادہ تھی، حسب معمول وہ کرسی پر پاؤں رکھے بیٹھی تھی مگر گیلری میں آج زرد روشنی نہیں بلکہ چاند کی تیز روشنی پھیلی تھی، گلا کھنکھارتے ہوئے داؤد کو آج بھی یہ امید نہیں تھی کہ وہ اسے خود سے مخاطب کرے گی نہ ہی پہل کرنے کی وہ دوبارہ کوشش کر سکتا تھا۔

دوسری طرف اس کی آمد کو جان لینے کے بعد زرگون نے کچھ سوچتے ہوئے اسے دیکھا تھا جو باؤنڈری پر جھکا نیچے کمپاؤنڈ کا جائزہ لیتا لاتعلق نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ذرا بات سنو۔'' اس کی پکار پر وہ متوجہ ہوتا بے یقین سا تھا۔

''تم کو کچھ بتانا تھا مگر تم پہلے بیٹھ جاؤ، اس طرح تو باہر سے کسی کی بھی نگاہ پڑے گی تو اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ تم مجھ سے بات کر رہے، ایک تو تم شروع ہوتے ہو تو ختم ہی نہیں ہوتے۔''

''جی، بجا فرمایا، میں یہیں بیٹھ جاتا ہوں۔'' حیران ہوتا وہ فوراً باؤنڈری والی دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

''یہ سوشل ورک کب سے شروع کر رکھا ہے تم نے، مطلب لوگوں کو سودا سلف لا کر دینا وغیرہ؟'' وہ خشمگین لہجے میں بولی تھی۔

''ابھی کہیں ملازمت نہیں لگی ہے، فارغ وقت میں اگر میں کسی کے کام آجاتا ہوں تو کیا یہ

بری بات ہے؟''

''نہیں، بہت اچھی بات ہے اور اس کا ثمر بھی تمہیں مل رہا ہے۔'' وہ درمیان میں بولی تھی۔

''کیسا ثمر؟ میں سمجھا نہیں۔'' وہ الجھا تھا۔

''مرزا صاحب اور ان کی بیگم تمہیں اس حد تک پسند کرنے لگے ہیں کہ تمہیں اپنا داماد بنانے کی خواہش کر رہے ہیں۔'' اس کے اس انکشاف نے داؤد کو دنگ کیا تھا۔

''وہ چاہتی ہیں کہ اس بارے میں امام صاحب سے بات کروں کیونکہ تم ان کی بات ضرور مانو گے، یہ ان کا خیال ہے۔'' گملوں میں کھلے سدا بہار کے سفید پھولوں پر نگاہ جمائے وہ بولی تھی۔

''آپ کو امام صاحب سے اس بارے میں بات کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں، ابھی تو میرے پاس کچھ بھی نہیں، پہلے اس قابل تو ہو جاؤں کہ ایسی کوئی ذمہ داری اٹھا سکوں۔''

''مگر امام صاحب تک مجھے یہ بات پہنچانی ہوگی کیونکہ مجھے یہ ذمہ داری دی گئی ہے ورنہ میں بھابھی کی یعنی مرزا صاحب کی بیگم کی فطرت سے واقف ہوں، وہ یہی سمجھیں گی کہ میں ایسا نہیں چاہتی کہ ان کی بیٹی کی شادی ہو۔''

''مگر وہ ایسا کیوں سمجھیں گی؟'' وہ حیرت سے بولا تھا۔

''ان کی سوچ، ان کو یہ ڈر بھی ہے کہ اگر ان کی بیٹی کی عمر میرے جتنی عمر تک پہنچ گئی تو......''

یکدم وہ رکی تھی روانی سے بولتے ہوئے اور پھر گہری سانس بھر کر جالیوں کی سمت دیکھا تھا، داؤد اسی کی طرف متوجہ تھا۔

''اگر آپ کو میری وجہ سے کچھ غلط سننا پڑا ہے تو میں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔'' وہ بولا تھا۔

''بہرحال آپ اپنی ذمہ داری پوری کیجئے، میں پھر امام صاحب سے خود بات کرلوں گا۔''

''ایک بار سوچ لینا، مرزا صاحب کے پاس جو کچھ بھی ہے سب ان کی بیٹی کے نام ہے، تمہیں ملازمت کے چکر میں جوتے چٹخانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' زرگون کے مشورے نے اسے وحشت میں مبتلا کیا تھا۔

''میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا، مجھے جو کچھ کرنا ہے اپنے بل بوتے پر کرنا ہے، کسی کو ذریعہ بنا کر نہیں۔'' وہ فوراً بولا تھا، دوسری جانب وہ خاموش رہ کر دوسری طرف متوجہ ہو گئی تھی لیکن کچھ یاد آنے پر دوبارہ اسے دیکھا تھا۔

''سنو، میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم قرآن کی تلاوت کرنا ہی بند کر دو، میں تو اس طرح اور گناہ گار ہو جاؤں گی۔''

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ میں تلاوت کرنا ختم کر دوں، بس آپ کی شکایت کے بعد میں اب مسجد میں ہی قرآن پڑھتا ہوں۔''

''میں اپنی شکایت واپس لیتی ہوں، برائے مہربانی جس طرح پہلے تم تلاوت کرتے تھے، اسے ہی جاری رکھو، ورنہ میری وجہ سے کسی کے گھر سے برکت نکل جائے، یہ میرے لئے ناقابل برداشت بوجھ ہے۔'' قطعی لہجے میں بولتی وہ کرسی سے اٹھ گئی تھی۔

''میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ یکدم بولتا اس کے قدم روک گیا تھا۔

''وہ کس لئے؟'' زرگون الجھی تھی۔

''اس لئے کہ آپ نے مجھے مخاطب کیا اور مجھ سے باتیں کیں۔''

''ایسا مجبوراً کرنا پڑا مجھے۔'' وہ درمیان میں سرد مہری سے بولی اور پھر آنکھوں سے اوجھل

ہوتی چلی گئی، گہری سانس لیتا داؤد اپنی جگہ سے اٹھا تھا، اس عورت کے مزاج کو سمجھنا، یہاں اس جگہ رہنے سے بھی زیادہ کٹھن ہے، وہ سوچ کر رہ گیا تھا، کچھ لوگ الجھے دھاگوں کی طرح ہوتے ہیں، بس سلجھانے والے ہاتھ چاہیے ہوتے ہیں، ذرا سی توجہ اور کوشش سے وہ خود بخود سلجھتے جاتے ہیں۔

☆☆☆

''جس قدر رکھائی سے مرزا صاحب کی زوجہ محترمہ میرے سلام کا جواب دے کر منہ پھیرا ہے، دل تو چاہتا ہے جا کر ذرا پوچھوں کہاں کے شہزادہ گلفام ہو جو منہ بھر کر انکار کر دیا، ہزار بہانے ہوتے ہیں، جان چھڑانے کے، اب دیکھنا مرزا صاحب کی بیگم اگلی بار سامنا ہونے پر ضرور میری عمر اور میرے حالات کا رونا رو کر اپنی بیٹی کے لئے بولتی رہیں گی، ایک تو یہ ماں باپ اکثر بھول ہی جاتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اولاد دی ہے، اولاد کی بہتر پرورش کی ذمہ داری دی ہے مگر اس کے نصیب اور تقدیر کے معاملات اختیارات نہیں دیئے ہیں، کچھ معاملات اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہوتے ہیں اس میں دخل اندازی کا حق کسی کو نہیں، مگر کوئی سمجھ تب ناں۔'' وہ شدید بگڑے تیوروں کے ساتھ بولی تھی۔

''باجی! چلیں کمرے میں چل کر بات کرتے ہیں۔'' رانی نے کچھ ہول کر اسے گیلری سے جانا چاہا تھا۔

''کیوں جاؤں، کمرے میں، یہیں بولوں گی جسے سننا ہے سن لے۔'' وہ ناگواری سے بولی تھی۔

''بات کوئی ہو، مرزا صاحب کی بیگم میری زندگی پر صد افسوس کرنا نہیں بھولتیں، جیسے میں دوسروں کی محتاج بیٹھی ہوں، مجھے آج تک وہ کتاب نہیں ملی جس میں یہ لکھا ہے کہ عورت کو اس کی بڑھتی عمر کا خوف دلاتے رہو، یعنی اپنے ساتھ ساتھ اس عورت کا بھی اللہ کی ذات سے بھروسہ ختم کرنے کی کوشش کرتے رہو، حد ہوتی غفلت کی بھی، اللہ کی نعمتیں، نوازشیں اور احسانات بندے کی عمر کے مطابق متعین نہیں ہیں، نہ ہی ان کی کوئی حد ہے، مہد سے لحد تک بندے پر اللہ کے احسانات اور نوازشوں کی بارش ہوتی رہتی ہے، ہر آنے والا دن ایک پیغام ہے کہ اللہ نے اپنے بندے کو گناہوں سے توبہ کرنے، شکر ادا کرنے اور نیک عمل کرنے کا ایک اور موقع دیا ہے، اگلی سانس دی، ہفتے، مہینے، سال عطا کیے، تو پھر کیوں ان احسانات کو دینا بڑھتی عمر کی خوفناک تاریکی کا نام دیتی ہے اور پھر یہ تاریکی جب اپنے اندر کئی تاریک راستے کھول دیتی ہے تو ان کی طرف بڑھنے پر عورت کے کردار پر انگلی اٹھائی جاتی ہے، آفرین ہے اس منطق پر، کہا تو یہ جاتا ہے کہ عورت کے وجود سے ہی اس دنیا میں رنگ ہیں مگر یہ دنیا اگر کسی کی نہ ہوئی تو عورت ہی کی نہ ہوئی، اسے تو یہاں اپنی مرضی سے رہنے کا اختیار بھی نہیں ملتا۔'' اس کا لہجہ تھکا تھکا اور مدھم ہوتا بالکل سناٹوں میں گم گیا تھا، رانی ترحم نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی جو آنکھیں بند کیے پیشانی کو انگلیوں سے سہلاتی اردگرد سے ہی لاتعلق تھی۔

''نہ سوچا کریں ایسی باتیں، نہ دھیان لگایا کریں لوگوں کی باتوں پر، خوامخواہ اپنا ہی دل جلتا ہے۔'' خاموشی سے گھبرا کر رانی نے اس کے شانے کو سہلایا تھا۔

''نہیں، میں نہیں سوچ رہی کچھ، خالی ہو چکا ہے دماغ۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی تھی۔

''کھانا لے آؤں آپ کے لئے؟''

''نہیں، مجھے بھوک نہیں بلکہ تم ایسا کرو سارا

کھانا اپنے ساتھ لے جاؤ، جانے کی تیاری کرو، ابھی تمہارا شوہر نیچے سے آوازیں لگانا شروع کر دے گا۔" بولتے ہوئے وہ کرسی سے اٹھ گئی تھی۔

رانی کے جانے کے بعد پھیلا سناٹا اسے وحشت میں مبتلا کرنے لگا تھا، کبھی کبھی رانی کا وجود اپنے گھر میں اسے کسی نعمت سے کم نہیں لگتا تھا، چائے کا مگ پکڑے وہ کمرے کی گھٹن سے نکلتی واپس مخصوص کرسی پر آ بیٹھی تھی، خاموشی میں سلام کرنے کی گمبھیر آواز پر زرگون نے جالیوں کی سمت ایک نگاہ ڈالی اور پھر نظروں کے ساتھ چہرے کا رخ بھی بدل گئی تھی۔

"تین دنوں میں ایک بار بھی آپ نے میرے سلام کا جواب دینا گوارہ نہیں کیا، مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہوئی ہے؟" اس کے سوال پر جانے کیوں زرگون نے غصے سے اسے دیکھا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" وہ غرائی تھی اور اگلے ہی پل ایک جھٹکے سے اٹھتی وہاں سے چلی گئی تھی، زوردار آواز کے ساتھ بند ہوتے دروازے کے بعد داؤد کے لئے بھی رات کی پھیلی تاریکی میں کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

باہر دھلے فرش پر نگاہ ڈالتا وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھا تھا، جہاں زرگون فرش کو رگڑ رگڑ کر دھوتی رانی کو کچھ ہدایت دے رہی تھی، اس کے راستے سے ہٹنے کے انتظار میں وہ رکا تھا کہ یکدم غیر متوقع طور پر الٹے قدموں پیچھے ہٹ کر پلٹ کے بے دھیانی میں آگے بڑھتی زرگون اس سے ٹکرا گئی تھی، گم صم کھڑا وہ اس پر سے نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا جو سرعت سے ایک طرف ہوتی وہ سر پر دوپٹے کا پلو ڈال رہی تھی۔

گم حواسوں کے ساتھ وہ سیڑھیاں اتر جانا چاہتا تھا کہ عقب سے ابھرتی زرگون کی پکار نے قدم روک لئے تھے۔

"بات سنو، ظہر کے بعد یہاں سے آنا جانا مت کرنا زیادہ، ابھی یہاں دریاں، چاندنیاں، بچھ جائیں گی، قرآن خوانی کے لئے سب خواتین یہیں بیٹھیں گی، کوئی بے پردگی نہ ہو۔" اس کے جتانے والے انداز پر وہ خاموشی سے سر اثبات میں ہلاتا سیڑھیاں اترتا چلا گیا تھا، اپنے کسی کام کی وجہ سے اسے جلدی واپس آنا بھی نہیں تھا، عصر کے بعد اس کی واپسی ہوئی تھی، اسے توقع نہیں تھی کہ قرآن خوانی اب تک جاری ہو گی، سیڑھیوں کے پاس ہی رکتا وہ فوراً واپس پلٹ نہیں سکا تھا کیونکہ شدید تھکن حاوی تھی اور وہ اپنے فلیٹ میں جا کر کچھ دیر سونا چاہتا تھا، رانی کی نظر اس پر پڑی تو وہ فوراً سیڑھیوں کی طرف آئی تھی۔

"آپ ذرا رکیں، میں راستہ بنوا دیتی ہوں، قرآن خوانی دیر سے شروع ہوئی تھی تو اس لئے۔"

"رانی! کیا بات ہے؟" زرگون کی آواز پر وہ بھی اس طرف متوجہ ہوا تھا، سفید براق لباس میں وہ ایک سپارہ سینے سے لگائے قریب آئی تھی۔

"تم سے کہا بھی تھا کہ یہاں قرآن خوانی کے لئے سب عورتیں جمع ہوں گی، بے پردگی نہ ہو، مگر تم پھر بھی آ گئے منہ اٹھا کر اور پھر یہیں جم کر کھڑے ہو گئے، جاؤ یہاں سے ابھی۔" وہ ناگواری سے بولتی چلی گئی تھی جبکہ شدت ضبط سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ داؤد خاموشی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا تھا۔

"باجی! جانے دیتیں، اسے اپنے گھر میں اور یہاں کون ان سے پردہ کرنے والی بیٹھی ہے۔" رانی نے تاسف سے کہا تھا۔

"پڑ گیا ہمدردی کا دورہ، چل اب سپارہ

پڑھ بیٹھ کر۔" زرگون نے اسے گھرکتے ہوئے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا تھا۔

☆☆☆

جیسے جیسے سرد رات بڑھتی جا رہی تھی ارد گرد بھی چہل پہل ختم ہوتی جا رہی تھی مگر وہ مستقل مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھا رہا تھا، قدموں کی آہٹ پر بس اس نے ایک نظر سر اٹھا کر امام صاحب کو دیکھا تھا، اس سے پہلے کہ امام صاحب اسے مخاطب کرتے، ایک بچے کے ساتھ رانی کھانے کے برتن اٹھائے چلی آئی تھی۔

"کھانا شروع ہونے میں دیر ہو گئی تھی اس لئے آپ کے لئے بھی دیر سے لائی ہوں۔"

"زرگون کو جا کر کہو کہ اگر وہ چاہتی ہے کہ میں یہ کھانا قبول کر لوں تو خود یہ کھانا لے کر یہاں آئے، اسے بتا دو جا کر میں بہت ناراض ہوں اس سے۔" امام صاحب کی اس سخت تاکید پر رانی نے گڑبڑا کر ایک نظر داؤد کو دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلاتی فوراً واپس چلی گئی تھی۔

"مجھے لگا کہ تم غصے میں ساری رات یہیں بیٹھ کر نہ گزار دو اس لئے میں نے زرگون کو بلایا ہے۔"

"امام صاحب! معاف کیجئے گا مگر نہ تو میں اس عورت کی اب کوئی بات سننا چاہتا ہوں اور نہ ہی اس کی موجودگی میں یہاں رہنا چاہوں گا۔" شاید ناگواری سے بولتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"داؤد رک جاؤ، تم کہیں نہیں جاؤ گے، اس نے غلطی کی ہے، اس لئے میں نے اسے یہاں بلایا ہے، وہ تم سے معافی مانگے گی۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے امام صاحب، مجھ سے آج تک کسی نے اس طرح بات نہیں کی، اتنی خواتین کے سامنے اس نے مجھے کھری کھری سنا کر شرمندہ کیا، بے عزت کیا مجھے۔"

"داؤد! حالات کی سختیوں نے اس کی زبان میں تلخیاں بھر دی ہیں ورنہ وہ دل کی بری نہیں ہے، بہرحال یہ میری ذمہ داری ہے کہ اسے اس کی غلطی کا احساس دلاؤں، اسے معافی مانگنی ہو گی، اب آگے تمہارا ظرف، میں مجبور نہیں کروں گا۔" امام صاحب شاید مزید بھی کچھ کہتے مگر رانی کے ساتھ آتی زرگون کی وجہ سے وہ خاموش ہو گئے تھے۔

"زرگون! جب تمہیں پتہ ہے کہ وہ آنے جانے کا راستہ ہے تو اسے بند کرنے سے پہلے تمہیں اپنے پڑوسی سے اجازت لینی چاہیے تھی یا نہیں؟ ایک تو تم نے اس چیز کی طرف دھیان نہیں دیا اور مزید یہ کہ اسے اس کے گھر میں جانے سے بھی نہ صرف روکا بلکہ بدتمیزی سے بھی پیش آئی ہو، میں نے تو بڑے یقین سے داؤد سے کہا تھا کہ تمہاری طرف سے اسے کوئی شکایت نہیں ہو گی، تم نے میری زبان کا بھی خیال نہیں رکھا، تو اب داؤد سے معافی بھی میں ہی مانگ لیتا ہوں۔" امام صاحب کے بہت سختی سے یہ سب کہنے پر زرگون کا رنگ تو پہلے ہی اڑ چکا تھا، ان کی آخری بات پر وہ نادم بھی ہو گئی تھی۔

"آپ کیوں معافی مانگیں گے، غلطی تو میری ہے، مجھے واقعی خیال رکھنا چاہیے تھا کہ وہ آنے جانے کا واحد راستہ ہے۔" ایک پل کو رک کر اس نے داؤد کو دیکھا تھا جو گہرے سنجیدہ تاثرات کے ساتھ دوسری سمت متوجہ تھا۔

"میں نے جو غلط کیا اور جو کہا اس کے لئے میں آپ سے معافی چاہتی ہوں، آئندہ آپ کو مجھ سے ایسی شکایت نہیں ہو گی۔" ماتھے پر بل ڈالے ناچار وہ یہ سب بول گئی تھی دوسری جانب داؤد کسی بھی جانب دیکھے بغیر چپ چاپ درمیان

سے نکل گیا تھا، امام صاحب کے پکارنے پر بھی نہیں رکا تھا۔

''امام صاحب! آپ نے ایک غیر مرد سے معافی منگوادی۔'' داؤد کے جاتے ہی وہ شکوہ کر گئی تھی۔

''سب کے سامنے کسی غیر مرد کو کھری کھری نہ سناتیں تو یہ نوبت نہ آتی۔'' امام صاحب کے کہنے پر وہ لاجواب سی ہو کر مزید کچھ نہیں بولی تھی۔

رانی کے ہمقدم وہ واپس جا رہی تھی جب سیٹیوں کی آوازوں پر اس کے قدم رکے تھے، زرگون کا خون کھول اٹھا تھا، غنیمت تھا کہ رانی ساتھ تھی، اس کا بازو پکڑ کر رانی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

سب کے کھانا کھا لینے کے باوجود کافی کھانا بچ گیا تھا لہٰذا وہ کھانا سب کے گھروں میں بھی اس نے رانی کے ہاتھ بھیجا، اسی مصروفیت میں کافی وقت گزر گیا اور رانی کا شوہر رانی کو لینے آ پہنچا، صفائی کا کام اپنے ذمے لے کر اس نے رانی کو جانے کی اجازت دے دی تھی مگر باہر بچھی بھاری دریوں اور چادروں کا حشر دیکھ دیکھ کر اسے ہول اٹھ رہے تھے، شیخ صاحب نے پہلے ہی جتا دیا تھا کہ باہر کسی قسم کی گندگی یا پھیلاوا باقی نہ رہے، ان کو یہ کہنے کا حق بھی تھا کیونکہ وہ باہر کے اس تمام حصے کی صفائی وغیرہ کرواتے رہتے تھے، ذرا سے کچرے پر وہ اپنے ساتھ والے پڑوسی سے بھی بھڑ جایا کرتے تھے۔

زرد بلب کی تیز روشنی میں وہ چادر کو جھٹک جھٹک کر گرے ہوئے چاولوں کو درمیان میں لانے کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھی، سفید دوپٹہ سمٹ کر شانے سے لٹک رہا تھا، سیاہ بالوں کی دراز چوٹی دوسرے شانے سے راستہ بناتی بل کھاتی سامنے آ گئی تھی، کچھ آزاد، آوارہ لٹیں اس کے شفاف ملیح چہرے کے گرد احاطہ کیے ہوئے تھیں، بمشکل تمام چادر کو لپیٹتے ہوئے اس کی نگاہ سیڑھیوں تک گئی تھی، جبکہ فوراً نظر چراتے داؤد کے ساکت قدموں میں حرکت آ گئی تھی، سرعت سے اپنے فلیٹ کی جانب وہ بڑھ رہا تھا جب شیخ صاحب کی پاٹ دار آواز نے اسے متوجہ کیا تھا۔

''اتنا وقت گزرنے کے باوجود یہاں سے صفائی نہیں ہوئی، صبح مجھے یہاں ذرا بھی گندگی نظر نہ آئے۔''

''ہزار بار آپ یہ بات جتا چکے ہیں، اللہ کا کلام پڑھا گیا تھا یہاں، اس کا ہی لحاظ رکھ لیں، کوئی رقص و نشاط کی محفل تو نہیں سجا رکھی تھی میں نے۔'' وہ ضبط نہ کر سکی تو تلملا کر بول گئی تھی۔

''تم جیسی عورتوں کا کچھ بھروسہ نہیں، جو نہ کرو کم ہے۔'' شیخ صاحب تلخی اور طنز کے ساتھ بڑبڑاتے اپنے فلیٹ میں چلے گئے تھے، داؤد نے ایک گہری نظر زرگون کے سرخ آگ بگولہ ہوتے چہرے کو دیکھا تھا اور پھر اپنے گھر میں جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا، حیرت سے زرگون اسے دیکھ رہی تھی جس نے خاموشی سے پہلے چادر اور پھر دریاں بھی منٹوں میں جھاڑ کر تہہ لگا دی تھیں۔

''آپ اپنے فلیٹ میں چلی جائیں، میں یہاں کی صفائی کر دیتا ہوں۔'' اسے وہیں رکے دیکھ کر داؤد نے کہا تھا۔

''تم کیوں میری مدد کر رہے ہو، سنا نہیں وہ بڑے میاں کیا کہہ گئے ہیں، مجھ جیسی عورت کا کوئی بھروسہ نہیں۔'' وہ جلے کٹے لہجے میں بولی تھی۔

''سنا تھا، مگر میں بہت مضبوط ہوں، اسی لئے یہاں موجود ہوں۔'' کچھ تھا اس کے لہجے

میں کہ زرگون نے چونک کر اسے دیکھا تھا، ایک عجیب سی شوخی زرگون کو اس کی آنکھوں میں چمکتی دکھائی دی تھی، سرعت سے نگاہ چرا کر اس نے تہہ شدہ چادر دریاں ایک ایک کر کے اپنے گھر میں لے جا کر رکھی تھیں، دروازہ بند کرنے سے پہلے جو آخری منظر زرگون نے دیکھا وہ تھا کہ داؤد پائپ لگا کر کوریڈور دھونا شروع کر چکا تھا۔

تھکن اور بھوک سے برا حال تھا، منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل کر وہ گرم گرم بریانی کی پلیٹ اٹھائے گیلری میں کرسی پر بیٹھ گئی تھی، کھاتے ہوئے اس نے جالیوں کی سمت دیکھا تھا جہاں داؤد ہلکا سا کھنکھارتے ہوئے بیٹھ رہا تھا۔

''تم نے امام صاحب کے ساتھ کھانا کھایا تھا؟'' جانے کیوں وہ پوچھ بیٹھی تھی۔

''نہیں، اس وقت بھوک نہیں تھی۔'' اس کے جواب پر زرگون ایک پل کو رکی تھی اور پھر کھانے سے ہاتھ روک کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں کھانا لے کر آتی ہوں۔'' رکے بغیر وہ بولتی ہوئی گئی تھی، وہ جالیوں کے قریب ہی بیٹھا اس کا منتظر تھا جو کچھ ہی دیر میں کھانے کی ٹرے اٹھائے وہاں آ پہنچی تھی۔

اشتہا انگیز کھانے کی مہک نے داؤد کی بھوک چمکا دی تھی۔

''بڑی عنایت۔'' وہ اس سے بولا تھا جو آہنی جالیوں کے درمیان سے ٹرے پکڑا رہی تھی۔

''اس وقت مناسب نہیں لگا ورنہ دروازے تک جا کر بھی تمہیں کھانا دے سکتی تھی۔'' پھر واپس کرسی پر بیٹھ کر اپنا کھانا کھانا شروع کر دیا تھا۔

''امام صاحب سے آئندہ میری شکایت مت کرنا، اب ایسا بھی کوئی برا بھلا نہیں کہہ دیا تھا میں نے کہ تم مسجد کے سامنے دھرنا دے کر بیٹھ گئے تھے۔'' اس کے روکھے لہجے پر داؤد نے کھانے سے ہاتھ روکا تھا۔

''برا بھلا کہہ دیتیں تو بھی برا نہیں لگتا، سب کے سامنے جھڑکا اس چیز کا برا لگا۔'' وہ بولا تھا۔

''اچھا، اگر وہاں کوئی نہ ہوتا تو تم کو میرا جھڑکنا برا نہیں لگتا؟''

''بالکل نہیں، کیونکہ آپ کو حق ہے۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر زرگون نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''آپ پڑوسن جو ٹھہریں، روز آپ کی وجہ سے اچھے اچھے کھانے کھانے کے لئے ملتے ہیں، آپ کو سب کچھ کہنے کا حق ہے۔'' وہ مزید بولا تھا۔

''لگتا ہے بریانی اثر کر رہی ہے ورنہ تو اس دن امام صاحب کے سامنے ہاتھ میں ذائقہ نہ ہونے کا طعنہ دے گئے تھے۔'' وہ نخوت سے بولی تھی۔

''ویسے تمہاری اطلاع کے لئے بتا دوں کہ کھانا میں نہیں، رانی بناتی ہے۔''

''اس دن کے لئے معذرت چاہتا ہوں، دل جلا ہوا ہو تو زبان سے انگارے ہی برستے ہیں، پھول نہیں اور پھر انسان کو ایسے میں پرواہ ہی کب ہوتی ہے صحیح اور غلط کی بس دل کے پھپھولے پھوڑنے ہی یاد رہتے ہیں۔'' اس کے کہنے پر زرگون جو حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی بے ساختہ امڈتی ہنسی کو روک نہیں سکی تھی دوسری جانب رکی سانس کے ساتھ نیم تاریکی میں اسے دیکھتے ہوئے داؤد کے دل میں یہ خواہش شدت سے جاگی تھی کہ وہ بھرپور روشنی میں اس کے ہنستے چہرے کو دیکھ سکتا، مگر فی الوقت تو جلترنگ ہنسی نے اس کی سماعتوں کو سرشار کر رکھا تھا۔

''تم پاگل تو نہیں ہو؟'' وہ مسکراتے لہجے

میں حیرت سے بولی تھی۔
''آپ کو ان آوارہ لڑکوں کے آوازیں کسنے پر رکنا نہیں چاہیے تھا۔'' داؤد کے اچانک کہنے پر وہ چونکی تھی۔
''کوئی کہاں تک نظر انداز کر سکتا ہے، وہ سب امداد کے چیلے ہیں جس نے شروعات سے ہی مجھے تنگ کر رکھا ہے اور اس رات کے بعد سے تو وہ میرا دشمن بن چکا ہے جب میں نے سب کے سامنے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔'' اس کے زہر خند لہجے پر داؤد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''یہ جہاں تم رہ رہے ہو، پہلے یہ کافی وقت سے خالی پڑا تھا، امداد نے جانے کیسے اس فلیٹ کے مالک کو بہلا پھسلا کر فلیٹ کی چابی لے لی تھی، ایک رات اپنے آوارہ دوستوں اور لڑکیوں کو لے کر آ گیا عیاشیاں کرنے کے لئے، میں نے تو اسی وقت شور مچا کر پوری بلڈنگ کے لوگوں کو اکٹھا کر لیا، سب نے اپنی آنکھوں سے اس کی ذلالت دیکھی مگر وہ بدمعاش بنا پھرتا ہے، کسی میں ہمت نہیں تھی اس کے آگے بولنے کی، زبانیں تو بس عورت کے لئے کھلتی ہیں، انگلی صرف عورت کے کردار پر اٹھائی جاتی ہے۔'' تلخی سے بولتی وہ کرسی سے اٹھ گئی تھی۔
''جب آپ سب جانتی ہیں تو کیوں لوگوں کو موقع دیتی ہیں انگلی اٹھانے کا۔'' اس کی غیر متوقع بات نے زرگون کے قدم روکے تھے۔
''امام صاحب دور اندیش ہیں، دنیا دیکھی ہے انہوں نے، اگر آپ سے کوئی حقیقی تعلق نہ ہونے کے باوجود وہ آپ کو شادی کر لینے کا مشورہ دیتے ہیں تو یقیناً اس میں آپ کی بھلائی ہے۔''
''سنو، مجھے یہ سب بتانے والے تم ہوتے کون ہو؟ بہتر یہی ہے کہ اپنی حد میں رہو، یہ میری زندگی ہے اور اسے کیسے گزارنا ہے یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔''
''حد سے گزرنے کے لئے معذرت چاہتا ہوں، ویسے بھی آپ کے لئے بہت آسان ہے کسی کو ذلیل کر دینا، کھانا دینے کا شکریہ۔'' سرد لہجے میں بات ختم کرتا وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا، زرگون چند لمحوں تک پیچ و تاب کھاتی رہی تھی پھر جالیوں کے پاس سے کھانے کی ٹرے اٹھاتی اندر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

چہرے کے تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی جب رانی بہت خاموشی سے کمرے میں آئی تھی۔
''باجی! میں تو کہتی ہوں آپ ایک بار اس سے مل ہی لیں، کتنے عرصے سے وہ آپ کے جواب کے انتظار میں ہے، اسے تو اس فلیٹ کا پتہ بھی جانے کیسے معلوم ہو گیا تھا، وہ تو یہ بھی جانتا ہے کہ آپ باہر کب جاتی ہیں، واپس کب آتی ہیں، وہ چاہتا تو خود بھی چل کر آ سکتا تھا مگر اسے تو آپ کی اجازت کی ضرورت ہے، مجھے تو یہ معاملہ ہی کوئی اور لگتا ہے، ہو سکتا ہے وہ آپ سے شادی کرنا چاہتا ہو۔''
''بیکار باتیں مت کرو رانی، کیا تو جانتی نہیں، اس بار خط میں اس نے دھمکی دی ہے مجھے۔'' وہ شدید بگڑ کر بولی تھی۔
''کسی عورت کے پل پل کی خبر رکھنے والا بغیر کسی مقصد کے اپنا وقت برباد نہیں کرتا، وہ صرف ملنے کی بات کرتا ہے اور ایسے کرتا ہے جیسے مجھ سے مل کر میری نسلوں پر احسان کرے گا، ایسے ملنے ملانے کا مطلب میں خوب جانتی ہوں، تنہا عورت ان مردوں کو اپنے باپ کا مال نظر آتی ہے، جس پر جب چاہیں یہ ہاتھ صاف کرنے کے

لئے تیار رہتے ہیں، اس نے بھی آج اپنی اوقات بتادی، اسے پتہ ہوگا کہ میرے گھر کے دروازے سے دھتکارا جائے گا اس لئے اجازت کی بات کرتا ہے۔" بگڑے تیوروں سے وہ بولی تھی اور پھر ناگواری سے اس خط کو دوبارہ اٹھایا تھا، جس پر موجود تحریر نے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آخر کس چیز کے زعم میں تم نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے، کیا تمہارے پاس فخر کرنے کے لئے؟ تمہارا سب کچھ تو تمہاری محترم استاد اور مالکن پری وش اپنے ساتھ قبر میں لے گئی، سالوں سے اپنی غلامی اس نے تم سے کروائی اور جاتے جاتے دو گز کی ایک کھولی تمہاری غلامی کی قیمت کے طور پر تمہارے حوالے کر دی، سر چھپانے کے لئے، اس کی ہی بدولت تم ایسی جگہ پہنچ چکی ہو، جہاں تمہاری عزت دو کوڑی کی بھی نہیں، اس کے باوجود تمہارا گھمنڈ اپنی جگہ قائم ہے جبکہ تم جانتی ہو کہ ہر کوئی ایک ناچنے والی کو سر آنکھوں پر نہیں بٹھا سکتا، اس غلط فہمی سے نکل آؤ کہ میں تمہارا کوئی پرستار ہوں، جو چند ایک تمہارے پرستار تھے وہ تو تم پر فاتحہ بھی پڑھ چکے ہوں گے، عزت تمہیں راس نہیں مگر ایک طویل عرصے سے انتظار کرتے ہوئے تم سے ملنا اب میری انا، میری ضد کا مسئلہ بن چکا ہے، میری پہنچ سے باہر نہیں تھیں تم اور نہ ہو، لیکن اب حد ہو چکی ہے، تمہارے برابر آنے کے لئے مجھے اور کس حد تک پستی میں گرنا ہوگا اس کا فیصلہ اب تم خود کرو گی، راستے کھلے ہیں میری طرف آنے کے لئے ورنہ پھر مجھے اپنے ان ارادوں پر عمل کرنا پڑے گا جو تمہارے غرور اور خاموشی کو چکنا چور کر دیں گے، تمہارے لئے تو پہلے بھی آگے کنواں پیچھے کھائی تھی، اب یہی دو راستے ہیں، ان میں سے کسی کا انتخاب تمہیں کرنا ہے وہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے مگر میں اب تمہیں صرف چند دن کی مہلت دے سکتا ہوں اور یہ مہلت شروع ہو چکی ہے۔"

خط ایک طرف رکھتی وہ اس بار عجیب الجھن میں گرفتار تھی، پہلے تو اس کا جی چاہا تھا فون پر اس نادیدہ دشمن کو کھری کھری سنا ڈالے مگر اب اسے یہ سب کرنا بھی اپنی توہین لگ رہا تھا، تحریر میں چھپی دھمکی نے اب اسے تشویش زدہ کر دیا تھا، اس بات کا اندازہ تو اسے تھا کہ یہ جو بھی تھا کوئی عام شخص نہیں تھا، پری وش کا بنگلہ گروی رکھا ہوا تھا لہٰذا اس کے گزر جانے کے بعد وہ اس فلیٹ میں منتقل ہو گئی، ہفتے بھر بعد ہی اس اجنبی شخص کا خط اسے مل گیا تھا یہاں، جانے کیسے وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ اس دنیا کو چھوڑ چکی ہے جس سے وہ پری وش کی وجہ سے متعارف ہوئی تھی، پری وش کی زندگی میں بھی اس نے زرگون سے ملنے کے لئے پیغام کچھ اثر و رسوخ رکھنے والی شخصیات کے ذریعے پہنچائے تھے مگر پری وش ہمیشہ ان پیغامات کو درگزر کے معذرت کرتی رہی تھی، زرگون کو اس چیز کی پرواہ کبھی نہیں رہی، اس کے لئے تو وہی قابل قبول تھا جو پری وش کی خواہش تھی، اسی لئے تو جو خط اس کے نام وہ شخص بھیجتا رہا تھا، وہ اس کے نزدیک ردی کے برابر کی حیثیت رکھتے تھے، کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ یہ شخص نفسیاتی ہے، کوئی اہمیت نہ ملنے کے باوجود وہ چاہتا تھا کہ زرگون خود اسے فون کرے، خود اسے بلائے، خود اس کی جانب قدم بڑھائے، اس نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا تھا، وہ حقیقت پسند لڑکی تھی، اس کے لئے یہ سب خوش کن نہیں ہو سکتا تھا، مردوں کے بارے میں اس کی رائے ہمیشہ ہی سے اچھی نہیں تھی، اپنے باپ اور بھائیوں کی

طرح اسے سارے ہی مرد خود غرض، مفاد پرست اور بے حس لگتے تھے۔

☆☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب وہ غنودگی میں چونک اٹھا تھا، ایسا لگا تھا کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہے، وہم یقین میں بدلتے ہی وہ سرعت سے اٹھ کر دروازے کے قریب آیا مگر دم سادھے کھڑا رہا تھا، بلاشبہ دستک زرگون کے دروازے پر ہو رہی تھی اور مستقل ہو رہی تھی، تحمل کے ساتھ وہ خود بھی انتظار میں تھا کہ دروازہ کھلتا ہے یا نہیں مگر تجسس انتہا پر تھا کہ آدھی رات میں، یہ کون ہے جو زرگون کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے؟ کچھ وقت مزید گزرا تو دستک بھی بلند ہوگئی، وہ سوچ کر ہی رہ گیا کہ باہر نکل کر دیکھے، مگر وہ کچھ زیادہ ہی محتاط ہونے لگا تھا، اس لمحے وہ بری طرح چونک اٹھا تھا جب اسے شیخ صاحب کی غصیلی آواز سنائی دی تھی۔

''امداد! تو پھر آ گیا یہاں، بے غیرت انسان، دفع ہو جا یہاں سے۔''

''بڑے میاں! اپنا کام کرو جا کر، میرے معاملے میں مداخلت نہ کرو۔'' لڑکھڑاتی آواز نے داؤد کو معاملے کی سنگین نوعیت کا احساس دلایا تھا، باہر شیخ صاحب اور امداد کے درمیان شدید بحث و تکرار شروع ہو چکی تھی، داؤد کو یہی موقع مناسب لگا تھا باہر نکلنے کا کیونکہ شیخ صاحب نحیف و نزار سے عمر رسیدہ انسان تھے جبکہ امداد نہ صرف توانا تھا بلکہ نشے میں چور بھی تھا۔

''بے شرم، بے غیرت میں نہیں ہوں بڑے میاں، وہ عورت ہے جس نے مجھے یہاں بلایا ہے، یقین نہیں تو پوچھ لو جا کر، اس نے مجھے بلایا ہے یا نہیں۔'' دروازہ کھولتے ہوئے اسے امداد کی بلند آواز سنائی دی تھی، ابھی اس نے دہلیز سے قدم باہر رکھا ہی تھا کہ اپنے گھر سے تیر کی طرح نکلتی زرگون دکھائی دی تھی۔

''کیا بھونک رہا ہے تو خبیث، میں نے تجھے بلایا ہے میں نے۔'' زخمی شیرنی کی طرح چنگھاڑتی وہ امداد کی طرف گئی تھی اور اگلے ہی پل ہاتھ میں دبی چپل اس کے منہ پر دے ماری تھی، چپل کے یکدم اس وار نے امداد کے قدم ضرور لڑکھڑا کر رکھ دیئے تھے، مگر اس کا ایک ہی ہاتھ زرگون کو منہ کے بل گرا گیا تھا، اس کی چیخ داؤد کو جیسے ہوش میں لے آئی تھی۔

کن پٹیاں سلگ اٹھی تھیں، سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ شیخ صاحب کے روکنے پر امداد ان کو بھی زور دار دھکا دے گیا تھا، وہ بے چارے دیوار سے جا ٹکرائے مگر تب تک وہ امداد کے سر پر پہنچتا دو ہی گھونسوں میں اس کا سارا نشہ ہرن کر گیا تھا، مگر داؤد نے صرف دو گھونسوں پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا۔

''اسے اسی طرح مارتے ہوئے نیچے تک لے کر چلو، سب کو پتہ چلنا چاہیے کہ یہ عزت دار لوگوں کے درمیان رہنے کے قابل نہیں، میرے گھر میں بھی بیٹیاں ہیں، یہ تو میرے گھر میں بھی گھس آئے گا کسی دن، پولیس کے حوالے کریں گے اسے۔'' شیخ صاحب کے پڑوسی بھی شور مچاتے سیڑھیوں کی طرف داؤد کے پیچھے جا رہے تھے جو امداد کی درگت بناتا نیچے لے جا رہا تھا دوسری جانب فرش پر ساکت بیٹھی زرگون سیڑھیوں پر ہوتے شور کو سنتی اپنی جگہ سے اٹھی اور تیر کی طرح جا کر اپنے فلیٹ میں بند ہو گئی تھی۔

☆☆☆

جلتی سوجی آنکھیں کھول کر اس نے اپنے اردگرد پھیلے سناٹے کو دیکھا تھا، چند لمحوں تک خالی آنکھوں سے چھت کو دیکھتی رہی تھی اور پھر

پھوڑے کی طرح دکھتے سر کو تھامے اٹھ بیٹھی تھی، ایک اذیت ناک بوجھ اسے اپنے سر اور کاندھوں پر محسوس ہو رہا تھا۔

بمشکل وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی تو پہلی نگاہ آئینے پر پڑی تھی، چند لمحوں تک وہ اپنے چہرے کو پہچان نہیں سکی تھی، آنکھوں کے انتہائی سوجے پپوٹے، ستا ہوا زندگی سے عاری چہرہ، گزرے تین دن میں اس کا وجود جیسے کہیں تھا ہی نہیں، نہ وہ کسی سے ملنا چاہتی تھی نہ خود اس نے گھر سے قدم باہر نکالا تھا، رانی پیغام لے کر آئی تھی کہ امام صاحب اس سے ملنا چاہتے ہیں مگر اس نے بہانہ بنا کر سلیقے سے انکار کروا دیا تھا اور رانی کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ کسی ملنے والے کو اندر نہ آنے دے باہر سے ہی لوٹا دے، فی الحال وہ اپنے خول میں بند رہنا چاہتی تھی جس کے اندر رہتے ہوئے اسے دنیا کا کوئی خوف نہ تھا۔

آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اسے شدید نقاہت محسوس ہو رہی تھی، گزرے تین دن میں اس نے ڈھنگ سے نہ کچھ کھایا تھا نہ پیا تھا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا، آج رانی اسے ڈاکٹر کے پاس چلنے پر بہت اصرار کر رہی تھی تنگ آ کر اس نے رانی کو اپنے گھر چلے جانے کا حکم دے دیا تھا اسے پتہ تھا رانی کھانے کا بندوبست کر کے گئی ہوگی دیوار کا سہارا لیے دھیرے دھیرے چلتی گیلری میں آ گئی تھی، آہستہ آہستہ پگھلتے ادھورے چاند کی نرم روشنی میں وہ کرسی کے بجائے دیوار کے ساتھ یخ بستہ فرش پر بیٹھ گئی تھی، بمشکل ایک دو نوالے اس نے حلق سے اتارے تھے پھر نہ جانے کیا ہوا تھا کہ پلیٹ ایک طرف رکھ کر گھٹنوں میں چہرہ چھپا لیا تھا، آسمان پر پگھلتے چاند کی طرح اس کا وجود بھی پگھلتا جا رہا تھا۔

''تین دن بعد ایک بار پھر یہاں بیٹھ کر آنسو بہانے کا شغل پورا کرتے دیکھ کر اطمینان ہوا کہ تم زندہ ہو۔'' ٹھہرے سکوت میں ابھرتی گمبھیر آواز پر زرگون نے چہرہ دوسری سمت پھیر لیا تھا، چند لمحوں تک چاند کی مدھم روشنی میں وہ اس کو دیکھتا رہا تھا اور پھر درمیانی جالیوں کے قریب اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا تھا۔

''تم جہاں تک پہنچ چکی تھیں وہاں سے بہت آگے بھی جا سکتی تھیں اپنے فن کے ذریعے، پھر یہ زندگی کیوں چنی تم نے؟''

''فن کے ذریعے کتنا ہی آگے چلی جاتی، فن کو دنیا میں چھوڑ کر گڑھے میں جانا پڑتا، یہ زندگی اس لئے چنی کہ میں گڑھے میں نہیں قبر میں جانا چاہتی ہوں، ایمان کے بغیر قبر ایک گڑھا ہی تو ہے۔'' وہ نم لرزتے لہجے میں بولی تھی اور پھر ایک پل کو رک کر داؤد کی سمت دیکھا تھا۔

''میں نے رانی کے ہاتھ قرآن مجید بھیجا تھا تمہیں، وہ مل گیا تھا؟''

''ہاں، وہ میرے لئے میری زندگی کا ایک سب سے مقدس اور قیمتی تحفہ ہے جو مجھے تم سے ملا ہے، مجھے زیادہ خوشی اسے تمہارے ہاتھوں سے لیتے ہوئے محسوس ہوتی، بہرحال میں اس کے لئے شکر گزار ہوں۔'' اس کے کہنے پر وہ خاموش رہی تھی۔

''ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں تم سے، جہاں تم تھیں، وہاں تک کیسے پہنچیں؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد داؤد نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''باپ ذمہ داریوں سے بھاگتا بھاگتا قبر میں جا سویا، ماں حالات کی چکی میں پستی ہار گئی تھی، اپنی سب اولادوں میں سے اس نے مجھے چنا بھینٹ چڑھانے کے لئے، شاید اسے مجھ

سے کوئی لگاؤ نہ تھا، اضافی بوجھ تھی میں اس پر، منافع بخش سودا ہو گیا میرا، پندرہ سال کی عمر سے ہی میں نے خود کو پری وش کے قریب دیکھا، جو تحفظ جو محبت مجھے اپنی ماں سے نہ مل سکی تھی، وہ مجھے پری وش سے ملی، وہ جو تھی، جیسی تھی اس نے میرے اندر کے انسان کو مرنے نہیں دیا، اس کا قرب ہی ایک راستہ تھا ان حالات سے فرار کا جن سے نکل کر میں آئی تھی، میری اماں کو صرف اس رقم سے سروکار رہا جو میرے بدلے پری وش ان کے ہاتھ پر رکھتی تھی، پری وش کے بیرون ملک دوروں پر جب بھی میں اپنے گھر جاتی تو کوئی خوشی سے میرا استقبال نہیں کرتا تھا مگر سب کی ضرورتوں پر مشتمل چیزوں کی لسٹ سے مجھے ضرور نواز دیا جاتا تھا، وہ سب بھی میرے قریب نہیں ہوتے مگر ان کی ضرورتیں میری ذات سے بندھی ہوئی تھیں، میری خدمتوں کے بدلے میں پری وش کی بدولت میری تینوں بہنوں کی شادی دھوم دھام سے ہوئی، دونوں بھائیوں نے اپنا کاروبار شروع کر لیا، اب سب اپنی اپنی زندگی میں آباد ہیں مگن ہیں، اب ان کے پاس فرصت نہیں یہ دیکھنے کی میں زندہ ہوں یا نہیں، مگر اس بے رخی کی مجھے عادت ہے، وہ سب شروع سے ہی ایسے ہیں، رشتوں میں جب غرض کے علاوہ کچھ باقی نہ رہے تو وہ زیادہ عرصے تک پائیدار نہیں رہ سکتے، غرض پوری ہوتے ہی رشتہ بھی بس نام کا رہ جاتا ہے، وہ سب میری ذمہ داری نہیں تھے، مجھے کبھی ان سے کوئی غرض نہیں رہی، اسی لئے میں نے کبھی ان سے یہ نہیں کہا کہ وہ سب جہاں جس مقام پر ہیں اس میں کچھ حصہ میرا بھی ہے، مجھے کسی سے کوئی شکوہ، شکایت نہیں، انسان تو انسان ہی ہے، فراموش کرنے پر آئے تو یہ تک فراموش کر دیتا ہے کہ اللہ ان کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔'' اس کا مدھم لہجہ مدھم ہوا کی سرسراہٹوں میں کہیں گم ہوتا داؤد کو محسوس ہوا تھا۔

''ایک بات کہنا چاہتا ہوں، اپنوں سے کبھی اس چیز کی توقع مت رکھنا کہ وہ تمہاری قربانیوں پر تمہارا دم بھریں گے، تمہارا احسان مانیں گے، ان کو خوش رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دو، وہ کبھی خوش نہیں ہوں گے، ان کے نزدیک آپ کا ہر عمل آپ کی ذمہ داری، آپ کا فرض ہے کوئی احسان نہیں، نہ وہ آپ کی قدر کریں گے نہ ہی آپ کی کسی قربانی یا عمل کی۔'' اس کے یہ کہنے پر زرگون نے گہری سانس بھر کر آسمان کو دیکھا تھا۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ انسان اپنوں سے لاتعلق ہو جائے مگر ان کو خوش رکھنے کی کوشش میں اپنی ذات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، انسان کو اپنی ذات پر پہلا حق خود اس کا ہی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو، مگر مجھے بھی یہ سمجھ نہیں آتا کہ تم ایک اچھی زندگی کو چھوڑ کر یہاں کیا لینے آئے ہو؟ میرے برابر آنے کے لئے تم اتنی پستی میں کیوں آئے، صرف ایک ضد کے لئے؟'' اس کے سپاٹ لہجے پر چونکتا وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''کوئی جھوٹ مت بولنا داؤد سلیمان، تم میرے دن رات کی خبر رکھ سکتے ہو تو کیا میں یہ اندازہ نہیں لگا سکتی کہ خط بھیجنے والے سلیمان اور دیوار کے پار رہنے والے داؤد کے لب و لہجے اور الفاظ میں مماثلت کیوں ہے۔'' زرگون کے چبھتے لہجے پر وہ بس ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اس رات کھانے کے وقت میں نے جو کچھ کہا اگر وہ ذلیل کرنا تھا تو تم اسی وقت دو چار باتیں سنا کر مجھے خاموش کر دیتے مگر اس وقت معصوم بن کر تم نے سارا اشتعال اپنے آخری خط

میں کیوں نکالا؟'' اس کے تلخ لہجے پر داؤد نے نگاہ پھیر لی تھی۔

''اب کیا کہوں میں؟'' وہ نادم لہجے میں اتنا ہی بول سکا تھا۔

''تمہیں جو کچھ کہنا تھا وہ تم خط کی آڑ میں چھپ کر کہہ چکے ہو، ایک بے بس عورت کو دھمکی دینا تم پر نہیں سجتا، بہتر یہی ہے کہ جہاں سے آئے ہو وہیں لوٹ جاؤ، ایک دو کوڑی کی عورت کے لئے اپنے اونچے مقام سے نیچے مت گرو، مجھے ایسے کسی راستے کا انتخاب ہی نہیں کرنا جو تم تک جاتا ہے۔'' سرد لہجے میں بات ختم کرتی وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور اگلے ہی پل آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تھی مگر داؤد وہیں موجود کسی گہری سوچ میں گم رہا تھا۔

☆☆☆

رات آنکھوں میں گزری تھی، گھٹن تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی، بے چینی ایسی شدید تھی کہ وہ کہیں بھاگ جانا چاہتی تھی، وہ شاید اپنے آپ سے ہی فرار چاہتی تھی، اتنی صبح بوتیک کا ٹائم بھی نہیں ہوا تھا مگر وہ پھر بھی گھر سے نکل گئی تھی، بے سمت چلنا اور چلتے رہنا بھی کبھی بہت غنیمت لگتا ہے، لگتا ہے ہر اٹھتا قدم کرب و اذیت کے غبار سے دور کرتا جا رہا ہے جبکہ ایسا نہیں ہوتا، سوچ کی لہروں پر پھیلتا یہ غبار مسلسل تعاقب میں ہی رہتا ہے۔

سڑک کے کنارے غائب دماغی سے چلتے ہوئے اس کی آنکھیں کسی غیر مرئی چیز پر ساکت تھیں، صبح کا یہ وقت کسی بھی چہل پہل سے ماورا تھا، جیسا سناٹا اس کے اندر موجود تھا ویسا ہی باہر پھیلا تھا مگر پھر جانے کہاں سے ایک دلخراش سے شور نے ماحول کے جمود کو توڑ دیا تھا، ہوشیار وہ پہلے بھی نہیں تھی، تمام حسیات سن ہو گئی تھیں، تیز رفتار بائیک کے ساتھ وہ سڑک پر گھسٹتی چلی جا رہی تھی، چیخیں حلق میں گھٹ گئی تھیں مگر ہوش و حواس گم ہونے کے باوجود اس سنگین صورتحال میں بھی اس نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی تھی، قدرت اس کے ساتھ تھی کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئی تھی، شور مچاتی بائیک آگے بڑھتی چلی گئی تھی، سڑک سے اٹھنے کی کوشش میں اس کا پورا وجود اذیت سے چور تھا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا، دھندلائی نظروں سے اس نے دیکھا دور سے وہ بائیک واپس اس کی سمت آ رہی تھی، بھاگنے کی اس میں سکت نہیں تھی نہ ہی میدان چھوڑنا اس کی فطرت میں تھا، تکالیف و اذیت نے یکدم اس کے اشتعال کو بھڑکا دیا تھا، دو قدم کے فاصلے پر پڑی ایک لکڑی اسے اپنا ہتھیار نظر آئی تھی، وہ ہمت مجتمع کر کے اپنے پیروں پر کھڑی ہوتی لکڑی اٹھا چکی تھی، جیسے جیسے بائیک قریب آتی جا رہی تھی اس کے ہاتھوں کی گرفت لکڑی پر مضبوط ہوتی چلی گئی تھی، بروقت پوری قوت سے اس نے ہیلمٹ میں چھپے سر پر دے ماری اس قوت سے کہ وہ خود بھی توازن برقرار نہیں رکھ سکی تھی، ادھر وہ تیورا کر سڑک پر گری ادھر وہ شخص بری طرح سر کے بل لڑھکتا ہوا خاردار جھاڑیوں میں جا گرا تھا اور اس کی بائیک اوندھی ہو کر سڑک پر دور تک پھسلتی چلی گئی تھی۔

اس بار اٹھنے کی کوشش میں اس کا وجود مزید بے جان ہو رہا تھا، سارے منظر آپس میں گڈمڈ ہوتے اسے کسی اور دنیا میں لے جا رہے تھے مگر وہ اپنے حواس کھونا نہیں چاہتی تھی، اسی کشمکش میں اسے کسی گاڑی کے ٹائر کی آواز سنائی دی تھی، اٹھنے کی کوشش میں اسے یکدم ایک مضبوط گرفت اپنے شانوں پر محسوس ہوئی تھی، زرگون کو بس یہ یاد رہا کہ اس نے گرفت سے آزاد ہونے کے

لئے مذاحمت کی تھی اور پھر اس کا ذہن مکمل تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

☆☆☆

جانے کون سی طاقت گہری تاریکی سے روشنی کی جانب کھینچ رہی تھی، آنکھیں کھولنا ناممکن ہو رہا تھا، چند لمحوں بعد اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر ارد گرد اجنبی ماحول کو پہچاننے کی کوشش کی تھی، تب ہی ایک جھماکہ سا ہوا تھا، ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے اس کے لبوں سے کراہیں پھوٹ گئی تھیں، پورے وجود میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، گم حواسوں کے ساتھ بند دروازے کو دیکھتی وہ ساری تکالیف بھلائے بیڈ سے اتری تھی، کمرے کی دیواریں اسے اپنے اوپر گرتی دکھائی دے رہی تھیں، انجانے خوف سے سانس بند ہو رہی تھی، اپنی گرد آلود پھٹی چادر جسم کے گرد لپیٹتی وہ لرزتے قدموں سے دروازے کی سمت بڑھ رہی تھی جب کھلتے دروازے نے اس کے قدم زمین میں جکڑ دیئے تھے، وحشت زدہ نظروں سے اندر آتے شخص کو دیکھتی وہ پیچھے ہٹتی چلی گئی تھی، بے جان وجود کے ساتھ بیڈ کی پائنتی پر بیٹھتی وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا گئی تھی، اس کا وجود لرز رہا تھا، سسکیاں بلند ہو رہی تھیں۔

''میں جانتا ہوں، تمہیں یہ سوچ رلا رہی ہے کہ میں تمہیں جھکانے میں کامیاب ہو گیا، میری انا سر بلند ہو گئی، تمہارے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی سوچ سما بھی نہیں سکتی، یا پھر ان آنسوؤں کی وجہ وہ حد ہے جو پری وش نے تمہارے اور میرے درمیان لگائی اور وہ آج میں نے توڑ ڈالی۔''

''اس کا نام مت لاؤ اپنی زبان پر۔'' وہ رونا بھول کر چیخ اٹھی تھی۔

''لاؤں گا اس کا نام میں اپنی زبان پر۔''

داؤد کی آواز اس سے زیادہ بلند تھی۔

''صرف اسی کی وجہ سے تم تنہا اور قابل رحم زندگی گزار رہی ہو، صرف اسی کی وجہ سے، گلی کے ایسے آوارہ کتے تم پر بھونکتے رہے جن کا اپنا کوئی کردار نہیں، اسی کی وجہ سے آج تمہیں سڑک پر گھسیٹا گیا۔'' سرخ چہرے کے ساتھ بولتا وہ زرگون کی آواز بلند کر گیا تھا۔

''اس عورت نے اپنی محرومیوں کا بدلہ تم سے لیا، جو کچھ وہ خود حاصل نہیں کر سکی، وہ سب اس نے تمہیں بھی نہیں ملنے دیا بلکہ جو تھا وہ بھی چھین لیا تم سے، تمہارے گھر والوں کا منہ روپوں سے بند کر کے وہ تمہیں ان سے دور رکھتی رہی، وہ اپنے لئے تمہیں دنیا سے بچا بچا کر رکھتی رہی، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنی زندگی میں ہی تمہیں تحفظ دے کر جاتی، یوں تنہا حالات کے حوالے کر کے نہیں، آخری وقت میں بھی اسے تم پر رحم نہیں آیا، وہ تمہارا سب کچھ نہیں تھی، تمہارا سب کچھ، تمہاری وہ ماں ہے جو تم سے اپنی محبت کا اظہار کر سکتی ہے نہ اپنے آنسو دکھا سکتی ہے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو قصور وار سمجھتی ہے تم سے دوری کی، تمہیں صرف یہ نظر آتا ہے کہ پری وش نے تمہارے ساتھ کیا اچھا کیا مگر اس اچھا کے پیچھے کیا کیا برا ہوا ہے، اس کا اندازہ بھی ہے تمہیں؟ قصور وار اگر تمہارے بہن بھائی ہیں تو اس میں تم بھی شریک ہو، کتنی بار تم نے ان کے اور اپنے درمیان کھڑی دیواروں کو گرانے کی کوشش کی؟ کبھی پوچھا تم نے اپنی محسن سے کہ وہ ایسے شخص کو کیوں بار بار ٹھکرا رہی ہے جو بہت عزت کے ساتھ تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے؟ مگر تم کیوں کوئی سوال کرتیں، تمہیں تو اس پر اندھا اعتبار تھا، مجھ سے پوچھو وہ تمہاری شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ جانتی تھی کہ اس دنیا میں تمہارے علاوہ کوئی اس

سے مخلص نہیں ہے، اس کی تنہائی دور کرنے کا ایک واحد ذریعہ تم تھیں، قبر میں تو سب کو جانا ہے مگر تمہاری محترم استاد تو زندگی میں ہی تمہارے لئے گڑھا کھود گئیں، جو زندگی اس نے گزاری وہی زندگی وہ تمہیں دے گئی ہے مگر تم اس جیسی زندگی نہیں گزار سکتیں کیونکہ تمہارے پاس کوئی زرگون نہیں ہے جو اپنے ہر رشتے کو بھلا کر تمہارے گھٹنوں سے لگ کر بیٹھ جائے۔''

دھندلائی نظروں سے وہ ساکت بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی جو یکدم اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا اس کے شانے مضبوطی سے تھام چکا تھا۔

''میں تھک گیا تھا اس سے التجاء کرتے کرتے، پھر تمہیں پکارتا رہا، مگر تم تو صرف وہی سن سکتی تھیں جو تمہاری محسن کہتی تھی، اس کی خوشی کے لئے تم نے اپنا دل سخت بنا لیا میرے لئے، تمہیں کیا لگتا ہے تمہارے سوا دنیا میں کوئی عورت باقی نہیں رہی تھی؟ یا پھر تم آسمان سے اتری مخلوق تھیں جس کے قابل دنیا کا کوئی انسان نہیں؟ زرگون، میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں اس عورت کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا جو پہلی نظر میں میرے دل میں اتر کر دھڑکنوں میں شامل ہو گئی تھی، جس کے خدوخال نے نہیں اس کی تنہائی نے میرے دل کو اس کی طرف کھینچا تھا، وہ مجھے بالکل اپنی جیسی نظر آئی تھی، بہت سارے انسانوں کے درمیان بھی تنہا، اپنی تنہائی میں مگن۔'' اس کے چہرے پر بکھرتے آنسوؤں کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتا وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''زرگون! میں جانتا ہوں، زیادتی ہوئی ہے، محرومیاں رہیں ہیں تمہاری زندگی میں مگر اپنے آپ کو کسی کے فیصلوں کسی کی مرضی کے حوالے کر دینا خود اپنے ساتھ نا انصافی ہے، اپنی ذات کی حق تلفی ہے، کبھی سوچا تم نے کہ وہ کون سی چیز ہے جو مجھے تم سے غافل نہیں ہونے دیتی؟ کبھی سوچا کہ وہ کون سا جذبہ ہے کہ میں سب کچھ چھوڑ کر تمہاری طرف آیا تھا؟'' اس کے سوال پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی، آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں اٹک گیا تھا۔

''زرگون! انا اور خودداری میں بہت فرق ہوتا ہے، انا اپنے سامنے پھیلے ہاتھ کی سمت دیکھنے نہیں دیتی، خودداری کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے نہیں دیتی، اگر مجھے مسلط ہونا ہوتا تو تم بہت پہلے یہاں تک پہنچ چکی ہوتیں، مگر فیصلہ اب بھی تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تمہیں کون سی زندگی اپنے لئے منتخب کرنی ہے، پلٹ کر واپس جانا ہے اپنی تنہائی میں یا میرے ساتھ ایک نئی زندگی کی شروعات کرنی ہے۔'' بات ختم کرتا وہ اس کے سامنے سے اٹھ گیا تھا۔

''رانی یہاں آ گئی ہے، میں اسے بھیجتا ہوں، اگر تم اس کے ساتھ واپس جانا چاہو تو میں کوئی سوال نہیں کروں گا۔'' اس کے جھکے سر پر نگاہ ڈال کر وہ بولا تھا۔

سر اٹھا کر زرگون نے اس کی پشت کو دیکھا تھا جو وہاں سے جا رہا تھا، اسے اپنی دسترس میں رکھنے کے باوجود وہ اسے اس کی رضا سے حاصل کرنا چاہتا تھا، ایسے شخص کو گنوا کر اسے دنیا میں کہاں پناہ مل سکتی تھی، یکدم اسے احساس ہوا تھا کہ انجانے میں وہ جہاں پہنچ چکی ہے، یہ کوئی پڑاؤ نہیں البتہ منزل ضرور ہے۔

''اتنا آسان ہے تمہارے لئے مجھے یہاں سے جانے کا کہہ دینا؟'' زرگون کی آواز پر وہ یکدم رک کر پلٹا تھا، بس ایک پل کو وہ بے یقین سا ہوا مگر پھر اس کے حزن اور ملال سے شکستہ چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا۔

☆☆☆

ایک طائرانہ نگاہ اس نے اپنے اردگرد ڈالی تھی، مناسب فرنیچر اور چند دیگر آرائشی چیزوں کے ساتھ سجا ڈرائنگ روم نفاست اور سادگی کا نمونہ لگ رہا تھا، گہری سانس لے کر اس نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں، باہر سے آتیں مانوس ملی جلی آوازیں آہستہ آہستہ معدوم ہوتی جارہی تھیں، کچھ دیر پہلے تک یہاں کتنی رونق تھی، اس نے سوچا تا، بدگمانیوں کی دھند میں ہر رشتے کی اہمیت اور احترام گم ہوجاتا ہے، رشتے بس نام کے رہ جاتے ہیں، جن کی کوئی حقیقت کوئی وقعت باقی نہیں رہتی، مگر اب دھند چھٹ چکی تھی، دل پر جمی گرد صاف ہوئی تو آنکھیں بھی دیکھنے کے قابل ہوگئیں، وہ سب جو غبار میں گم تھا اپنے بھائی بہنوں اور ماں سے کٹ کر جو اس نے گزاری، وہ زندگی رائیگاں ہی تو تھی، آج سب ہی تو تھے اس کے اردگرد، اپنے اپنے منصب کا حق ادا کرنے کے لئے، آج ان رشتوں کے درمیان اسے اپنا آپ بہت مضبوط لگ رہا تھا، یہ سب کچھ جو بھی تھا، بہت خوبصورت تھا، کسی خوش کن خواب کی طرح، یہ سب کچھ ایک شخص کی بدولت تھا کہ آج سر پر آسمان بھی اپنا تھا اور پیروں تلے زمین بھی اپنی تھی، عزت اور مرتبہ حاصل ہوا تھا، ورنہ وہ کیا تھی، کچھ بھی تو نہیں۔

پہلی بار اسے اندازہ ہوا تھا کہ عورت کے لئے ایک مرد کی ڈھال کتنی اہم ہوتی ہے، ایک اس کے ہونے سے زمانہ بھی اپنا ہوتا ہے، دنیا بھی پہچانی جاتی ہے، صحیح معنوں میں اسے احساس ہوا تھا کہ مرد کے بغیر ایک تنہا عورت فقط ایک خزاں رسیدہ زرد ٹوٹے پتے جیسی ہوتی ہے، جسے ہوا جس سمت چاہے اڑا کر لے جاتی ہے، یہ کائنات توازن کے اصولوں پر ہی تو قائم ہے، وہ مطمئن تھی کہ اب اس کی زندگی بھی متوازن ہوچکی ہے، بند آنکھوں کے ساتھ وہ سوچتی رہی تھی۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے داؤد نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا جس کا سر سرخ دوپٹے کے ہالے میں صوفے کی پشت پر کچھ ڈھلکا ہوا تھا، اس کے کان میں سجا سنہری جھمکا تیز روشنی میں چمک رہا تھا، سفید کلیوں سے سجی سیاہ چوٹی، آگے ڈھلک آئی تھی، سرخ چوڑیوں اور پھولوں کے مہکتے کنگن سے سجا ہاتھ گود میں دھرا تھا جبکہ دوسرا ہاتھ جھلملاتے دوپٹے کے اندر غائب تھا، دور سے وہ موم کی گڑیا دکھائی دے رہی تھی، گلا کھنکھارنے پر بھی اس کی آنکھیں نہیں کھلیں تو اس کے خوابیدہ چہرے کو دیکھتا داؤد قریب ہی براجمان ہوا تھا۔

چند لمحوں تک وہ مزید اس کے ملیح چہرے کے نقوش دیکھتا رہا تھا اور پھر دھیرے سے استحقاق کے ساتھ اس کے چہرے کو چھولیا تھا، زرگون نے چونک کر آنکھیں کھولی تھیں جبکہ اس کی آنکھوں کے گلابی خمار نے داؤد کو مبہوت کردیا تھا دوسری جانب وہ نگاہ چراتی سمٹ سی گئی تھی۔

''تمہاری طبیعت اب بہتر ہے؟'' دلچسپی سے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتا وہ پوچھ رہا تھا جواباً زرگون نے بس اثبات میں سر کو ذرا حرکت دی تھی۔

''تم بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوگی، تمہیں کمرے میں جاکر آرام کرنا چاہیے۔'' داؤد نے بولتے ہوئے اٹھنے سے پہلے اس کا ہاتھ بھی تھاما تھا۔

''رانی بتا رہی تھی کہ امداد ہاسپٹل میں ہے۔'' زرگون کے یکدم کہنے پر داؤد نے رک کر اسے دیکھا تھا۔

''ظاہر ہے، ہتھکڑی پہننے سے پہلے اسے اپنی ٹوٹی ہڈیاں تو جڑوانی ہیں۔'' وہ بولا تھا۔

''مگراس کے ماں باپ، وہ ان کا ایک ہی بیٹا ہے۔'' زرگون کے تشویش سے کہنے پر داؤد کے چہرے کے تاثرات ناگوار سے ہوئے تھے۔

''تمہیں اس کے ماں باپ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کے ماں باپ نے بھی شاید کبھی یہ فکر نہیں کی کہ ان کا اکلوتا بیٹا کیا گل کھلا رہا ہے۔''

''وہ سب جانتے ہیں مگراس کی ہٹ دھرمی کے آگے بے بس ہیں۔''

''جو کچھ وہ کرتا رہا ہے تمہارے ساتھ اور جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس کے بعد میں بھی بے بس ہوں۔'' وہ قطعی لہجے میں بولتا اس معاملے میں اس کی کچھ نہیں سننا چاہتا تھا۔

''بس ایک آخری موقع دینے میں کیا حرج ہے، ایک بار بس اس کے ماں باپ کے بارے میں سوچو۔'' زرگون کے اصرار بھرے لہجے پر داؤد نے زچ ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہے اگر وہ اپنے ماں باپ کے سامنے تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لیتا ہے تو میں ہاسپٹل سے اسے جیل کے بجائے گھر ضرور جانے دوں گا۔'' داؤد کے قطعی انداز پر وہ خاموش رہی تھی لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ امداد کے لئے اس کی وکالت داؤد کو پسند نہیں آئی کیونکہ کمرے میں پہنچنے تک اس نے زرگون کو مخاطب کیا نہ اس کی جانب دیکھا۔

''تم ناراض ہو گئے ہو؟'' بیڈ کے کنارے بیٹھتے ہوئے وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں سارے جہان کا درد تمہارے دل میں ہے۔'' کچھ خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے داؤد نے اس کا ہاتھ چھوڑا تھا جبکہ وہ مسکراہٹ چھپائے اسے دیکھتی رہی تھی جو گلاس ونڈو کے سامنے جا رکا تھا۔

چند لمحوں تک وہ باہر پھیلے پرفسوں رات کے سکوت کا جائزہ لیتا رہا تھا اور پھر یکدم زرگون کی طرف متوجہ ہوا تھا جو سرعت سے نگاہ چراتی اسے مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔

''اگر تم یہاں آ سکو تو میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔'' داؤد کے کہنے پر وہ حیران ہوتی اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

''ذرا اور قریب آ جانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔'' مسکراتی نظروں سے اس کے جھینپے تاثرات کو دیکھتے ہوئے داؤد نے اسے اپنے قریب کیا تھا۔

''دیکھو، رات کی تاریکی میں آسمان کتنا خوبصورت لگ رہا ہے، ادھورا چاند بھی اپنے آپ میں کتنا مکمل اور روشن ہے، ستارے آج کچھ زیادہ روشن ہیں، ستارے آج کچھ زیادہ بلکہ بے تحاشہ تعداد میں جگمگا رہے ہیں۔'' آسمان کو دیکھتا وہ پرسکون لہجے میں بول رہا تھا جبکہ وہ چپ چاپ اس کے روشن روشن سے چہرے کو دیکھتی رہی تھی۔

''جانتی ہو، وہ بھی ایک ایسی ہی سحر انگیز رات تھی، کسی شاعر کے اعزاز میں تھی وہ تقریب، اتفاق سے میں وہاں موجود تھا، رات اور محفل اپنے عروج پر تھی جب میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تھا، پری وش اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی، سب مہمان مبہوت تھے مگر میرے لئے اس سب میں کوئی کشش نہیں تھی، مجھے تو اس منظر نے سب کچھ بھلا دیا تھا جس میں تم تھیں، سب سے الگ تھلگ، لاتعلق تم سفید پھولوں کی کیاری کے قریب بیٹھی کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہی تھیں، کبھی تم پھولوں کا لمس اپنی پوروں پر سمیٹتیں کبھی ہاتھ پر چہرہ ٹکا کر آسمان پر روشن چاند کو دیکھتیں کسی سوچ میں گم ہو جاتیں، اردگرد سے زیادہ تمہارے لئے تمہاری وہ تنہائی اہم تھی جس میں تم کھوئی ہوئی تھیں، وہ تنہائی کا ایک مکمل منظر تھا، جس کے سحر نے مجھے اس شدت سے دم بخود کیا کہ ہمیشہ کے لئے میں اس سحر میں جکڑا گیا۔'' آسمان سے نگاہ ہٹاتا وہ زرگون کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''اپنی کوشش میں ناکامی اور تمہاری مستقل خاموشی نے مجبور کر دیا مجھے تم تک پہنچنے کے لئے، دنیا کے سارے جھمیلے چھوڑ کر میں تمہارے قریب چلا آیا، زندگی کے کئی سال روپے کمانے اور خود سے تعلق رکھنے والوں کو خوشیاں اور آسودگی مہیا کرتے رہنے کے بعد دل نے پہلی بار احساس دلایا کہ میری زندگی پر میرا حق بھی تو ہے، کسی کے لئے اب سب کچھ تیاگ کر تو دیکھو، کسی بھی سہولت سے عاری وہ فلیٹ میرے لئے دنیا کی سب سے آسودہ جگہ تھی کیونکہ وہاں میں تمہاری آواز سن سکتا تھا، تمہیں دیکھ سکتا تھا، مگر سب سے اہم وہاں مجھے جو حاصل ہوا وہ اپنے رب کی قربت ہے، میں بھول ہی تو چکا تھا دنیا کے ان جھمیلوں میں اپنے رب کو، یہ اللہ کا ہی تو احسان ہے کہ اس نے مجھے توفیق دی کہ اسے راضی کر سکوں، اب سوچتا ہوں، اتنا عرصہ تمہیں پکارنے کے بجائے اللہ کو پکارتا تو تم بہت پہلے مجھے مل جاتیں۔'' اس کے خاموش ہونے پر زرگون نے نظر اٹھائی تھی۔

''امام صاحب کو سچ کب بتایا تم نے؟''

''تم سمجھ سکتی ہو کہ میں نے مجبوراً ان سے غلط بیانی کی تھی مگر میں زیادہ دن تک ان سے سچ چھپا نہیں سکا تھا، وہ ناراض کم اور حیران زیادہ تھے، انہوں نے کہا تھا کہ وہ میرے جھوٹ کے لئے مجھے اس دن معاف کر دیں گے جب وہ میرا اور تمہارا نکاح پڑھائیں گے، آج میں مطمئن

ہوں کہ انہوں نے مکمل طور پر ٹ ئ ٹ حاف کر دیا ہو گا۔'' وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''یاد آیا تمہیں ایک تحفہ بھی تو دینا ہے۔'' یکدم بولتا وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سرخ مخملی باکس تھا۔

''یہ میرے لئے سب سے قیمتی اور مقدس ہے جو میں تمہیں دینا چاہتا تھا، اب تم خود اسے دیکھو۔'' اس کے کہنے پر زرگون نے کچھ حیرت کچھ تجسس سے باکس کا اوپری حصہ اٹھایا تھا، اس کے ساتھ ہی گلاب کی مسحور کن تیز مہک قوت شامہ سے ٹکرائی تھی، ایک سچی مسکراہٹ زرگون کے لبوں پر ابھری تھی، باکس کے اندر پھول کی پتیوں کے ڈھیر کے درمیان سبز چمکتی جلد کا قرآن مجید موجود تھا۔

''یاد ہے، تم نے ہی مجھے یہ تحفہ دیا تھا، اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا تھا کچھ آج تمہیں دینے کے لئے۔'' داؤد نے کہا تھا۔

''تم نے ٹھیک کہا، اس سے زیادہ مقدس تحفہ اور کیا ہو سکتا تھا، ویسے بھی میں اب جب جب اسے کھولوں گی تو ثواب کے حق دار تم بھی ٹھہرو گے۔'' وہ بولی تھی۔

''مگر میں اللہ سے دعا کروں گا کہ میرے حصے کا ثواب بھی تمہیں دیا جائے، مجھے خوار کر کے بڑا دل جلایا ہے تم نے، کچھ تو اعمال نامے سے تمہارے گناہ کم ہوں گے۔'' داؤد کے مسکراتے لہجے پر وہ بس مسکرائی تھی۔

''زرگون! کیا واقعی تم نہیں جانتیں کہ وہ کون سی چیز تھی جس نے مجھے تم سے غافل نہیں ہونے دیا تھا۔'' اسے شانوں سے تھام کر داؤد نے اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔'' اس کی گہری نظروں پر وہ بمشکل بول سکی تھی۔

''ہاں، میں تو جانتا ہوں، تمہیں بتانا بھی چاہتا ہوں مگر کیا سننے کی تاب ہے تمہارے اندر؟'' گہرے لہجے میں بولتے ہوئے داؤد نے مزید اسے اپنے قریب کیا تھا جس کے اندر تو داؤد کی جذبے لٹاتی آنکھوں میں دیکھنے کی تاب بھی نہ تھی، جھکی پلکوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے اس نے سرخ مخملی باکس کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا، وہ اسے بتا نہیں سکی تھی کہ یہ اللہ کا ہی احسان ہے کہ شاید اس کے کسی ایک اچھے عمل کے بدلے میں اللہ نے ایک ایسے شخص کے دل میں اس کی چاہت ڈال دی جو خود بھی چاہے جانے کے قابل ہے۔

غافل تو بس اللہ کی ذات نہیں تھی، وہ مطمئن تھی، بے شک ایک دم، اچانک کچھ کام نہیں ہوتے، آسانی حقیقت یہ ہے کہ معاملات کا آسمانوں پر ہی طے ہونا اٹل ہوتا ہے، زمینی حقیقت یہ ہے کہ صبر کے ساتھ ان معاملات کے طے ہونے کی گزارش اور انتظار کیا جائے، ان تمام معاملات میں ایک معاملہ محبت کا بھی ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

سدرۃ المنتہیٰ

بیسویں قسط کا خلاصہ

امر کلہ کے کلاس روم کا عجیب نقشہ ہے نظر آ رہا تھا۔
وہ بستی سے نکلتے ہوئے سادھنا سے آخری بار ملنے جاتی ہے جہاں اس کی ماں ایک ہنگامہ برپا کر دیتی ہے۔
امر کلہ ماں کو اس کی دوست سکھی کے پاس چھوڑ کر خود مکان بیچنے کے لئے نکلنا چاہتی ہے، سکھی کے گھر میں گم صم لڑکی فاطمہ ہے، سکھی فاطمہ کی کہانی اور اپنے بیٹے کی داستان سناتے جب آخر میں علی گوہر کا نام لیتی ہے تو وہ چونکتی ہے۔
امر کلہ حیدر آباد سے جا کر امرت کو ڈھونڈتی ہے۔
امرت لاھوت کے ساتھ گاؤں گئی ہے جہاں لاھوت کے ساتھ اس کے خفیہ نکاح کی تیاری کا ارادہ رکھتے ہیں۔
امر کلہ امرت کے لئے عمارہ کے گھر فون کرتی ہے اور جاء نماز پہ کھڑے علی گوہر کو ایک جھٹکا لگتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

اکیسویں قسط
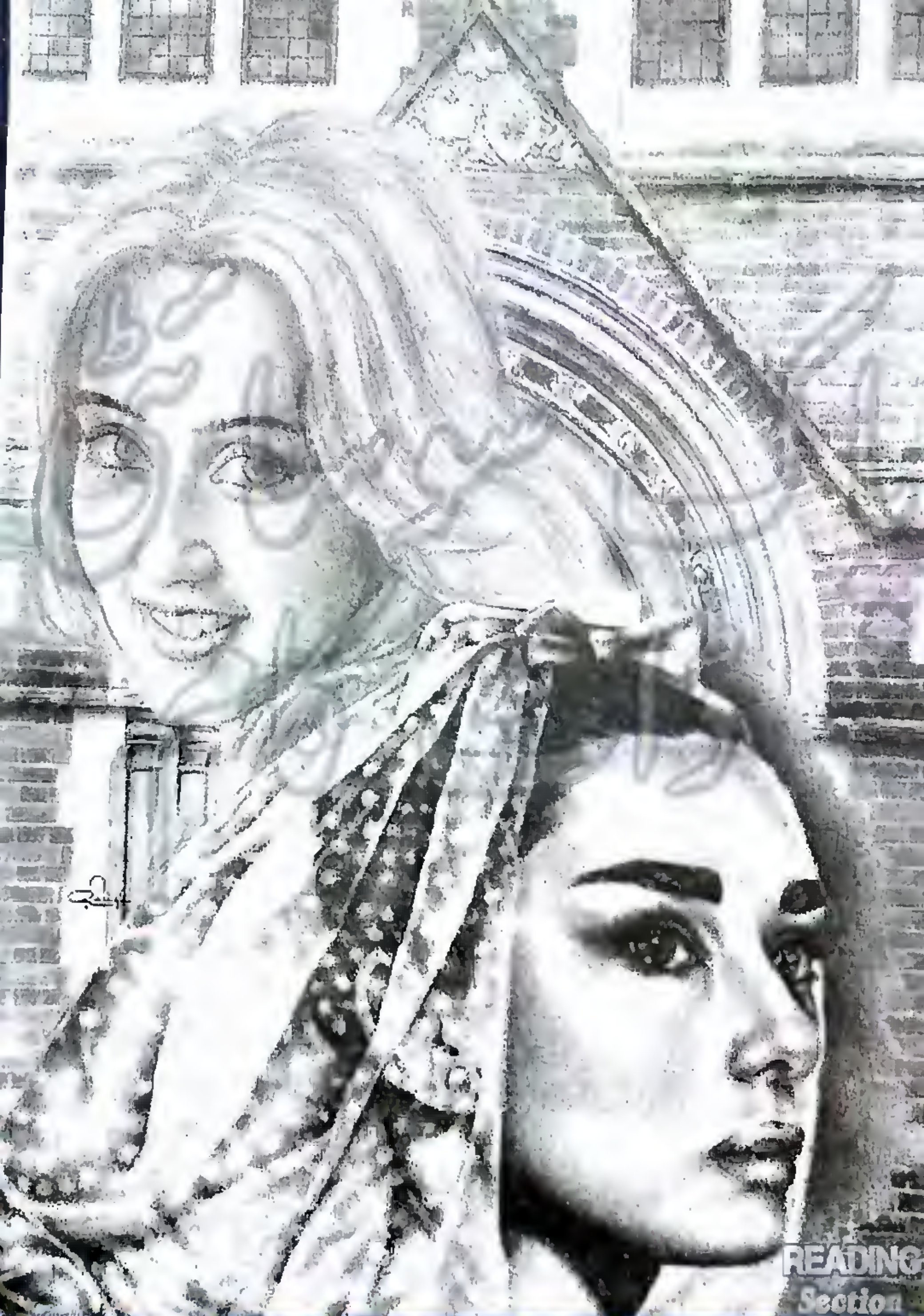
''اے حضرت انسان تمہیں کبھی محبت راس نہیں آئی، نہ آتی ہے، یہ تمہیں تڑپاتی ہے، ہجر میں دھکیلتی ہے، انسانوں کی محبت دھوکہ دیتی ہے، تم کیوں نہیں سمجھتے کہ ایک سراب ہے، دھوکا ہے۔''

''میں تھک چکا ہوں۔'' اس نے مسئلہ سمجھایا تھا۔

''یا اللہ میں تھک چکا ہوں، مجھے محبت نے نڈھال کر دیا ہے، مجھ پر حال طاری ہو گیا ہے، میں زندگی سے ہٹ گیا ہوں، میں زندہ ہوں مگر دل مرا ہوا ہے، میرا دل خواہش کے بوجھ سے دبا ہوا ہے، مجھے اس بوجھ سے آزاد کر دے۔'' پہلا سجدہ، دوسرا سجدہ، پھر اٹھا۔

رکوع کی حالت...... فون بجا...... بجتا ہی رہا، ذہن منتشر ہو رہا تھا، نماز میں جو رکاوٹیں آتی ہی، ضروری نہیں، شیطان...... ضروری نہیں نفس...... اس کے علاوہ بھی، اسے لگا جب بندہ خدا کے حضور ساری توجہ اس پر مرکوز کرنا چاہتا ہے تو ساری کائنات کی توجہ اسی پہ مرکوز ہو جاتی ہے، وہ کچھ اور دیکھنا چاہتا ہے اور دنیا دو آنکھوں سے اسی کو دیکھے جاتی ہے۔

جب کوئی بھی نظر جمائے رہتا ہے، اسے لگا کائنات دو آنکھوں سے اسے گھور رہی ہے، وہ کسی حجاب میں آ رہا تھا۔

جھجک غالب آنے لگی، شکوے جواب کی شدت کے ساتھ کھڑے تھے، ضدی تھے، جواب چاہتے تھے، وہ مجبور، ایک طرف شکوؤں کا حملہ، دوسری جانب وہ جس کا شکر کبھی بجا نہیں لایا تو مزید مانگ تانگ کس منہ سے کرتا، مگر اسی منہ سے کھڑا تھا۔

''حضرت انسان کیا تیری بے بسی نے کبھی تجھ پر رحم کیا، کبھی تجھے چھوڑا۔'' ایک ہچکی روکی تھی اس نے، نماز میں رونے سے باز رہنا ضروری تھا، ادب ہوشیار کرتا تھا، مگر یہ دنیا...... یہ فون...... یہ پاس سے گزرتے ہوئے لوگ اور دن کی آوازیں۔

فون کسی نے ریسو کیا تھا، عمارہ پوچھ گچھ کر رہی تھی کسی سے، جب اس نے کہا امرکلہ تو علی گوہر کو ایک جھٹکا لگا تھا، شدید ترین جھٹکا جس نے اس کی ہستی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

''امرکلہ!'' نام بلند آواز میں لیا تھا، اس کو جاء نماز پہ کھڑے کھڑے جھٹکا لگا تھا، عمارہ نے جاء نماز پہ کھڑے علی گوہر کے پل کے اندر بدلتے چہرے کے تاثر کو دیکھ لیا تھا، وہ اس کے سامنے ہی فون تھامے کھڑی تھی، اسے اسی لمحے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

''یہاں ہم کسی امرکلہ کو نہیں جانتے، بلکہ یہاں کوئی امرکلہ نہیں آئی (آں نہیں...... ایسے نہیں)۔'' وہ بڑبڑائی۔

''دیکھیں، آپ کو امرکلہ یا امرت جس کی بھی تلاش ہو چاہے آپ ان کی کالج فیلو رہ چکی ہوں، میں کچھ نہیں بتا سکتی، اس سلسلے میں، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔'' وہ اول فول بولے جا رہی تھی۔

نماز میں کھڑے علی گوہر نے چوتھے لمحے میں خود پہ قابو پا لیا تھا اور امرکلہ دوسری طرف نا سمجھی سے فون تھامے کھڑی تھی، اسی الجھن میں اس نے فون رکھا تھا اور باہر آ گئی، سمجھنے کے لئے بہت کچھ تھا، مگر سمجھنے کا وقت ہاتھ سے پھسلتا اور کھسکتا جا رہا تھا، ابھی اسے گھر لوٹنا تھا اور کوئی حتمی فیصلہ

کرنا تھا اس کے دل میں آیا پروفیسر غفور سے مل لے، ان کا شکریہ ادا کرے، اسے اپنی حالت پہ رونا تھا۔

''کس کس سے جا کر گزارش کروں، معافی مانگوں، اپنی کوتاہیوں کی، سب کو خود ہی چھوڑا میں نے، سب سے کنارہ کیا، اب جا جا کر سب کو تلاش کروں، اپنی کوتاہیوں کا حساب کتنا بڑا ہے، علی کو ہر ایک تمہاری نہیں میں سب کی مجرم ہوں۔''

وہ بددل سی ہو کر گھر آ گئی، اس کا کھانے پر انتظار کیا جا رہا تھا، خاتون خاصی بیزار نظر آ رہی تھیں۔

چچا کی آنکھیں کاغذات دیکھ کر چمک رہی تھیں، کہ کم رقم میں پلاٹ مل رہا ہے جس پہ وہ اپنے بیٹوں کے لیے مکان بنالیں گے جبکہ خاتون کا ذہن اور ہی سوچوں میں مگن تھا کہ کم قیمت میں خرید کر زیادہ رقم میں بیچ دیا جائے، مگر درحقیقت مسئلہ یہ تھا کہ ان کے پاس رقم کی ادائیگی کے کوئی چانس تھے ہی نہیں، وہ اس سے کچھ عرصے بعد کی بات کرنا چاہ رہے تھے مگر انہیں پتہ تھا اسے فوری پیسوں کی ضرورت ہے۔

کمرے میں بیٹھ کر یہ میاں بیوی کوئی نیا منصوبہ سوچ رہے تھے اور کچن کی چوکی کے پاس بیٹھی امرکلہ کھانا کھا رہی تھی ان کی بیٹی نے انتہائی افسوس سے اسے کہا تھا کہ پلاٹ مت بیچئے، یہاں گھر بنالے اپنا، وہ اسے کیا بتاتی کہ گھر تعمیر کرنا تو آسان ہے مگر اسے بنانا مشکل ہے۔

''میں یہاں گھر کس کے لئے بناؤں۔'' وہ بڑبڑائی اور کھانا ختم کیا۔

ان میاں بیوی نے کوئی حل نکال ہی لیا تھا، وہ اسے کسی پارٹی کا بتا رہے تھے کہ کچھ لوگوں کو گھر دکھائیں گے، کل بات کریں گے، مزید ایک دو دن لگ سکتے ہیں۔

اب مزید ایک دو دن پہاڑ جیسے وہ یہاں گزار کر کیا کرے گی آخر، کیسے گزارے گی، اس کوفت سی ہوئی، بجلی جا چکی تھی، اس کا دل کیا باہر نکل جائے مگر مناسب نہیں لگ رہا تھا، ویسے ہی گھر کی خاتون کچھ بیزار سی لگ رہی تھیں۔

انہوں نے اسے اشارہ کیا کہ۔

''تمہارا بستر یہاں ہے، کھڑکی کے ساتھ رکھی چارپائی پر، یہاں اچھی ہوا آتی ہے، چاہو تو کسی کو ساتھ سلا لو، کسی بچی کو۔'' اس نے بددلی سے شکریہ ادا کیا اور چارپائی پر آ گئی، وہ سارے لوگ اوپر چھت پہ چلے گئے سونے کے لئے۔

وہ نیچے اکیلی تھی، کھڑکی کھلی تھی، چاند کی روشنی ایک آنکھ سے اندر جھانک رہی تھی، اس نے سر کھڑکی کے پٹ پر لٹکا دیا۔

اسے عمارہ کا جملہ یاد آیا اور پھر سے الجھن طاری ہو گئی، تب اچانک اس کی نظر چاندنی میں اڑتے آسمان کے نیچے کلابازیاں کھاتے سفید پرندے پر پڑی، سنا تھا رات کے اس پہر سفید پروں والا پرندہ دیکھنے کے دو مقصد ہوتے ہیں، ایک تو دولت ملے گی، دوسرا پاگل پن، وہ دونوں وجوہات پر ہنس دی اور باہر آ گئی، لاک کمزور تھا کھل گیا، باہر سے اس نے دروازے کو کنڈا لگایا۔

اپنی بے چین طبیعت سے بے زار ہو کر آوارہ گردی کے جو دورے پڑتے ہیں، اسے خود پر

رونا آتا یا ہنسی، اب تو کوئی اتفاقی طور پہ بھی نہیں ملتا، زندگی کے رستے کیسے ہیں، وہی، مگر منزل کا ارادہ ہر بار مختلف، ہر بار مشکل، گلی دھندلاہٹ سے بھری روشنی میں نہائی تھی، آدھا اندھیرا، آدھا سویرہ، ہلکی ہلکی روشنی میں بھنبھناتے ہوئے مچھر، ہاتھ سے جھٹکتی ہوئی، چادر کا کونہ سنبھالے وہ گلی سے بے مقصد گزرتی ہوئی اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی، جب اچانک کوئی سامنے گلی کے نکڑ سے آتا ہوا نظر آیا تھا اور آج کے دن کا ایک جھٹکا تو اسے بھی لگا تھا۔

☆☆☆

اس نے سلام پھیرا تھا، دعا کی طرف ہاتھ اٹھانا مشکل تب ہو جاتے ہیں جب سمجھ نہیں آتا کہ دعا میں مانگا کیا جائے، کیا چاہیے، کیا ضرورت ہے، خواہشیں چاہے سر پیر کے ساتھ کھڑی ہوں۔

''پتہ نہیں کون تھی، امرت امرکلہ کی کوئی کلاس فیلو۔'' عمارہ بڑبڑائی کمرے کی طرف گئی تھی، وہ کہنا چاہتا تھا کہ جھوٹ بولنے کی مہارت سے تم محروم ہو، مگر کہہ نہیں پایا، جاء نماز لپیٹ کر رکھی اور اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔

''اے عشق تجھ سا بدنام اور کون ہوگا جو بے ناموں کو نام دیتا ہے، کیفیت بڑھا دیتا ہے۔''

عمارہ اس کے لئے چائے لے آئی تھی۔

''کیسے ہو گوہر؟ بخار کیسا ہے؟'' اس نے اس کی پیشانی چھوئی تو تپ رہی تھی۔

''دوا نہیں پی تم نے نا، بہت برا کیا، میں لاتی ہوں۔'' وہ اٹھی۔

''عمارہ! تم میرے پاس بیٹھو، مجھے تم سے آج بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''بخار میں کیا ضروری باتیں ہو سکتی ہیں، مجھے پتہ ہے اول فول بکو گے۔'' وہ مسکرائی۔

''بیٹھ جاؤ عمارہ اور وہ سب کہہ دو جو تمہارے دل میں ہے۔''

''اس کے لئے پوری زندگی پڑی ہے گوہر۔''

''نہیں عمارہ، یہ ہمارا خیال ہوتا ہے، جو چیز وقت پہ نا کی جائے وہ نقصان دہ نہ سہی مگر اہمیت کھو دیتی ہے بیٹھ جاؤ، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

''پہلے میری بات سنو، بورڈ میں ایک سیٹ خالی ہے جا کر اپلائی کرو، مل کے چلیں گے، تمہاری جاب ہو جائے گی تو ذہن بٹ جائے گا ایک تو پھر کام مل جائے گا، اب یہ مت کہنا کہ تمہارا مزدوری میں دل لگتا ہے۔'' وہ اسے بہلانا چاہ رہی تھی۔

''عمارہ میں ٹوٹ چکا ہوں، ایک لمحہ گزر چکا ہے، میں بتانا چاہتا ہوں، مجھے کسی کا انتظار نہیں ہے میرے اندر کی خواہش مر چکی ہیں، میں شدت سے رو کر تھک گیا ہوں، میں نے آرام بھی کر لیا ہے، سونے سے بھی اکتاہٹ ہوتی ہے، کل چلوں گا تمہارے ساتھ مگر میری ایک بات سنتی جاؤ، مجھے بچوں کی طرح بہلانا چھوڑ دو۔''

''یہ اتنی سی بات کرنے کے لئے تمہیں اتنی مشکل باتیں کرنی پڑیں، توبہ ہے گوہر، تم کب سدھرو گے۔''

''کیا تم میرے پاس بیٹھ کر باتیں نہیں کرو گی؟'' عمارہ کو اس کے لہجے پر رحم سا آ گیا۔

''گوہر...... بولو...... کیا کہنا ہے سن رہی ہوں۔''

''امرت ٹھیک ہے، تم اسے کل میرے بارے میں اپنی پریشانی بتارہی تھیں نا؟'' وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''مجال ہے جو کوئی ایک جھوٹ بولا ہو، ویسے تم چھپ چھپ کر باتیں سنتے ہو؟''

''نہیں تو، میں تو پیچھے ہی کھڑا تھا، تم مڑتیں تو مجھے دیکھتیں۔''

''مڑتی تب نا، اگر اتنے دیدہ دلیر تھے تو سامنے آکر کھڑے ہو کر سنتے۔''

''آکر کھڑا ہو جاتا اگر تم ویسے ہی بات کرنے لگتیں، بات بدلنے کی فوری کوشش میں تمہیں یہ نہیں پتہ لگتا کہ تم کہہ کیا رہی ہو اور کس طرح سے کہہ رہی ہو۔''

''گوہر!'' وہ اس کی بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی۔

''گوہر! وہ امر کلہ ہی تھی۔'' اس نے بڑے کمال کا مظاہرہ کیا تھا۔

''اس نے امرت کے لئے فون کیا تھا، بظاہر تو امرت کے لئے مگر......'' وہ کہتے کہتے رہ گئی، گوہر کے چہرے پر اوس برس رہی تھی۔

''امرت کو اس کا پیغام دے دو، امانت میں خیانت مت کرو عمارہ۔''

''گوہر! تم اس سے ملنا چاہو گے؟'' وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔

''عمارہ! ھالار لوٹ آیا ہے، آج شام میں چلیں ان کے ہاں؟ نواز کا فون آیا تھا، وہ بھی گھر آچکا ہے ملاقات کے لئے کہہ رہا تھا۔'' اس نے فوراً بات بدلی۔

''تمہیں شرم نہیں آتی بات بدلتے ہوئے۔'' وہ گرجی، وہ ہنس پڑا۔

''چھوڑو عمارہ، باتوں میں کیا رکھا ہے جو بات بدلتا ہے سمجھو وہ شیر نہیں، مگر بھگوڑا ابھی نہیں کہہ سکتے، ہاں مگر نہیں، کہہ سکتے ہیں میں تو بھگوڑا ہی ہوا، کتنی بار بھاگا ہوں گھر سے، لڑکی ہوتا ماں باپ کبھی نہ قبول کرتے۔'' مسکراہٹ پھیکی تھی۔

''بھاگنا فخر سمجھتے ہو گوہر؟'' وہ جھلائی۔

''نہیں فخر نہیں، بس راہ فرار، بات یہ نہیں ہوتی کہ آپ بھاگے کیوں، بات یہ ہوتی ہے کہ کس کے لئے اور کس لئے اور کیوں؟ تمہیں سب پتہ ہے نا؟'' وہ ابھی سننا چاہتی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں پتہ، نہیں معلوم۔'' وہ الجھا ہوا تھا۔

''تو پھر چلیں پروفیسر صاحب کے ساتھ گپ شپ کرنے۔'' وہ اسے کیسے کیسے بہلا رہی تھی، وہ خود پہ مسکرایا۔

''میں اتنا کمزور ہو گیا ہوں کیا عمارہ؟''

''نہیں اب سے نہیں تم شروع سے ہو۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

''کیا کمزور ہوں؟''

''نہیں، کمزور نہیں ہو بس کچھ کچھ پاگل ہو، دماغ مت کھاؤ، اٹھو تیار ہو جاؤ، آج بہت گھومیں گے پھریں گے، مزے کریں گے۔''

''عمارہ تم بھی نا، بخار میں جل رہا ہوں، میں نہیں چل رہا۔''

''عزمت علی گوہر جانتی ہوں پکے پکے آوارہ ہو۔'' وہ ہنس دی، وہ جھلا کر اٹھا اور مسکرا دیا۔

☆☆☆

لاھوت اس کا سامنا کرنے سے گھبرا رہا تھا اور اسے شدید الجھن ہو رہی تھی، سمجھ نہیں آ رہا تھا کسے کیا کہے، کیا سمجھائے، رات جو بات ہوئی تھی وہ اس کے لئے ایک جھٹکا تھی، حیرت اور ناسمجھی کا جھٹکا۔

اس کو فیصلہ سنایا نہیں جا رہا تھا، نہ پوچھا جا رہا تھا، بلکہ فیصلہ مسلط کیا جا رہا تھا۔

انہوں نے کوئی اس کی رائے نہیں پوچھی، بلکہ کہہ دیا کہ تمہاری اور لاھوت کی بات پکی کر رہے ہیں اور ساتھ نکاح کر رہے ہیں، رخصتی جب بھلے تمہاری ماں آئے تب کر دیں گے، وہ ششدر تھی، ابھی بات سمجھنے کے ہر مرحلے میں تھی کہ ان کی یادداشت کا دور شروع ہو گیا، اسے ساتھ لگائے وہ کیا کچھ بولتی رہی، اس کے بچپن کی باتیں۔

اس کی ضد اور شرارت، وہ ناسمجھی سے ماں جیسی چچی کو دیکھتی رہ گئی، اس نے سوچا کیسے اس بات کو رد کرے، کیا دلیل دے، کیا پوچھے، فی الوقت اسے صرف یہی سوجھا کہ اس نے کہا کیا لاھوت خوش ہے، اس سے پوچھا ہے، وہ راضی ہے۔

اور وہ کھل اٹھیں۔

''وہ کیسے نہیں خوش ہوگا۔''

''آپ مجھے بتائیں آپ نے پوچھا ہے اس سے۔''

''ارے وہ بہت خوش ہے، بہت زیادہ۔'' وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

انہوں نے بات کہنی تھی، کہہ دی اور چلی گئیں اور اسے فوری طور پر الجھا دیا، ایک پورا دن اس نے انتظار کیا کہ لاھوت اس سے کچھ کہے گا، کچھ پوچھے گا، یا وہ سامنے آیا تو وہ پوچھ دے گی، مگر وہ تو اس سے چوروں کی طرح چھپ رہا تھا۔

اس نے رات کو اپنا بیگ تیار کر لیا، اس کی ماں کی واپسی میں باقی چار پانچ دن تھے، اسے ویسے بھی دو دن بعد جانا تھا، سو آج کیوں نہ، وہ ان گھر والوں سے لڑ نہیں سکتی تھی، نہ جھگڑ سکتی تھی، کسی طرح سے بھی گھر کے افراد کے اس کے اوپر بہت احسانات تھے۔

وہ لڑ جھگڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی، کل دن ان کے نکاح کے لئے مقرر ہوا تھا اور اس سے پہلے وہ خاموشی سے یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی، اس وقت بھری دوپہر تھی، گھر کے تقریباً سبھی افراد اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔

بڑی بی نے چونکہ صبح سے بہت کام کیے تھے۔

نئے بستر نکلوا رہی تھیں، شام میں ابھی لوگوں کو نکاح کی دعوت کے لئے پیغام بھجوانے تھے کچھ قریبی رشتہ داروں کو، اس کے لئے شہر سے کچھ چیزیں جوڑے منگوائے گئے تھے وہ بہت پریشانی سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔

اس نے کئی بار دبے لفظوں میں روکا، ٹوکا، مگر لاھوت کی ماں ہوا کے گھوڑے پہ سوار تھیں۔

ان کو سمجھانا ایک لاحاصل بحث اور دکھ کو چھیڑنے کے مترادف تھا۔

وہ دیواروں سے سر ٹکرا کر نہ خود زخمی ہونا چاہتی تھی نہ کسی کو زخم دینا چاہتی تھی، اس گھر کے، گھر

والوں کے اس پہ بہت احسانات تھے، وہ کیسے جھٹلاتی۔
اپنے پیچھے ڈرامائی سچویشن کی طرح چھٹی چھوڑ جانے کی عقلمندی بھی اس نے نہیں کی، بس موقع تھا، گولڈن چانس تھا، سب سوئے تھے، یا پھر دھوپ کی تپش کی وجہ سے اپنے اپنے کمروں میں بند تھے۔
اس نے بیگ لیا اور نکل گئی، گھر سے باہر، بمشکل رستے میں تانگہ ملا تھا، اس نے تانگے میں بیٹھتے ہی تشکر کا سانس لیا تھا، مگر ایک اور فکر فون نہ بٹوے میں تھا، نہ ہاتھ میں، وہ تو شاید فون وہی چھوڑ دیا تھا، غلطی سے، یہی بڑی بات تھی کہ وہ وہاں سے نکل آئی تھی، مگر اب اس کی ماں کی کال اگر آئی وہاں پہ اور کسی نے ریسو کرلیا فون، تو ماں کو عمر بھر وہ وضاحتیں دیتی پھرے گی۔
ابھی وہ بہت الجھی تھی، بس یہ شکر کا احساس غالب تھا کہ وہ وہاں سے نکل آئی ہے، اس نے سوچا شہر جاتے ہی نمبر بند کروا کے دوبارہ کھلوالے گی۔
ابھی اسے یہاں سے شہر پہنچنے میں کتنی دشواری تھی، تانگے سے رکشہ، رکشے سے بس، بس میں بھانت بھانت کے دیہاتی لوگ، ان کی نظریں، رویے، توجہ، اسے الجھن ہونے لگی تھی، ایک بس بدل کر دوسری بس، اک عجیب خواری تھی، بس اسٹاپ پہ اتر کر اس نے عمارہ کو فون کرنا چاہا، تھکن اتنی زیادہ تھی کہ گھر پہنچ کر بھی پریشان ہی ہونا تھا۔
مگر فون بوتھ کام نہیں کر رہا تھا، وہ سیدھی گھر آئی، پورا گھر گرد سے اٹا تھا، اسے چھینکیں آنے لگیں اور تھکن سوا، اس نے گھر کے نمبر سے سب سے پہلے اپنا سیل فون ٹرائی کیا بیل جا رہی تھی مگر کسی نے ریسو نہیں کیا، مطلب فون ابھی کسی کے ہاتھ نہیں لگا، حالانکہ اس کی غیر موجودگی کا علم تو ہو گیا ہوگا۔
شام ہو چکی تھی ڈھائی گھنٹے سے زیادہ اسے سفر میں لگا تھا، اس نے گھر کے نمبر سے عمارہ کو کال کی اور اسے کھانا لانے کو کہا۔
وہ جب تک پہنچتی تب تک اس نے سوچا تھوڑا استالے، اپنے کمرے میں بتی بند کر کے وہ لیٹ گئی، نیند تو نہیں مگر سکون ضرور آیا تھا، کل پرسوں سے جو دماغ الجھا ہوا تماشے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

''خدا جانے عمارہ یہ لوگ اپنی رسموں رواتیوں سے باہر کیوں نہیں نکلتے، ہر کسی کے گلے میں اپنی خواہشوں کی زنجیر اور پاؤں میں روایتوں کی بیڑی ڈال کر ہی خوش رہتے ہیں، جیسے انسان بچوں کی پرورش کرتے ہیں، ویسے ویسے یہ لوگ روایتوں کی نسل در نسل پرورش کرتے ہیں، روایتیں بڑھتی چڑھتی ہیں، پھلتی پھولتی ہیں، پروان چڑھتی ہیں، جوان ہوتی ہیں، مضبوط ہوتی ہیں اور پھر پائیدار ہو جاتی ہیں۔'' کھانا ختم کر کے وہ خالی برتن لئے اٹھی تھی۔
''ایک تو تمہاری بات کے رزلٹ کا انتظار بہت کرنا پڑتا ہے، بات شروع ہوتی ہے جب تک سارے نقطے نہ واضح ہو جائیں تب تک اناؤنسمنٹ نہیں ہو پاتی۔'' وہ بیزاری سے اس کے پیچھے پیچھے آئی۔
''دیکھو میری بات سنو، بلکہ اب دھیان سے سنو۔'' وہ ہنسی۔

''تمہیں یہ سنتے ہوئے پتہ نہیں حیرت ہوگی یا غصہ آئے گا، مگر دو منٹ خاموش ہو کر میری بات کم از کم سن لینا۔''
گنتی کی دو تین پلیٹیں اور ایک باؤل دو چمچ تھے جو اس نے دھونے کے لئے سنک میں ڈال دیئے۔
''وہ لوگ خدا جانے کس خیال کے تحت، آخر ان کو یہ خیال کیسے آیا، یہ بڑی بات نہیں ہے، مگر مجھے بہت شاک لگا تھا ان کو جانتے ہوئے بھی، وہ لوگ لاھوت سے میری شادی کروا رہے تھے، کل کے دن نکاح تھا اور میں بھاگ آئی، افسوس کے چوروں کی طرح، ان لوگوں نے اتنا مجبور کر دیا مجھے، کتنی مجبور ہوگئی، بہت شرمندہ ہوں عمارہ، اب ان سے نگاہ نہیں ملا پاؤں گی، بہت احسانات ہیں ان کے مجھ پر، مگر میں کیا کروں عمارہ، میرے پاس اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔'' عمارہ اسے منہ کھولے دیکھ رہی تھی۔
''تم پاگل ہو امرت، ابھی چلو، میں کہتی ہوں ابھی چلو، میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔''
''ابھی چلوں کس لئے؟'' وہ برتن چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
''دیکھو امرت میری بات سنو، حنان تمہارے قابل نہیں تھا، نہیں تھا نا۔'' وہ ناسمجھی سے دیکھنے لگی۔
''دیکھو اس سے جان چھوٹی تمہاری، اب چھوٹی کہ نہیں چھوٹی۔''
''کیا کہہ رہی ہو، بات کو پہیلی مت بناؤ، حنان کا ذکر کہاں سے آ گیا یہاں پر۔''
''دیکھو اس کا پتہ ہوا صاف، دوسرا یہ کہ تمہاری زندگی میں کوئی اور بھی اہم نہیں، نہ اس حوالے سے کسی نے دلچسپی دکھائی ہے، لاھوت تمہارا کزن ہے، اس کا کردار، اس کی فطرت سب تمہارے سامنے ہے، وہ ایک اچھا لڑکا ہے، پڑھا لکھا ہے، تمہارے قابل ہے، اچھا تھا نکاح ہو رہا تھا، ہونے دیتیں۔''
''تم پاگل ہو عمارہ! وہ سات سال چھوٹا ہے مجھ سے، میں اس سے شادی کروں گی، میں ڈوب نہ مروں، چھوٹے بھائی کی طرح عزیز ہے وہ مجھے، بہنوں کی طرح رہی ہوں میں اس کے ساتھ، میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ ایسا ہوگا اور اس پر وہ خوش ہوگا۔''
''ہیں...... وہ خوش ہے، کیا واقعی؟'' عمارہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔
''سننے میں تو یہی آیا تھا۔''
''تو پھر کیا مسئلہ تھا امرت تمہیں، کتنا غلط فیصلہ کر لیا ہے، چلو ابھی چلو فون کرو ان کو، کوئی جھوٹا بہانہ بنا دو کہ کام کے لئے نکل آئی تھی، اب آ گئی ہوں، چلو دیر نہ کرو۔''
''عمارہ اپنے اوسان بحال کرو ذرا، کوئی نہیں چل رہا وہاں پر حد ہوگئی، میں مشکل سے بھاگ آئی ہوں اور تم پھر سے مجھے اس قید خانے میں بھیج رہی ہو۔''
''دیکھو خالہ کو چپ کرانے کا بھی بہانہ ہے، وہ یہ کہ تم تو بس عیادت کے لئے گئی تھیں اور انہوں نے اٹھا کہ نکاح پڑھوا دیا، اب تمہارا کیا قصور۔''
''مگر میری بہن، میری ماں، نکاح کرنا کون چاہتا ہے میں تو اس وجہ سے جلدی بھاگ آئی

ہوں۔“
”امرت بے وقوفی مت کرو، اچھا ایک اور حل ہے، ایسا کرتے ہیں ان کو کہتے ہیں کہ کیا اچھا لگتا ہے کہ لڑکی کا نکاح اس کی سسرال میں ہو، بھئی نکاح کرنا ہے تو آجائیں، لڑکی کے گھر برادری والے لے کر آجائیں، کیا بات ہے۔“
”عمارہ...... عمارہ...... پاگل ہو گئی ہو کیا، یہ شادی کر کون رہا ہے۔“ وہ اسے بتا کر جیسے پچھتائی تھی۔
”دیکھو امرت مجھے اگر کوئی ایسی پیشکش کرتا تو میں تو ذرا بھی دیر نہیں کرتی۔“
”تو مت کرو دیر، گولڈن چانس ہے، کہو تو فون کر دیتے ہیں کہ بھیا لڑکی بدل گئی ہے، مگر نکاح کینسل نہیں ہوگا، بہن بن کر جاؤں گی تمہاری، لاھوت کے کان کھینچنا جانتی ہوں۔“ اسے مزا آنے لگا بات اس کے گلے ڈال کر۔
”پاگل کی بچی، پسند وہ تمہیں کرتا ہے مجھے نہیں۔“
”کوئی نہیں پسند وسند کرتا، میں نے خود تھوڑا ہی سنا ہے اس کے منہ سے، وہ تو ویسے ہی اس کی ماں مجھے مکھن لگا رہی تھی۔“
”نہیں امرت نہیں، اس خاندان میں تم سجو گی، تم جچو گی، تم اچھی لگو گی، تم ان کی خاندانی بہو ہو گی۔“ امرت نے پھر سے سر تھام لیا۔
”دیکھو کوئی نہیں جار ہا اس خاندان میں، نہ تم نہ میں، سمجھو بات ختم ہو گئی، بس خیر ہو گی۔“
”نہیں امرت نہیں، بات تو ابھی شروع ہوئی ہے۔“ امرت اسے خفگی سے دیکھ کر فون ملانے لگی۔
”تو تم راضی ہو گئیں؟“
”عمارہ خدا کے لئے۔“ وہ چلائی۔
”ہیلو...... ہاں...... علی گوہر...... یار میں امرت ہی ہوں، ہاں ٹھیک ہوں، یار ایک کام کرو میرے بھائی، آجاؤ، آ کر عمارہ کو لے جاؤ، اس کا دماغ کچھ کھسک رہا ہے، میں اسے اکیلے نہیں بھیج سکتی، ہاں بس آجاؤ، نہیں خیر ہی ہے۔“ وہ فون رکھ کر اس کی طرف مڑی۔
”آجانے دو، دیکھنا میری فیور کرے گا اور امرت اگر علی گوہر بھی میری طرف داری میں بول گیا نا تو میں بینڈ باجا بلوانا میرا کام ہے اور میری اماں حج سے آتے ہی تمہاری قاتل بن جائیں گی۔“ وہ چڑچڑاہٹ سے اسے دیکھنے لگی۔
”کچھ نہیں ہوتا، تمہاری خاطر سب منظور۔“
”مجھے قربان کرنے کے لئے تم اپنی قربانی دے دو گی کمال ہے۔“ اب وہ مذاق میں لے رہی تھی بات کو۔
”امرت میں سنجیدہ ہوں۔“ اس نے آنکھیں دکھائیں۔
”عمارہ میں بھی سنجیدہ ہوں۔“ وہ ہنسی۔
”آجانے دو گوہر کو۔“ عمارہ بڑبڑائی۔

''مجھے بھی اسی کا انتظار ہے۔'' وہ اٹھ کر بقیہ کام کے لئے چلی گئی۔

☆☆☆

''اسے سمجھاؤ گوہر، کسی طرح سے بھی سمجھاؤ، دیکھو بہت اچھا لڑکا رہے گا وہ اس کے لئے، ابھی اس کے پاس کوئی اور آپشن بھی نہیں ہے۔'' وہ آچکا تھا اور اب دونوں کو باری باری سن رہا تھا۔

''کہہ تو ٹھیک رہی ہے ویسے عمارہ، امرت حرج کیا ہے آخر۔''

''حرج بہت سارے ہیں گوہر، میں نے کبھی نہیں سوچا، بھائی سمجھتی ہوں اسے چھوٹا سا، دیکھو مینٹالٹی کا بہت فرق ہوتا ہے وہ بچہ ہے گوہر۔''

''کوئی بچہ نہیں ہے وہ۔'' عمارہ بیچ میں ٹپک پڑی تھی۔

''دیکھ بہر حال اس ٹاپک کو بند کر دو اب تم لوگ۔'' وہ جی بھر کر بیزار آگئی تھی۔

اور عمارہ نے پھر سے اس کی خوبیاں گنوانا شروع کر دیں۔

''دیکھو خوبرو، نوجوان، چاک و چوبند، اسمارٹ، گڈ لکنگ پڑھا لکھا، جاگیردار، بڑے دل والا، اب اور کیا چاہیے۔'' علی گوہر حیرانی اور دلچسپی سے دیکھ اور سن رہا تھا۔

''اس کا کچھ کرو علی گوہر۔'' امرت بے بسی سے ہنسی تھی۔

''ناحق میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔''

''واقعی...... تم خوش ہو عمارہ، لڑکا اچھا لگتا ہے؟'' وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے ابا بچے سے پوچھتا ہے، چیزیں اچھی لگ رہی ہیں۔

''خدا کے لئے علی گوہر، وہ امرت کو پسند کرتا ہے بیچارہ۔''

''ہاں...... پھر یہی ہے، پھر امرت تم سوچ لو۔''

''دیکھو عمارہ! فی الحال اٹھو اور دو کپ چائے بنا کر پلا دو جب سے آئی ہوں سکون غارت کر کے رکھ ہوا ہے اس بارے میں۔'' امرت کو اس کے ٹلنے میں عافیت نظر آرہی تھی۔

''اب چائے بھی میں ہی بناؤں۔'' وہ بڑبڑ کرتی کچن میں چلی گئی۔

''امرت اچھی طرح سے نہیں سوچا تو وقت لے لو۔'' علی گوہر نے راز داری سے کہا۔

''پاگل ہو گیا، اتنے دن سے اور کیا کر رہی ہوں سوائے سوچنے کے۔'' وہ اب کھل کر اس کی بات پہ ہنسی۔

''ویسے وہ اگر تم میں دلچسپی نہیں لیتا تو وہ لازمی عمارہ کے لئے سوچتا، بہت پریشان ہوتا ہوں اس کے لئے میں۔''

''مجھے نہیں یقین کہ وہ مجھ میں اتنی دلچسپی رکھتا ہوگا، بہر حال اس سے بات تو کروں گی، بھگوڑا چھپ کر بیٹھ گیا، بزدل کہیں کا، بھگوڑا تو مجھے بنا دیا اس نے، دیکھی جائے گی۔'' اس کی سوچ کا اک اور در کھلا تھا۔

''ویسے مجھے تم سے بہت اہم بات کرنی تھی، مجھے یقین تھا عمارہ جس افراتفری میں لگ رہی ہے، اس نے تمہیں نہیں بتایا ہوگا۔''

''کیا...... کیا رہ گیا اب بتانے کے لئے، خیر ہے نا؟'' اس نے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

''سب خیر ہے۔'' علی گوہر ٹھہرا۔
''تمہارے لئے ایک میسج ہے امرت، تمہیں کوئی آواز دے رہا ہے، کسی کو شاید تمہاری ضرورت محسوس ہوئی ہے، یہ مت سوچنا کہ ضرورت کے وقت ہی کیوں یاد آئی، بس یہ سوچ لینا کہ جو ضرورت کے وقت یاد آتا ہے وہ بہت ضروری ہوتا ہے اور ضروری سمجھتا بھی ہے۔''
''تم کس کی بات کرر ہے ہو علی گوہر؟'' وہ الجھی۔
''تم آج کل کس کو اتنا یاد کرر ہی ہو؟'' وہ بولا۔
''جسے یاد کیا، اس جتنا بے مروت کسی کو نہیں پایا۔'' وہ افسردہ تھی۔
''فون آیا تھا گھر پہ، عمارہ نے ریسو کیا تھا، علی گوہر لاکھ دل والا سہی، ہر اک کام اسے کہہ دینا مگر کسی کھوئی ہوئی چیز کو ڈھونڈنے کا کام مت کہنا۔'' وہ اٹھا۔
''میں تھک گیا ہوں امرت، اسے آج اپنے ساتھ رکھ لو، اکیلی ہو گھر میں، کل دونوں ساتھ گھر آجانا، یا مجھے بے شک بلا لینا۔'' اس کے چہرے پہ سالوں کی تھکن اتری تھی، جیسے طوفانی ہوا آتی ہے، جانے کے بعد بھی اپنی گرد وہیں چھوڑ جاتی ہے۔
''کہاں جار ہے ہو علی گوہر؟'' امرت بھی اٹھی تھی۔
''آج بہت دنوں بعد دیر سے گھر واپس جاؤں گا، ان کو فون کر دینا، کچھ نہیں چاہیے، بس سخی صاحب کی چوکھٹ چومنے کا شوق ہوا ہے قلندر کے دربار کی خوشبو آتی ہے وہاں سے۔'' امرت سن رہ گئی جیسے ایک امر کلہ کی بے یقینی، اسے کچھ سمجھ نہیں آر ہا تھا۔
''مجھے بھی لے چلو گوہر۔''
''آج نہیں امرت، آج کے بعد کبھی بھی کہہ دینا۔'' وہ کہہ کر دروازے سے نکل گیا۔
''یہ کہاں گیا امرت؟'' عمارہ چائے کی پیالیاں لئے آئی تھی تو وہ نہیں تھا۔
''عمارہ! تمہیں فون آیا تھا، وہ امر کلہ ہی تھی؟'' عمارہ گڑبڑا گئی۔
''مجھے کیا پتہ میں کوئی دوربین سے دیکھ رہی تھی کیا اس کو۔'' اس کے اپنے جواب ہوتے تھے۔
''اس نے کیا کہا تھا؟''
''تمہارا پوچھ رہی تھی۔''
''کیا پوچھ رہی تھی؟''
''پولیس والی نہ بنو میرے لئے، سوال پہ سوال تفتیش پہ تفتیش۔'' وہ بگڑی اپنا کپ لے کر بیٹھ گئی۔
''وہ کہاں ہوگی عمارہ؟''
''کہا نا کہ دوربین نہیں تھی میرے پاس، اس وقت تو فون بوتھ کے پاس تھی۔''
''کیوں آئی ہے وہ۔'' امرت کی آنکھیں بھر آئیں، کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔
''نہیں ہے مجھے اب اس کی ضرورت۔''
''تمہیں پہلے کب تھی، بس اسے ہی تھی۔''

''اسے احساس ہی نہیں ہے عمارہ، مجھے بھی کبھی اس کی بہت ضرورت تھی۔''

''تمہاری مرضی ہے امرت، پر کوئی ملے نہ ملے، میں مگر اس سے ضرور ملوں گی۔'' امرت نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

''تم کیوں ملو گی اس سے؟''

''اسے دیکھنے کے لئے کہ کون سے طلسمی پر لگے ہوئے ہیں اس میں۔''

''عمارہ طلسمی پر نظر نہیں آتے، طلسم کھینچتا ہے پر دکھتا نہیں۔'' عمارہ اس کے جواب پہ ششدر رہ گئی۔

''اور جو دکھتا نہیں ہے وہی تو طلسم ہوتا ہے۔'' عمارہ نے کپ میز پہ رکھا۔

''علی گوہر کہاں گیا؟'' وہ یکدم سنجیدہ سی ہوگئی۔

''سخی عبدالوہاب کے مزار پہ۔''

''میرے ساتھ چلو گی امرت؟'' وہ اٹھی تھی۔

''نہیں عمارہ، آج نہیں پھر کبھی سہی۔'' اس نے چائے کا چوتھا گھونٹ لیا، عمارہ سے پی نہیں جا رہی تھی اور ایک پیالی خدا جانے کس کی منتظر ویسے ہی پڑی تھی۔

☆☆☆

''ہر انسان اپنی بقاء کی جنگ خود لڑتا ہے اور اسے لڑنی بھی چاہیے۔'' امرت کا لہجہ ٹھوس تھا، ہتھوڑے کی طرح یاد برستی تھی، تو اب وقت آگیا ہے اس کا سامنا کرنے کا۔

بس مین سڑک پہ تھی، تقریباً رینگتے ہوئے عنقریب رکنے کا ارادہ لے کر، ساتھ میں چھوٹی بڑی موٹر سائیکلیں، گاڑیاں، رکشے، کئی سواریاں، ہر کوئی اپنے حصے کے سفر کے بوجھ کے ساتھ، چھوٹی چھوٹی چمکدار نئی نکور چمکتے شائن کرتے روغن میں، پر امید جیسے زندگی کے خواب سے سجی دلہن بنی ہوئی گاڑیاں اس نے سر سیٹ سے ٹکالیا، فائل جس ہاتھ میں تھی وہ ہاتھ کانپنے لگے تھے۔

''اپنا دفاع کرنا تو مشکل ہی ہے، مگر امرت کسی اور کا دفاع کرنا تو بھاری پتھر سڑک سے ہٹانے کے مترادف ہے، پھر تمہارا دفاع کرنا، مانو جنگ کا ماحول چھیڑ دینا، جبکہ کہیں کہیں تو وہ چھڑ چکا ہے اور تم اپنے حصے کی جنگ ادھوری ہی چھوڑ کر چلی گئیں، جنگ تو پوری لڑتیں، تم ڈرنے والوں میں سے تو نہیں ہو۔'' اس کی شکایت بھی کسی حد تک درست ہی تھی۔

وہ اترا، دو گلی آگے ایک ویران سڑک سے شروع ہوتا ہوا رستہ تھا اور لگ بھگ ویرانے میں بوسیدہ محل تعمیر تھا، اسے پتہ تھا یہ بوسیدہ محل کس کا ہے گھر باہر سے ہی دکھنے میں بڑا لگ رہا تھا، دیوار ایک طرف سے بہت چھوٹے سائز کی تھی اس کے اوپر لوہے کی پتلی تار والی زنجیر لگی تھی، ساتھ میں شیشے کی کرچیاں بھی لگائی گئیں تھیں، چوری سے بچنے کا پرانا طریقہ، وہ مسکرایا۔

لوہے کے دروازے پہ دستک دی تو جیسے نقارہ بج اٹھا، ایک دو تین، اسے مزا آنے لگا، کیا بچوں جیسی دیوانگی ہے خود کو ٹوکا، جب تک نوجوان دیوار تک آچکا تھا، دروازہ کھولا سامنے ہالار تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو لمحے کے لئے پرانے دوستوں کی طرح ایسے دیکھنے لگے جیسے ابھی گلے مل کر لپٹ جائیں گے۔

''ارے یار تم...... لاھوت...... آجاؤ۔'' بہر حال اس نے خوش گوار مسکراہٹ ضرور دی تھی، اس کی ہمت بندھی، اس کے ساتھ اندر آیا۔

''گھر کا ایڈریس کس نے دیا، عمارہ نے یا پھر امرت اوہ یاد آیا وہ ہے کیسی؟ اور آنا کیسے ہوا؟'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے لمحے لمحے پر حیران ہو رہا تھا وقفے وقفے سے۔

''اس نے تو نہیں بھیجا تمہیں؟'' وہ ٹھٹھک کر رکا۔

''ہاں...... یہ اچھا ہے۔'' وہ بڑبڑایا، (بہانہ اچھا ہے)

''سمجھو اس نے بھیجا ہے۔'' کام جیسے آسان ہو گیا تھا۔

''وہ ہے کیسی؟ اور ہے کہاں ابھی تک گاؤں؟ یا آئی ہے تمہارے ساتھ؟''

''وہ یہیں ہے، شاید اپنے گھر۔'' وہ دونوں برآمدے میں آچکے تھے، لاھوت کو پسینہ بار بار آرہا تھا۔

ھالار سوچ رہا تھا اتنی تو گرمی نہیں ہے اکتوبر کا موسم تو بہر حال ٹھیک ٹھاک ہوتا ہے، اچھا خاصہ نکھرا ہوا، پھر سوچا شاید دور سے آیا ہے تھک گیا ہے۔

''گاؤں کا رستہ بھی تو بہت لمبا ہے، سیدھے یہیں آرہے ہو؟'' وہ لاؤنج تک پہنچتے کئی سوال کر گیا تھا۔

''ہوں۔'' وہ دونوں اندر آئے، جہاں پروفیسر، نواز حسین کے ساتھ کھڑا ھالار کے الجھے رویئے کی شکایت کر رہے تھے، دونوں کو آتے دیکھتے رک کے بات کرتے کرتے۔

''یہ لاھوت ہے۔''

''السلام علیکم جی۔'' لاھوت کی آواز میں بھی ہلکی ہلکی لرزش تھی۔

''وعلیکم السلام!'' دونوں نے کورس میں کہا، نواز کے ساتھ انہوں نے بھی حیرت سے دیکھا، لاھوت کی نظر ان پر ٹکی تھی، تو یہ تھے جن کو دیکھنے کے لئے دل ترستا تھا، آنکھیں انتظار کرتی تھیں۔

آنکھوں کی ذہانت تو اپنی طرف کھینچ ہی لیتی تھی، مگر طبیعت کا الجھاؤ جیسے وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ گیا تھا، اسے امرت کے لفظ یاد آئے۔

''عبدالحادی ایک الجھا ہوا شخص ہے۔'' اپنے ہی باپ کے بارے میں کیسے فٹ سے کہتی تھی۔

وہ خود آگے بڑھے، نوجوان کی آنکھوں کی بے چینی اور تحیر دلچسپ تھا۔

انہوں نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملانے میں دیر نہ کی، لاھوت کے ہاتھ کو زور سے دبایا تو لرزش واضح تھی۔

''کیا حال ہے نوجوان؟ نام بہت خوبصورت ہے تمہارا، ایک زمانے میں ہمارے ساتھ ایک آرٹسٹ کے دو بیٹے پڑھتے تھے، دونوں فوٹو گرافر تھے، ایک کا نام ھالار تھا دوسرے کا لاھوت، مجھے دونوں نام بہت پسند تھے، جب ھالی میری گود میں آیا، (انہوں نے یہ کیوں نہ کہا کہ جب ھالی پیدا ہوا، یہ ھالار نے سوچا تھا) تو میں نے سوچا اسے لاھوت کہوں یا ھالار کہوں۔'' ھالی مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کھڑا تھا، کرسی آگے کی لاھوت کے لئے۔

سامنے کی بینچ پر نواز آ بیٹھا تھا مگر فنکار کے بیٹھنے کے بعد اس سے پہلے وہ کیسے بیٹھ سکتا تھا، اس

کے ادب لحاظ کی بھی بس حد نہیں تھی۔

"یہ نواز حسین ہے، پیارا سا دوست ہے، علی گوہر کے ساتھ بڑی بنتی ہے اس کی بھی، تم ملے ہوتے تو تمہاری بھی بن جاتی۔" وہ مسکرایا۔

"وہ جادوگر ہے۔" نواز نے مسکراتے ہوئے لاھوت کا یہ فقرہ سنا تھا، فنکار باقاعدہ ہنس پڑے۔

"نہیں ان کا استاد ہے۔"

"کیا آپ کا بھی؟" لاھوت نے کس ہمت سے کہا تھا، یہ اسے ہی پتہ تھا۔

"تم نے مجھے پہلی ملاقات میں جادوگر کیسے سمجھ لیا۔" ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"آپ سے ملاقات بہت پرانی ہے۔" فائل پر ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوئی تھی۔

"کب ملے ہو؟" وہ سوچ میں پڑ گئے، یہ بھی سوچ بیٹھے کس روپ میں۔

"میں جادوگر نہیں ہوں، روپ نہیں بدلتا سر، آپ سے ملاقات بہت پرانی ہے، آج سے چودہ پندرہ سال پہلے کی، اس کا مطلب ہے آپ کو جانتا ہوں۔"

"چودہ پندرہ سال سے جانتے ہو مجھے؟ کتنی عمر ہے تمہاری ابھی؟"

"لگ بھگ چھبیس۔"

"لگ بھگ چھبیس ہے۔" زیر لب بڑبڑائے۔

"تم مجھے اپنی عمر کے بارہ سال سے جانتے ہو؟" وہ حقیقت میں سوچ میں اب پڑے تھے، اس نے سوچا بات کرنے کا وقت آ گیا ہے، مگر سارے لفظ آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔

"بہت شوق تھا آپ سے ملنے کا۔"

وہ اپنے پلان کے خلاف بول رہا تھا، وہ یہاں امرت کے لئے بولنے آیا تھا، اس نے کیا کچھ سوچا تھا اس کے حق میں بولنے کے لئے کیا کچھ ذہن میں تھا۔

"یاد رکھنا اس جنگ میں لاھوت کہ ہر کوئی اپنے حصے کی جنگ خود لڑتا ہے، کوئی کسی کی طرف سے میدان جنگ میں جا کر تلوار نہیں چلاتا، آپ کو خود آگے آنا پڑتا ہے۔" اسے امرت کی بات یاد آئی بروقت آئی، کچھ ذہن کے گوشے بروقت کی اطلاعات کے لئے ہوتے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے آپ کے لئے قائم کیے جاتے ہیں، آپ کو سنبھالا دینے کے لئے یہ کونے مخصوص یادداشتیں سیو کر لیتے ہیں اور پھر جب وقت آتا ہے تو اگل دیتے ہیں۔

"کوئی آگے جا کر تلوار نہیں چلاتا، ہر کسی کو اپنے حصے کی تلوار خود چلانا ہوتی ہے لاھوت۔" فنکار فائل کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے، اس نے سوچا وہ خود آ کر تلوار چلائے گی۔ ان کے ساتھ ساتھ کتنوں کی نگاہیں، جتنے موجود تھے، ھالار، نواز، سوال وہی تھے، ایک سے۔

"ہاں مگر آپ کو آگے جانے کے لئے کوئی ایسا ضرور ہوتا ہے جو اس سے پہلے تلوار چلانا سکھاتا ہے اور لاھوت وہ آپ کا دوست ہوتا ہے۔" اس کے ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ آئی، کیوں نہ آتی، دوستی کا تصور ہی چھاؤں ہوتا ہے، کسی کے احساس کی چھاؤں، کسی کے پیار کی چھاؤں، دھوپ سے

بچانے کی چھاؤں، برگر کا درخت، نیم کی چھاؤں۔
''امانت ہے، کسی کی طرف سے، رہا سوال کسی کے لئے، تو آپ کے لئے ہے یہ۔'' اس نے یہ فائل ان کے ہاتھ میں تھمائی۔
''اب تو شاید ملاقات ہوتی رہے۔''
''آپ سے باتیں کرنے کی حسرت میری عمر کے ساتھ جوان ہوئی ہے، اس لئے یہ مرے گی نہیں جب تک میں زندہ ہوں، یہ زندہ رہے گی۔'' اس نے کتنے غور سے آنکھوں کی الجھنوں میں ایک غوطہ مارا تھا، پھر پلٹ گیا۔
''ابھی نہیں ڈوبنا، ابھی سمندر میں چھلانگ لگانے سے خطرہ ہے، تیرنا نہیں آتا، آپ کی طرح۔'' بڑبڑاہٹ واضح تھی وہ بڑے دھیمے انداز میں دروازہ پار کر گیا۔
جو جہاں تھا، وہ وہیں پر تھا، فائل ہاتھ سے پھسلی تھی، ان کو فی الحال تو پوری بات سمجھ نہیں آ رہی تھی اور ذہن سمندر میں کود گیا تھا، انہوں نے زیرلب کہا تیرنا نہیں آتا، ہالار نے فائل اپنے قابو میں کر لی تھی۔
''یہ امرت کو اب کیا نئی سوجھی۔'' وہ برہم ہو رہا تھا، باہر نکلتے ہوئے لاهوت نے دوسری بس پکڑ لی، اسے امرت کو جا کر اعلان جنگ سنانا تھا اور خود وہ ایک وقت میں دو دو میدان میں اترا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ تیسرا میدان ابھی اس کا منتظر ہے۔

☆☆☆

زندگی پہیلی ہے، اس نے کہا پوچھو تو جانیں۔
حیدرآباد کی ویران چوڑے سینے والی سڑک، سامنے یک بوڑھی عمارت تھی جو چودہ سال پہلے بھی بوڑھی تھی اور اب مزید بوڑھی، چودہ سال میں صرف اس میں اتنا فرق تھا کہ پہلے رنگ بوسیدہ تھا اور اب پلستر اور چونا جھڑتا تھا عمارت محل کی طرز پر بنی تھی اوپر کی بالکونیاں راہ داریاں نیچے جھانک رہی تھیں، نیچے کھڑے نفوس کی رکی ہوئی سانسیں خارج ہوئیں۔
وقت چودہ سال پھر بعد گول چکر کاٹتا ہوا، انہیں گھماتا پھراتا ہوا اسی ایک جگہ لا پٹخا تھا۔
وہ جیسے ایک جھٹکے سے سنبھلے تھے، بے یقینی عروج پر تھی تو کیسے یقین کیا جائے کہ وقت کی چالیں کتنی چست ہیں کسی کو اٹھا کر کہیں لا پٹخے، انسان چالیں سوچتا رہتا ہے اور وقت کر دکھاتا ہے، کچھ سے کچھ۔
عمارت سے پلستر کا بڑا سا ٹکڑا نیچے گر رہا تھا، سانس روکے ہالار کے سر پہ تھوڑا اوپر اور امرکلہ نے اسے بازو سے کھینچ کر اسی کی جگہ سے ہٹایا، ٹکڑے نے زمین پہ اپنا وجود پٹخنے کے ساتھ ٹوٹ گیا اور ہالار دم بخود تھا، بے خودی سے باہر آیا، بازو پر اس کے لمس کا احساس جاگا تھا۔
''تو کیا تم؟ تو کیا واقعی؟ تو کیا ابھی، تمہیں۔'' بے بسی کتنی بری ہوتی ہے، اسے بھی پہلے سے پتہ تھا اور کالی چادر والی امرکلہ کو بھی۔
چونا عمارت سے جھڑ جھڑ جھڑ رہا تھا، امرکلہ کی کالی چادر پہ سفید بوندا باندی تھی، اس کی آنکھ میں شاید کچھ اڑتا ہوا گر اپڑ گیا تھا، اس نے آنکھیں مسلیں بری طرح، ہالار اسے جھنجھوڑ دینا چاہتا تھا۔

سوالات کی بوچھاڑ، آنکھوں میں بے وفائی کا شکوہ، حسرت خفگی اور بہت کچھ، خود اس کی الجھن، خود اس کے اندر کا سوال۔

''کیا اب بھی...... کیا تمہیں...... کیا محبت۔'' اس کی آنکھیں گیلی تھیں، امرکلہ کی بھی، عمارت سے پلستر کے چھوٹے چھوٹے پیس اب بھی اطراف میں گر رہے تھے۔

قریب تھا کہ ان پر بھی، اس سے پہلے وہ رو پڑا اس سے پہلے کچھ کہتا وہ چیخی۔

''دغا باز۔'' ساتھ ہی ایک بڑا ٹکڑا نیچے آ گرا، امرکلہ کے بازو پر سر مشکل سے بچا۔

لوگ اس عمارت کی اوٹ میں کھڑے ہونے سے گھبراتے تھے، ھالار نے اسے ہٹانا چاہا، وہ دبک کر پیچھے ہوئی، وہ اسے اب بھی شکایت یقین بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔

زندگی عجیب تھی یا اسی کے ساتھ سب عجیب ہو رہا تھا، یہ دونوں کا خود سے سوال تھا۔

ایک تھا چودہ سال پہلے والا ھالار اور ایک امرکلہ اور ایک تھی شام سہانی، اسے لگا امرکلہ کے خطوط اس کے اطراف میں اڑ رہے ہیں، وقت انہیں پیچھے گھسیٹ رہا ہے، وہ عمارت کے عقب سے باہر تھے۔

اس سے پہلے امرکلہ آگے بڑھتی، اس بار ھالی نے ہمیشہ والی غلطی نہ کی تھی، یعنی تیزی سے کھسک جانے کی۔

☆☆☆

عمارہ گھر پہ تھی، اس کی ماں سے بات ہو چکی تھی، وہ ٹھیک دو دن بعد پہنچ رہے تھے، عدنان نے آخری بار اس سے اس کی فرمائش پوچھی اور اس نے آخری بار بھی دعا کہا تھا۔

نہیں کہ وہ جھجکتی تھی، بلکہ یہ کہ اس کے درمیان چیزوں کی اہمیت گھٹ گئی تھی، اسے یاد نہ رہتا تھا کہ اسے بھی کچھ چیزوں کی خواہش رہ چکی تھی، ضرورتوں کے لئے کماتے کماتے اب خواہشوں کی طلب ایک طرف ہو گئی تھی۔

کب سے بھلا صرف وہ ضرورتوں اور کمانے کے لئے رہ گئی تھی، اسے اتنے دنوں میں پہلی بار سنجیدگی سے جاب چھوٹ جانے کا احساس ہوا تھا۔

اس نے سنجیدگی کے ساتھ نئی جاب کی تلاش کے لئے ابھی سوچا تھا، وہ ڈسٹرب سی ہو گئی، بہت مشکل تھا آگے جا کر ایسے گزارا کرنا، مگر بہرحال بورڈ کی جاب چھوڑنے پر وہ خود سے پوری طرح سے متفق ہی تھی، اسی وقت عمارہ کا فون آیا تھا، یہ دن میں اس کا کوئی چوتھا فون تھا، وہ اس کی تنہائی کو سوچ کر فکر مند تھی۔

''خیریت ہے نا عمارہ گوہر پھر سے کہیں رفو چکر ہو گیا ہے کیا؟''

''وہ اب کہاں رفو چکر ہوتا ہے یار، وہ زمانے گئے، جب اسے ڈھونڈنے کے بہانے میرا بھی باہر نکلنا ہو جاتا تھا۔'' یہ وہ گوہر کے سامنے کہہ رہی تھی، کھانا کھاتے ہوئے پہلی بار دن میں وہ مسکرایا تھا۔

''شرم کرو عمارہ وہ نہیں تھا تو بے سکونی، ہے تو بھی ناشکری، گلی گلی خوار ہونے کو تم نکلنا کہتی ہو؟ نکلنا تو وہ ہوتا ہے کہ جب بندہ ٹینشن فری ہو کے نکلتے۔''

''میرے نصیب میں شاید ٹینشن فری ہو کے نکلنا لکھا ہی نہیں، کبھی گوہر تو کبھی تمہاری ٹینشن، وہ دن یاد کرو عمارہ جب تم مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتی تھیں اور اب یہ عالم ہے کہ۔'' وہ کسی طور بات بدل کر اپنا دل بہلانا چاہتی تھی۔

''یہ بتاؤ کیا سوچتی رہی ہو سارا دن؟'' عمارہ کو شک تھا۔

''کیوں؟ تجھے کیا لگتا ہے، کیا سوچ سکتی ہوں۔''

''دیکھو امرت یہ چوتھی بار تم نے چوتھی بات کی ہے، صبح کہہ رہی تھیں وقت مل گیا اب بیٹھ کر گھر کو دیکھ لوں گی ذرا، کوکنگ کلاس لے لوں گی، پھر کہنے لگیں کہ کسی کاروبار کا سوچنا چاہیے، مل کر کچھ کرتے ہیں۔''

تیسری بار لاھوت کی شکایتوں کا چیپٹر کھل گیا۔

''اور اب تم صرف یہ سوچ رہی ہو کہ مجھے الو کا پٹھا بناؤ بھی تو کیسے، بی بی یہ بتاؤ وہ بات جسے چھپانے کے لئے اتنی باتیں کر رہی ہو، وہ بات کیا ہے۔'' امرت مسکرا کر محظوظ ہوتے ہوئے سن رہی تھی۔

''اب بتا بھی چکو اصل بات کیا ہے؟ یا میں آجاؤں، یا تم آجاؤ یہاں پر مل کر کوئی بات کرتے ہیں۔''

''کچھ دیر دیکھتے ہیں میں آ گئی تو آجاؤں گی ورنہ بتادوں گی، کہو تو گوہر کو بھیج دوں۔'' وہ اب حقیقت میں فکر مند ہوئی تھی اور اس کے ساتھ گوہر بھی۔

''کیا ہوا عمارہ، خیر ہے، وہ ٹھیک ہے؟''

''دیکھو تمہارا اس طرح کسی بھی لڑکی کے لئے پریشان ہونا مجھے یوں اچھا نہیں لگتا۔'' وہ اس کی بات پر اسے گھورنے لگا۔

''یہ رعب جا کر اس پر چلانا۔'' وہ فون تھام چکا تھا۔

''امرت سب خیر ہے؟''

''سب خیر ہے، تم رات کہاں نکل گئے تھے چائے کی پیالی چھوڑ کر، وہ پیالی ابھی تک وہیں پڑی ہوئی ہے۔''

''توبہ ہے امرت پیالی تو اٹھا لو یار مکھیاں آتی ہوں گی۔''

''دیکھو گوہر بڑوں سے سنا تھا جب کوئی مہمان آنے لگے تو یا تو نوالے گرتے ہیں یا پھر کچھ اضافی بن جاتا ہے، اب جب تک اس پیالی کے لئے نئی چائے بنانے کی ضرورت نہ پڑی تب تک یہ پیالی یہیں رہے گی۔''

''حد ہو گئی امرت یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے، بیٹھے بٹھائے اکیلے رہنے کا اثر ہو گیا ہے تم پر، میں آ رہا ہوں اک اور بات بھی کرنی تھی۔''

''عمارہ کو بھی لے آؤ تم۔''

''پھر تو بات ہوئی سو ہوئی۔'' وہ ہنسا۔

''شرم کرو لڑکیوں سے اکیلے میں ملنا چاہتے ہو۔''

''شرم میں کروں؟ حد ہے کیسی باتیں کر رہی ہو عمارہ، پاگل ہوگئی ہو کیا؟''
''تمہارے ساتھ رہنے کا اثر آ گیا ہے۔'' وہ بڑبڑائی گوہر فون رکھ کر باہر نکل گیا تھا، یہ اس کے پیچھے ہی ہو لی۔
''میں گھر میں بیٹھ کر اب کیا کروں گی بھلا۔'' اس نے دوپٹہ لیا، سیل فون کی بتی جلائی اور باہر نکل گئی، قریب گلی کے نکڑ سے ہی بتیاں جل رہی تھیں، اس سے پہلے کہ بجلی جانے پر اسٹریٹ لائٹس بجھتی، اسے کوئی نہ کوئی سواری تو مل ہی جانی تھی۔

☆☆☆

امرت نے عشاء پڑھ کر ختم ہی کی تھی کہ دروازے کی بیل ہوئی، اسے یقین تھا گوہر آ پہنچا، سوچا کاش کہ عمارہ بھی ساتھ ہو، دروازے تک آئی، کھولا تو اس کی توقع کے برعکس گوہر نہیں، ھالار بھی نہیں، لاھوت کھڑا تھا، اس کا حیران ہونا بھی بنتا تھا اور پریشان ہونا بھی۔
علی نواز نے ھالار سے فائل لی تھی اور اسے بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا تھا۔
''یہ تو کاغذات ہیں زمین کے، یہ تو آپ کے نام ہیں سر۔'' وہ چونکا۔
''اس پر عبدالحی نامی کسی شخص کے دستخط ہیں۔'' ان پر جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، انہوں نے کرسی کی ہتھیلی کو پکڑا اور بیٹھنے لگے تھے، نواز نے رقعہ کھولا۔
''وہ عمر جب والدین بچوں کے حوالے اپنا حصہ کرتے ہیں اس عمر میں، اس عمر میں ایک بیٹی ہے جو اپنے باپ کے حصے کے لئے لڑ رہی ہے اور ایک جوان بیٹی کی ہمت کی وجہ سے ایک باپ کو اس کی زمین کا حصہ ملا ہے۔''
''اس بیٹی کو کبھی نہ بھلایئے گا سر، آپ کا بھتیجا لاھوت سید۔'' ان کے سر پہ آسمان ٹوٹا تھا یا پاؤں تلے سے زمین کھسکی تھی۔
سب ہوا تھا، نواز کو گہری چپ نے آ لیا اور ھالی۔
''پروفیسر صاحب، کمیونیکیشن کو ماریں گولی۔'' امرت کی آواز کہیں گونجی۔
''یہ ڈائری میں اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہوں، پہلا پیج ہے، دوسرا تیسرا، آخری، کئی لفظ جملے۔''

''دعائے صحت کی اپیل''
ہماری مصنفہ ثمینہ بٹ کے بھائی عارضہ قلب کی بنا پر ہوسپٹل میں ہیں آپ سب قارئین سے دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔
دعا گو ہیں کہ اللہ پاک ثمینہ بٹ کے بھائی کو جلد صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔

''میرا باپ، نفرت کرتا ہے وہ مجھ سے۔'' ان کی آنکھیں برس پڑیں۔
''میرا باپ، سر میرا باپ کی تکرار تھی۔'' وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔
''سر میرا باپ، لہجہ سخت، نفرت کرتا تھا مجھ سے، میرا باپ ایک بزدل آدمی، کمزور شخص، کھیل آدھا چھوڑ کر بھاگنے والا، میرا باپ، میدان سے بھاگ جانے والا۔'' ان کا دل کیا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں، شک اور وہم پر یقین کی مہر ثبت تھی۔
''اب بچ کر کہاں جاتے۔'' وہ پاگلوں کی طرح چیختے یا بچوں کی طرح وقت ہاتھ سے تو کھسک چکا تھا۔
آخری آنسو، ہسپتال کا وہ سین، امرت ہاتھ تھامے کھڑی ہے، آنکھوں میں آنسو تھے۔
''اللہ بہت رحیم ہے، وہ بچا لیتا ہے۔'' ایک سرگوشی اور اداس آنکھیں شکوؤں سے بھرے لہجے اور سوال۔
''تو ہم سوال کیوں اٹھاتے ہیں۔''
''اچھا ہم کہانی کیوں لکھتے ہیں؟''
''جب ہم کچھ نہیں کر پاتے، یا پھر جب ہم بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں، تب ہم کہانی لکھتے ہیں۔'' آنسو تھے اور ہچکیاں تھیں، حالار اپنی جگہ جیسے برف تھا اور نواز نے فنکار کی برف پگھلتے دیکھی۔
وہ ایسے بچوں کی طرح کبھی نہیں روئے اس سے پہلے، نواز کا لگا طوفان آچکا ہے اور حالار کو پتہ تھا طوفان ایک نہ ایک دن آئے گا، مگر اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ برسات بھی چھما چھم ہوگی، ہوئی تھی۔
اب کون اس آواز کو چپ کراتا، جو سالوں بعد اپنی شناخت پاتے ہی ان کے اندر گونج گونج رہی تھی، ان کے اندر جنگ چھڑ چکی تھی اور باہر کی بھی، اللہ جانے کس کا خون ہوا تھا اور کس کا باقی تھا۔
اور یہ اس رات کے پچھلے حصے کا قصہ تھا جب شہر کے اندھیاروں کے وقت میں دھت اندھیرے سے پھوٹتی ہلکی ہلکی روشنی کے آئینے میں، بوڑھی عمارت کے عقب میں اسے کالی چادر کو سنبھالے ہوئے جاتی بدروح ٹکرائی اور اگلے ہی پل وہ امر کلہ کا روپ اختیار کر گئی۔
(جاری ہے)

فیصلے کی گھڑی
شگفتہ شاہ
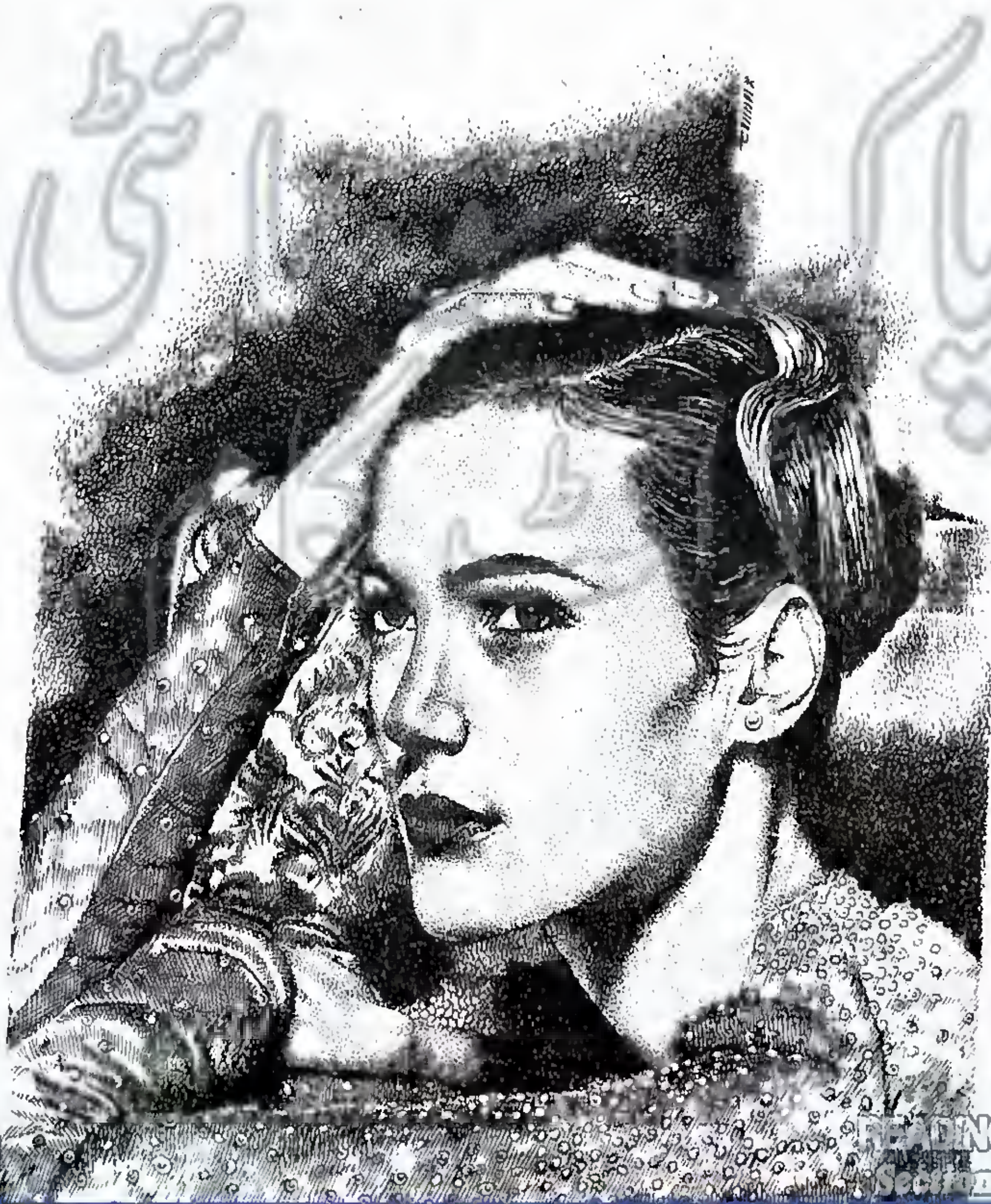
''حسن بیٹا! یہ لیں آپ کی فیورٹ پڈنگ تیار ہے۔''

''فنٹاسٹک آنٹی!'' حسن نے فوراً اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''بس بس بیٹا! اب اور خوشامد نہیں۔'' وہ بھی آٹھ سالہ حسن کو پیار کرتے ہوئے بولی ہی تھی کہ صحن کی طرف سے اس نے اماں کی آواز سنی۔

''صبا! بیٹا حسن کا والد اسے لینے کے لئے آیا ہے۔'' اس سے پہلے کہ صبا کوئی جواب دیتی، حسن اس سے لپٹ کر بولا۔

''نہیں نہیں آنٹی! آج میں پاپا کے ساتھ نہیں جاؤں گا، آج میں آپ کے ساتھ رہوں گا، مجھے گھر نہیں جانا، آپ کے ساتھ رہنا ہے۔''

''مگر کیوں بیٹا! آپ کے پاپا آئے ہیں لینے۔'' وہ بولی۔

''آنٹی! آج ویک اینڈ ہے، میں اپنے دوست سے اسٹوری بکس لے کر آیا ہوں وہ پڑھ کر سنایئے گا، وہاں تو سارے لوگ جلدی سو جاتے ہیں، بوا بھی اور پاپا تو کام میں مصروف ہوتے ہیں، مجھے آپ سے اسٹوریز سننا اچھا لگتا ہے۔''

''بیٹا! آپ نے آج رات یہاں رہنے کی اجازت نہیں لی ہے اپنے پاپا سے، آج تو آپ کو جانا ہوگا کل کے لئے میں خود ان سے اجازت لوں گی، اوکے اب آپ جاؤ اور یہ آپ پڈنگ لے جاؤ۔'' صبا اسے پیار سے سمجھانے لگی اور پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہنے لگی۔

''کل شام کو آؤٹنگ پر بھی جائیں گے اور آئسکریم بھی کھائیں گے۔''

''ہرا۔'' حسن خوشی سے بولا پھر اپنا ننھا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''ملائیں ہاتھ۔'' صبا نے ہنستے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا اور پھر پیار کیا، اتنے میں اماں خود چلیں آئیں اور حسن کو اپنے ساتھ لے کر باہر گئیں جہاں اس کا والد اسے لینے کے لئے آیا تھا۔

☆☆☆

''صبا! بیٹا آفس کے لئے نکل رہی ہو کیا؟'' اماں نے باہر کی طرف جاتے دیکھ کر کچن سے پوچھا۔

''جی اماں۔'' کہتی اس نے دوسرا قدم اٹھایا ہی تھا کہ اماں کچن سے نکلتی ہوئی بولیں۔

''رات کو شاہدہ کی خالہ پھر ڈاکٹر ساجد کا پیغام لے کر آئیں تھیں، دو تین بار جواب مانگا ہے، بتاؤ کہ میں آخر اسے کیا جواب دوں؟ صبا کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟''

''اماں! اس وقت تو مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے پلیز، اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے، آج صبح تو آنکھ بھی دیر سے کھلی، اب خدا کرے کے جلد کوئی رکشہ مل جائے۔'' کہتے ہوئے آگے بڑھی تو کانوں میں اماں کی آواز آئی۔

''بیٹا! ناشتہ کر کے جاتیں۔''

''نہیں اماں بالکل بھی ٹائم نہیں ہے۔'' یہ کہتی وہ گھر سے باہر آئی اور دو تین گلیوں سے گزر کر مین روڈ پر آئی جہاں ٹریفک کا ایک سیلاب رواں دواں تھا، وہ کتنی دیر کھڑی رہی مگر کوئی رکشہ نہ مل سکا، موڈ اور بھی غارت ہو گیا کہ اچانک سے ایک کار عین اس کے سامنے آ کر رکی، ڈرائیونگ سیٹ پر اس نے ڈاکٹر ساجد کو دیکھا جو اس سے مخاطب تھا۔

''صبا صاحبہ! بیٹھیں، میں آپ کو آفس ڈراپ کر دوں گا۔''

''آپ تکلیف نہ کریں، مجھے کوئی سواری مل جائے گی۔''

''تکلف چھوڑیں مجھے بالکل بھی زحمت نہیں ہوگی، ہاں آپ کو مزید دیر ہو جائے گی۔''

وہ بھی سمجھ گئی کہ اب ''نا'' کہنا حماقت ہی ہو گی اتنے میں ڈاکٹر ساجد کار کا دروازہ کھول چکے تھے، وہ پیچھے بیٹھ گئی اور کار چلنے لگی تو وہ بولی۔

''حسن کو اسکول چھوڑ آئے؟''

''جی ہاں۔'' وہ بہت شائستگی سے بولا۔

''اب ہاسپٹل جا رہا ہوں۔''

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ پھر سے مخاطب ہوا۔

''صبا صاحبہ! آپ کو یقیناً میرا پیغام مل گیا ہو گا۔'' وہ کنفیوژ ہو کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی، وہ کچھ دیر اس کے جواب کے انتظار کے بعد بولا۔

''صبا صاحبہ! ہم اب عمر کے اس دور میں ہیں جہاں جذبات سے نہیں مگر عقل اور بردباری سے فیصلے کیے جاتے ہیں اور ہمارے درمیان روایتی تکلف بھی نہیں ہونا چاہیے کہ آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سمجھدار ہیں، میں آج شام آپ کے گھر حاضر ہوں گا تاکہ اس موضوع پر تفصیلی بات ہو سکے اور میں آپ کو اپنا مسئلہ سمجھا سکوں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟''

''اسی لئے تو میں حاضر ہو کر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کو بھی کوئی فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔'' وہ پھر چپ رہی تو وہ پھر بولا۔

''آج شام وقت دے سکیں گی۔''

''جی! جیسی آپ کی مرضی۔''

پھر آفس آنے تک خاموشی رہی، وہ اس کا شکریہ ادا کر کے کار سے اتر گئی تو وہ ایکدم بولا۔

''میں بہت اسٹریٹ فارورڈ آدمی ہوں، تکلفات سے مجھے چڑ ہے، شکریہ کہنے کی ضرورت نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اسے حیران و پریشان چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

ٹریفک کا شور کان پھاڑے دے رہا تھا، وہ تھکن سے چور کب سے سواری کا انتظار کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ آج تو لگتا ہے کہ قسمت ہی خراب ہے، صبح تو ڈاکٹر ساجد آ گئے اب کیا کرے، اچانک کار کے بریک کی ہلکی چرچراہٹ پر وہ چونک پڑی، اچانک رکی ہوئی گاڑی سے کسی نے اسے مخاطب کیا۔

''آپ...... آپ...... صبا ہیں نا؟'' اس نے حیران ہو کر مخاطب کرنے والے کو دیکھا تو ایک شدید جھٹکا لگا اور زبان سے بے اختیار نکلا۔

''رضا!''

''پھر تو یقیناً آپ صبا ہی ہیں، اتنے عرصے بعد دیکھ رہا ہوں، کچھ بدل بھی گئی ہیں پھر بھی میں نے پہچان لیا، مگر کنفرم کرنا ضروری تھا۔'' وہی شوخ لہجہ تھا، اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہنسے کہ روئے، اس کے منہ سے فقط اتنا نکلا۔

''آپ...... اس شہر میں...... کیسے؟''

''سب کچھ پوچھ لیجئے گا مگر پہلے کار میں بیٹھیں تو سہی، پیچھے گاڑیاں ہارن دے رہی ہیں، چلیں آئیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' وہ کسی روبوٹ کی طرح اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی کہ اس نے وہی دروازہ کھولا تھا اس کے لئے، اسے لگا کہ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کھو چکی تھیں، پھر وہ اچانک جیسے ہوش میں آ کر کہنے لگی۔

''رضا! یہاں کیسے آنا ہوا؟'' رضا کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا اور اس نے بے حد دکھی لہجے میں کہا۔

''کسی کام سے آیا ہوں اور کچھ دنوں میں چلا جاؤں گا، ویسے بھی تمہارا یہ شہر میرے لئے بہت ظالم ہے کیونکہ یہ میرے پیار، خوابوں اور حسرتوں کا مدفن ہے اس لئے یہاں زیادہ ٹھہرنا خود میرے لئے عذاب ہے، قدم قدم پر بکھری یادیں مجھے بے چین کر دیتی ہیں۔''

''تم بالکل بھی نہیں بدلے رضا، وہی ضد، وہی جنون، اتنے میں شدت پسند وقت تمہیں ذرا بھی بدل نہیں سکا۔'' وہ اداس ہو کر بولی۔

''چھوڑو اس قصے کو، تم اپنے بارے میں بتاؤ۔'' وہ ایکدم آپ سے تم پر آ گیا تو وہ بھی جیسے ایک پل میں ماضی میں پہنچ گئی، پھر جب وہ بولی تو اسے اپنی ہی آواز پاتال سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''کیا بتاؤں رضا! تم نہ جانے کیا جاننا چاہتے ہو؟'' یہ کہتے ہوئے وہ اسے گھر کا راستہ بتانے لگی۔

''تمہاری شادی تو اپنے دور کے ایک کزن سے ہو گئی تھی نا؟ کیسی گزر رہی ہے زندگی؟'' وہ پھر سے بولا۔

اتنے میں گاڑی اس کے گھر کے سامنے پہنچ گئی تو وہ دروازہ کھولنے ہی لگی تھی کہ رضا پھر بولا۔

''صبا! میں نے کچھ پوچھا تھا، مجھے جواب کیوں نہیں دیا۔'' وہ دروازہ کھول کر بولی۔

''اس نے شادی کے کچھ عرصے کے بعد مجھے طلاق دے دی تھی۔''

''اوہ آئی ایم سوری، اچھا اس وقت میں بہت جلدی میں ہوں، کچھ دنوں میں جونہی وقت ملا میں ملنے کے لئے آؤں گا، بہت دن ہو گئے ہیں اماں اور ابا سے ملے۔''

''صرف اماں سے مل پاؤ گے، ابا کی تو پچھلے سال ڈیتھ ہو گئی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اوہ ویری سیڈ۔'' وہ بھی اداس ہو گیا، وہ گاڑی سے اتری تو وہ پھر بولا۔

''میں آؤں گا ملنے۔'' یہ کہہ کر وہ گاڑی بڑھا لے گیا۔

☆☆☆

کمرے میں اندھیرا تھا، صبا اپنے پلنگ پر گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی، کہ بیڈ روم کا دروازہ کھول کر یاسمین داخل ہوئی اور کمرے کی لائٹ آن کرتے ہوئے بولی۔

''محترمہ! کس دنیا میں گم ہیں؟''

مگر اگلے ہی لمحے اس کی حالت دیکھ کر چونک گئی، اس کے بال بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے، چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں، وہ فوراً اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی اور کہا۔

''کیا ہوا صبا؟ سب خیر تو ہے نا؟''

''ہاں، سب خیر ہے۔'' وہ آنکھیں پونچھ کر ہاتھوں سے بال ٹھیک کرنے لگی۔

''مجھے تو خیر نہیں لگ رہا ورنہ تم اور تمہارا کمرہ یوں اجڑا ہوا نہیں لگتا، میں تو فون پر تمہاری آواز سن کر ہی سمجھ گئی تھی کہ تم پریشان ہو۔''

وہ ابھی اتنا ہی بول پائی تھی کہ اماں چائے اور کچھ لوازمات کی ٹرے اٹھائے کمرے میں آئی تو وہ ٹرے لیتی ہوئی بولی۔

''آنٹی مجھے بلا لیا ہوتا، خود کیوں تکلیف کی؟''

''کیسی تکلیف بیٹا!'' اماں بولیں۔

''اچھا ہوا کہ تم آ گئیں، اب تم ہی اسے سمجھاؤ کہ ڈاکٹر سجاد دو تین بار جواب مانگ چکا ہے مگر یہ ہے کہ مانتی ہی نہیں، یہ تو اس کی خوش

نصیبی ہے کہ اتنا اچھا رشتہ آیا ہے ورنہ کتنی کم عمر اور کنواری لڑکیاں موجود ہیں، وہ بہت سمجھدار اور عزت دار شخص ہے۔''

''بس آنٹی! اب آپ فکر نہ کریں، میں آ گئی ہوں ناں، سب سنبھال لوں گی۔'' یاسمین نے تسلی دی تو وہ سکون کا سانس لے کر چلی گئیں، تب یاسمین نے اس سے کہا۔

''دیکھو صبا، آنٹی کتنی پریشان ہیں تمہارے لئے۔''

''اب پریشان ہو رہی ہیں، میری زندگی تو اماں اور ابا کی ضد نے ہی تو برباد کی تھی۔'' اس کی آنکھوں میں رکے آنسو دوبارہ گرنے لگے تو یاسمین نے اسے سمجھایا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو مگر اب گزرا وقت تو واپس نہیں لوٹایا جا سکتا ناں، اب جو بھی قدم اٹھانا وہ بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا، اب ڈاکٹر ساجد کے لے کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' وہ خالی خالی لہجے میں بولی تو صبا نے اسے مہمیز دی۔

''کیوں؟ کیا حسن سے پیار نہیں کرتیں؟''

''حسن تو میرا بیٹا ہے، میری جان ہے، زندگی ہے۔'' وہ جیسے خواب سے جاگ کر بولی۔

''تو پھر یہ بھی سوچو کہ تمہارے سوا کوئی دوسری عورت اسے ماں جیسا پیار نہیں دے سکتی، اس معصوم کی زندگی کی ڈور تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

''میں سمجھتی ہوں یاسمین، آج رات ڈاکٹر ساجد اسی سلسلے میں مجھ سے بات کرنے آ رہے ہیں۔''

''ساجد بھائی بہترین انسان ہیں، انہیں بھی حسن کے مستقبل کی فکر ہے ورنہ ان کے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں کہ ایسے اچھے رشتے کہاں ملتے ہیں، اب خود کو سمیٹو، اچھی طرح تیار ہو جاؤ، ویسے تو تم اس حلیے میں بھی غضب ڈھا رہی ہو۔'' اس کی بات سن کر اس کے لبوں پر اداس مسکراہٹ آ گئی تو وہ بھی ہلکے پھلکے موڈ میں بولی۔

''بس یار! اتنی سی بات پر پریشان تھیں کہ محترمہ زار و قطار رو رہی تھیں؟'' تب وہ تڑپ کر بولی۔

''نہیں یاسمین! اس کی وجہ یہ بات نہیں ہے۔''

''پھر کیا بات ہو گئی جناب؟''

''یاسمین آج..... اتنے سالوں کے بعد اچانک رضا ملا۔''

''اوہ!'' یاسمین سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''کیسا ہے وہ؟''

''پتا نہیں، سرسری سی ملاقات ہوئی کیونکہ وہ جلدی میں تھا۔'' اس کے چہرے پر اداسی کے سائے گہرے ہونے لگے، وہ بولتی گئی۔

''آج اسے دیکھ کر میرا ماضی جیسے لوٹ کر آ گیا ہے یاسمین، میرے والدین کی ضد نے میری زندگی برباد کر دی، انہوں نے مجھے اپنی خاندانی روایات کی بھینٹ چڑھا دیا۔''

یاسمین اس کا دکھ سمجھتی تھی کہ وہ خود ان کی محبت کی گواہ تھی جب وہ دونوں یونیورسٹی میں کلاس فیلوز تھیں، وہ صرف ایک دوسرے کی دوست ہی نہیں تھیں مگر آج تک ایک دوسرے کے دکھ سکھ کی ساتھی تھیں اس لئے وہ کہنے لگی۔

''اس میں کچھ غلطی تو تمہاری بھی تھی کہ تم اتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ماڈرن ہونے کے باوجود تھوڑی سی بغاوت نہیں کر پائیں، وہ تو تم سے نکاح کے لئے تیار تھا، تم نے ہی ہمت نہیں کی حالانکہ یہ تمہارا قانونی اور شرعی حق تھا، وقت کے ساتھ تمہارے والدین بھی اس فیصلے کو قبول کر

لیتے، مگر تم تو اپنے کزن سے شادی کرنے پر تیار ہو گئیں جو کسی بھی لحاظ سے تمہارے قابل نہیں تھا، آخر کیوں صبا؟" تب صبا نے تڑپ کر کہا۔
"یاسمین! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تب میں کتنی مجبور ہو گئی تھی کیونکہ اس وقت میرے سامنے صرف میرا مستقبل نہیں تھا مگر میری چھوٹی بہنوں کا بھی تھا، اگر میں کوئی ایسا قدم اٹھاتی تو وہ بغاوت سمجھا جاتا، تم تو جانتی ہو یاسمین کہ ہمارا کوئی بھائی نہیں تھا، اس لئے ہمارے والدین نے ہم پر لڑکوں جیسی توجہ دی اور خاندانی رسموں کو توڑ کر ہمیں یونیورسٹی لیول تک کو ایجوکیشن میں پڑھایا اور آزادی دی، تو پھر میں اس آزادی کا غلط استعمال کیسے کرتی؟"
"یہی تو حیرت ہے صبا، کہ انہوں نے تم لوگوں کو اتنی آزادی دی مگر زندگی کے سب سے بڑے فیصلے کرنے کی آزادی کیوں نہیں دی؟"
"یہی تو دکھ ہے یاسمین! اس معاملے میں میرے والدین بالکل روایتی ماں باپ بن گئے، رضا دوسری ذات برادری کا تھا اس لئے وہ اس کے حق میں نہیں تھے، اس وقت ان کے سامنے صرف خاندانی روایات تھیں اولاد کی خوشیاں نہیں اور اگر میں بغاوت کرتی تو اس کا الزام صرف مجھ پر نہیں بلکہ میری تعلیم اور آزادی پر بھی آتا اور پھر شاید میری بہنوں کو یہ دونوں نعمتیں نہیں مل پاتی، میری سزا ان کو بھگتنا پڑتی اور پھر شادی کے بعد جب مجھے طلاق نامہ ہاتھ میں دے کر معصوم بچے سمیت والدین کے گھر بھیجا گیا تو ان کی آنکھیں کھلیں، پھر انہوں نے خاندانی رسم و رواج کو بالائے تاک رکھ کر خاندان سے باہر میری چھوٹی بہنوں کی شادی کی، آج وہ سب سکھی ہیں، بس اس بات کی تو خوشی ہے کہ میری دی ہوئی قربانی اکارت نہیں گئی اور میری بہنوں کی شادی کے درست فیصلے ہوئے۔" وہ رو پڑی۔
یاسمین اسے سمجھانے لگی۔
"دیکھو صبا! جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اب ماضی کو بھول جاؤ اب تو رضا کی بھی منگنی ہو چکی ہے، وہ تو شادی کے لئے راضی ہی نہیں ہو رہا تھا، ایسا دل ٹوٹا تھا اس کا مگر سالوں بعد اس کے والدین نے اسے شادی کے لئے رضامند کیا ہے اور جلد ہی اس کی شادی ہونے والی ہے، وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے، پہلے والدین نے تمہارے لئے غلط فیصلہ کیا تھا مگر اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، تم خود باشعور ہو اور میں سمجھتی ہوں کہ تم ساجد بھائی کے حق میں فیصلہ کر کے سمجھداری کا ثبوت دو گی۔"
وہ کتنی ہی دیر اسے سمجھانے لگی، پھر اس کے لئے اس کے وارڈ روب سے ایک خوبصورت جوڑا منتخب کیا، جب صبا نے وہ پہنا تو بہت جچ رہا تھا اس پر، یاسمین نے اسے ہلکا میک اپ کیا تو وہ اور بھی پرکشش لگنے لگی، وہ چونتیس سال کی تھی مگر سلم اور اسمارٹ ہونے کی وجہ سے اب بھی کم عمر لگتی تھی، یاسمین اسے ساجد کے ساتھ اچھی طرح بات کرنے کی تاکید کرتے ہوئے اور ڈھیروں دعائیں دیتی رخصت ہو گئی۔

☆☆☆

"ساجد صاحب! چائے لیجئے۔" صبا نے چائے کے ساتھ دوسرے لوازمات ڈاکٹر ساجد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ شکریہ کہتے ہوئے چائے پینے لگے۔
کچھ دیر کے لئے کمرے میں بالکل خاموشی چھا گئی اماں جان بوجھ کر باہر نکل گئیں کہ دونوں کھل کر بات کر سکیں، ڈاکٹر ساجد اپنے خیالوں میں گم تھے، صبا آج پہلی مرتبہ اس کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ پہلی دفعہ اس کی شخصیت کا جائزہ لینے

لگی، اس کی عمر چھتیس سال تھی، بڑی سوبر اور پرکشش شخصیت کا مالک تھا اور بات کرنے میں شائستہ پن تھا۔

''صبا صاحبہ!'' اس نے اچانک صبا کو مخاطب کیا تو وہ گھبرا گئی۔

''حسن کو سنبھال کر آپ نے سچ مچ مجھ پر اور اس پر احسان کیا ہے۔''

''کیسا احسان ساجد صاحب؟'' وہ بولی۔

''اس کی ماں میری بے حد پیاری سہیلی تھی اور پڑوسن بھی، اس کی حادثاتی موت پر مجھے بھی اتنا ہی دکھ ہے جتنا آپ کو، اور...... حسن کے وجود نے تو مجھے جینے کا حوصلہ دیا ہے، اپنی ممتا کی تسکین اسی سے تو کرتی ہوں آج...... اگر میرا بیٹا زندہ ہوتا تو اسی کا ہم عمر ہوتا۔''

''آپ کے اسی جذبے کی قدر کرتے ہوئے تو میں نے پرپوزل بھیجا تھا۔'' ساجد نے کہا اور پھر گہری سانس لے کر گفتگو آگے بڑھائی۔

''آپ تو جانتی ہیں کہ میری ایک شادی شدہ بڑی بہن کے علاوہ کوئی رشتہ دار نہیں، وہ میری ماں کی طرح ہیں اسی لئے وہ بار بار مجھ پر حسن کی خاطر شادی کرنے کا دباؤ ڈال رہی ہیں، مجھے خود بھی حسن کی فکر ہے ورنہ انہوں نے تو کچھ لڑکیاں بھی دیکھ لی ہیں مگر......''

''مگر...... یہ کہ...... آپ چاہتے ہیں کہ ایک طلاق یافتہ عورت پر احسان کریں جسے عموماً ہمارا معاشرہ ٹھکرا دیتا ہے......؟'' اس کا موڈ ایکدم بگڑ گیا تو ڈاکٹر ساجد نے پریشان ہو کر کہا۔

''بخدا! آپ غلط سمجھ رہی ہیں، میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، احسان تو آپ کا ہوگا، ہم دونوں پر...... اگر آپ ہمارا ساتھ قبول کریں گی، مجھے یہ سب کچھ اس لئے کرنا پڑا کہ میرا ٹرانسفر کراچی ہو گیا ہے اور اگلے ہفتے مجھے وہاں شفٹ ہو جانا ہے۔''

''اوہ...... تو...... کیا حسن بھی چلا جائے گا؟ میں...... میں...... میں اس کے بغیر کیسے رہ پاؤں گی؟'' وہ یہ کہہ کر روہانسی ہو گئی تھی۔

''یہی بات تو میں آپ سے کرنا چاہتا تھا کہ خود حسن بھی آپ کے بغیر نہیں رہ پائے گا، ماں کا پیار دیا ہے آپ نے اسے، سچ پوچھیں تو ہم تینوں ایک دوسرے کی ضرورت ہیں، مجھے حسن کے لئے ایک اچھا مستقبل اور ماں جیسی ہستی چاہیے اور مجھے بھی ایک جیون ساتھی چاہیے اور اس معاشرے میں سروائیو کرنے کے لئے آپ کو بھی گھر چاہیے اور مرد کا سہارا چاہیے، اس لئے ان سب چیزوں کو نظر میں رکھ کر فیصلہ کریں۔''

''مجھے کچھ وقت چاہیے سوچنے کے لئے۔'' صبا نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''جی ضرور...... میں آپ سے ایک دو دن بعد فون کر کے آپ کا فیصلہ سنوں گا، اچھی طرح سوچ لیجئے۔'' وہ ڈاکٹر ساجد کے جانے کے بعد بھی گم صم سی کمرے میں بیٹھی رہی۔

☆☆☆

صبا اپنے بیڈ روم میں بیڈ کی پشت پر تکیہ رکھے ایک کتاب کے مطالعے میں مصروف تھی مگر اس کا دھیان بار بار کتاب سے ہٹ کر حسن کی طرف جا رہا تھا جو اس وقت گہری نیند سو رہا تھا، وہ اس کے معصوم چہرے کو دیکھتی رہی، آج وہ اسکول سے سیدھا اسی کے پاس چلا آیا تھا، آفس سے آ کر صبا نے گھر میں پہلا قدم رکھا ہی تھا کہ وہ دوڑتا ہوا آیا اور اس سے لپٹ گیا اور روتے ہوئے کہنے لگا۔

''آنٹی...... آنٹی! آپ مجھے چھوڑ کر تو نہیں جائیں گی نا؟''

''کون کہتا ہے بیٹا؟'' صبا نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''آنٹی! پاپا کہہ رہے تھے کہ اب ہم کراچی چلے جائیں گے، آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گی ناں؟'' وہ مچل کر بولا تو اس کے منہ سے فقط اتنا نکلا۔

''میں...... میں......؟''

''اگر آپ نہیں چلیں گی تو میں بھی نہیں جاؤں گا، میں آپ کے ہی پاس رہوں گا۔'' یہ کہہ کر وہ رونے لگا، وہ بے حد حساس بچہ تھا، صبا اسے لے کر کمرے میں آئی اور کتنی ہی دیر اسے مناتی رہی پھر کھانا کھلایا، جب وہ سو گیا تو وہ بھی ایک کتاب پڑھنے بیٹھ گئی مگر اس کا ذہن بھٹک رہا تھا، وہ اب تک کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی، مگر پھر وہ ایک فیصلے پر پہنچ ہی گئی اور پھر مسکرا کر اس نے حسن کی پیشانی کو چوما اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''میں ہمیشہ ماما کا سایہ بن کر تمہارے ساتھ رہوں گی، میرے بچے!''

☆☆☆

بوا سے ڈرائنگ روم کی صفائی کروانے کے بعد صبا پردوں کو برابر کر رہی تھی کہ اسے اماں کی آواز سنائی دی۔

''صبا! بیٹا دیکھو تو کون آیا ہے؟'' صبا نے گردن موڑ کے دیکھا تو جیسے اس کا پورا وجود لرز اٹھا کیونکہ اماں کے ساتھ رضا احمد کھڑا تھا، وہ حیران ہو کر اماں کی طرف دیکھنے لگی کہ کیا وہی اماں ہے جس نے اسے ٹھکرا دیا تھا حالانکہ اسے بیٹا کہتی تھیں، شاید وقت انسان کو بہت بدل دیتا ہے۔

''اماں لگتا ہے کہ مجھے خود ہی بیٹھنا پڑے گا کیونکہ صبا تو بیٹھنے کو کہے گی ہی نہیں۔'' رضا نے کہا تو وہ شرمندہ ہو کر بولی۔

''اوہ سوری...... بیٹھیں پلیز۔''

''آپ لوگ بیٹھیں، میں چائے بھجواتی ہوں۔'' اماں یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلیں گئیں، صبا رضا کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی، اس کے دل کی عجیب حالت تھی، وہ شخص جو کسی زمانے میں اس کے خوابوں کا محور تھا اب وہ سامنے تھا مگر درمیان میں سالوں کے فاصلے تھے۔

''کیسی ہو صبا؟'' رضا نے دھیرج سے کہا تو وہ چونک گئی اور جب وہ بولی تو اسے اپنی آواز جیسے کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

''ٹھیک ہوں، آپ کس وقت آئے؟''

''کافی دیر سے۔''

''کمال ہے، مجھے تو پتہ بھی نہیں چلا۔''

''باہر اماں صحن میں مل گئیں تو ان کے پاس بیٹھ گیا، اور حال احوال لیا۔'' وہ رک گیا اور پھر اداسی سے کہا۔

''تمہارے حالات جان کر بہت دکھ ہوا، ابا اور تمہارے بیٹے کی جدائی کی خبر ملی صبا، کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسے حالات میں ملاقات ہوگی۔'' صبا نے سر جھکا دیا، کہ وہ آنسوؤں کی نمی نہ دیکھ پائے کہ رضا نے سوال کیا۔

''صبا! باہر لان میں بوا کے ساتھ کھیلنے والا بچہ کون ہے؟''

''وہ میرا بیٹا ہے۔'' وہ شیشے سے باہر لان میں کھیلتے حسن کو پیار سے دیکھتی ہوئی بولی تو رضا چونک کر بولا۔

''مگر اماں نے تو بتایا تھا کہ تمہارا بیٹا......'' وہ ایکدم بولی۔

''دراصل یہ میری ایک بہت ہی پیاری سہیلی کا بیٹا ہے، میرے بیٹے کی ڈیتھ کے وقت

حسن بھی اس کا ہم عمر تھا، اس لئے وہ اسے میرے پاس لے آتی تھی کہ میری ممتا کو کچھ تسلی دے سکے، مجھے یقیناً اس سے سہارا ملا، پچھلے سال وہ روڈ ایکسیڈنٹ میں ہم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئی تو یہ بچہ بالکل تنہا رہ گیا مگر کیونکہ مجھ سے بہت مانوس تھا اس لئے میں نے اسے سنبھال لیا، اب اسکول کے بعد یہیں چلا آتا ہے، رات کو اس کے پاپا اسے لے جاتے ہیں، کبھی تو وہ رات کو بھی جانے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو یہیں میرے پاس سو جاتا ہے پھر میں اسے تیار کر کے اسکول بھیجتی ہوں، میرے لئے یہ میرا بیٹا ہے اور اس کے لئے میں ماں ہوں اس کی۔''

''ویری سیڈ! کتنا کیوٹ بچہ ہے۔'' رضا نے کہا تو صبا موضوع کو بدلنے کے لئے بولی۔

''آپ اپنی سنائیں، کیسے ہیں آپ اور آپ کے گھر والے؟''

''میں ٹھیک ہوں، آج اتنے برسوں کے بعد تم سامنے ہو تو دل میں موجود شکوے زبان پر لانا چاہتا ہوں، تم تو ایکدم مجھ سے یوں دور چلی گئیں کہ فون پر بھی بات کرنے سے انکار کر دیا، کسی میسج یا ای میل کا جواب نہیں دیا، ملنا تو دور کی بات ہے۔'' وہ شکوہ کر رہا تھا تو اس نے سر جھکا کر کہا۔

''رضا! کس منہ سے تم سے ملتی یا بات کرتی؟ میں تمہاری مجرم تھی، مجھے اگر تھوڑا سا بھی اندازہ ہوتا کہ میری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کرنے کا اختیار مجھے نہیں تھا تو محبت ہی نہ کرتی، میرے گھر والوں نے مجھے پابندیوں میں کبھی نہیں رکھا اس لئے میری آنکھوں میں بھی سپنے بس گئے، مگر میں نے محبت کر کے ایک جرم کیا مگر تمہاری بھی مجرم بنی۔''

''تم خواہ مخواہ ہی مایوس ہو گئی تھیں، تم حوصلہ تو کرتیں ہم شادی کر کے ڈکلیئر کر دیتے تو سب ٹھیک ہو جاتا، ماں باپ کتنا ناراض رہ سکتے ہیں اپنے بچوں سے؟''

''نہیں رضا! تم میری مجبوریاں نہیں سمجھ سکتے تھے، میں تو کسی ایسے پرندے کی طرح تھی جس کے پر کاٹ کر کھلے میدان میں چھوڑا گیا تھا اور وہ مورکھ اسے آزادی سمجھ بیٹھا تھا، وہ دوڑا دوڑا پھرتا مگر جب اڑنا چاہا تو پتہ چلا کہ وہ اڑنے سے معذور ہے، اس کے پر کاٹ دیئے گئے تھے۔'' وہ کہتے کہتے رو پڑی تو رضا بے چین ہو گیا۔

''اب ان گزری باتوں کو بھول جائیں رضا۔''

''ایسا ناممکن ہے یہ...... یہ...... کیسے ہو سکتا ہے۔'' وہ جذباتی ہو کر بولا۔

''اور اب یہ مجھ سے اتنا تکلف کیوں؟ آپ کب سے ہو گیا؟ تم کہو صبا۔''

''سمجھنے کی کوشش کرو رضا! اس وقت میں اور اس وقت میں بہت فرق ہے، اب ہماری راہیں جدا جدا ہیں اور درمیاں میں سالوں کے فاصلے ہیں۔''

''اور...... اور...... اگر...... میں یہ فاصلے ختم کر دینا چاہوں تو......؟'' کہتے ہوئے وہ ایکدم اٹھا۔

''کیا مطلب؟'' صبا حیران ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''میں نے سب کچھ جان لینے کے بعد اب ایک فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ جذباتی ہو کر بولا۔

''کیسا فیصلہ؟''

''صبا! ایک وقت تھا کہ ہم دونوں جیون ساتھی بننا چاہتے تھے مگر درمیان میں بہت رکاوٹیں تھیں، اب تو کوئی رکاوٹ نہیں، اب تو ہم

شادی کر سکتے ہیں نا۔"
"کیا؟..... کیا؟" وہ بے اختیار اٹھتی ہوئی بولی۔
"رضا! کیا کہہ رہے ہو؟"
"اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے؟" اس کے قریب آ کر رضا نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے تو وہ تڑپ کر اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے جھٹک کر دور ہو گئی اور کہا۔
"رضا! تمہاری منگنی ہو چکی ہے، جلد شادی ہونے والی ہے، کچھ ہوش کرو۔" صبا لرزتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی تو رضا اس کے قریب قالین پر بیٹھ گیا اور کہا۔
"صبا! میری زندگی میں آنے والی کوئی بھی لڑکی تمہاری کمی پوری نہیں کر سکتی، میری زندگی کا خلا صرف تم ہی پر کر سکتی ہو، میں تو شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا مگر جیسا کہ میں ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں اس لئے ان کے مجبور کرنے پر منگنی کی تھی، اس لڑکی سے مجھے ذرا بھی لگاؤ نہیں ہے صبا! تم..... تم چاہو تو میری دنیا آباد کر سکتی ہو..... صرف تم..... میں..... یہ منگنی توڑ دوں گا اور گھر والوں کو بھی قائل کر لوں گا، صرف منگنی تو ہوئی ہے، شادی تو نہیں۔"
"کیا کہہ رہے ہو رضا؟ رشتوں کے بندھن اتنی آسانی سے توڑے نہیں جاتے۔" وہ اس کا ضد اور وہی پرانا جنون دیکھ کر لرز کر بولی تو وہ بھی اس ضدی لہجے میں بولا۔
"تمہارے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوا تھا ناں؟ اگر شادی جیسا مضبوط بندھن ایک جھٹکے سے ٹوٹ سکتا ہے تو منگنی کیوں نہیں؟"
"بس کرو رضا! میرے نصیب کی سزا کسی اور کو مت دو، ہر مرد کا اپنا الگ کردار ہوتا ہے، تم تم ہو اور وہ..... وہ تھا کیوں کمپیئر کرتے ہو خود کو اس سے؟" مگر رضا تو جیسے ہوش میں ہی نہیں تھا۔
"صبا؟ دوبارہ مجھے اکیلا مت چھوڑو، نکال لو مجھے مایوسیوں کے گرداب سے..... پلیز..... صبا!"
صبا نے اس کی طرف دیکھا تو لرز گئی، رضا کی آنکھیں اور چہرہ بالکل سرخ تھا، وہی رضا لگ رہا تھا، دس سال پہلے والا، ضدی، جذباتی اور جنونی، وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گئی تو وہ پریشان ہو گیا اور پھر خود پر قابو پا کر آہستہ سے کہا۔
"آئی ایم سوری صبا! پلیز ریلیکس ہو جاؤ، اتنی پریشان مت ہو، میں تمہیں سوچنے کے لئے وقت دے رہا ہوں، جانے سے پہلے میں فون کر کے تم سے فیصلہ سنوں گا، تم ہاں کہو گی تو میں گھر جا کر سب معاملات سنبھال لوں گا، پریشان مت ہو صبا!"
وہ اٹھا اور جانے لگا، اس کے جانے کے بعد بھی کتنی دیر تک اس کی آنکھیں صبا کو نظر آتی رہیں جن میں حسرتیں اور التجائیں تھیں۔

☆☆☆

صبا رو رہی تھی اور بیڈ پر قریب بیٹھی یاسمین اپنا ہاتھ سر پر رکھے سوچوں میں گم صم سی تھی پھر صبا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔
"بس کرو صبا! خود کو سنبھالو۔"
"یاسمین! مجھے لگتا ہے کہ میں پاگل ہو جاؤں گی، زندگی مجھ سے بار بار امتحان کیوں لیتی ہے۔" یاسمین نے اٹھ کر اسے گلے لگایا، پھر اس کے آنسو پونچھ کر پیشانی سے اس کے بال ہٹائے، کچھ دیر پہلے وہ اسے رضا سے ملاقات کا احوال سنا چکی تھی جسے سن کر خود وہ بھی چکرا سی گئی تھی، صبا کہنے لگی۔

''اب تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ ایک طرف حسن ہے دوسری طرف رضا، میں ایک دوراہے پر کھڑی ہوں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ دونوں راہوں سے کس پر چلوں؟''

''ایک بات بتاؤ صبا؟'' وہ اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''تم اب بھی رضا سے اتنی ہی محبت کرتی ہو؟'' صبا نے اس گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تم پوچھ رہی جو یونیورسٹی کے دنوں میں [illegible] تھیں اور جانتی تھی کہ میں نے رضا سے [illegible] سے زیادہ پیار کیا تھا، کیا میں اسے [illegible] بھلا پائی تھی؟''

''[illegible] پریشانی کس بات کی، تم اس کے حق میں فیصلہ کرو، اب آنٹی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور اگر ہوا بھی تو میں اب ان کو راضی کرلوں گی۔''

''مگر...... پھر...... رضا کی منگیتر کا کیا ہوگا؟ اس کا کیا قصور ہے؟ اسے کیوں سزا ملے؟ میں نے رضا سے چھپ کر اس لئے شادی نہیں کی کہ میری نظروں کے سامنے میری چھوٹی بہنوں کا مستقبل تھا، اب وہ لڑکی، جو رضا کی منگیتر ہے، جس کا نام بھی مجھے پتا نہیں نہ ہی میں اسے جانتی ہوں، مجھے اپنی چھوٹی بہن کے روپ میں نظر آرہی ہے، تو پھر میں کیسے اس سے اس کی خوشیاں اور مستقبل چھین لوں؟ اور...... یاسمین...... اب صبا بھی وہ تو نہیں رہی، اب میں خود کو رضا کے قابل نہیں سمجھ سکتی۔''

''ڈاکٹر ساجد بہتر رہیں گے؟''

''میں نے کبھی ان کے حوالے سے سوچا ہی نہیں، میرے لئے حسن اہم ہے۔'' یاسمین اس کی ذہنی کشمکش سمجھ رہی تھی اور جانتی تھی کہ کچھ فیصلے انسان خود ہی کرسکتا ہے دوسرے نہیں اس لئے

کہا۔

''صبا! فیصلہ خود تمہارا ہونا چاہیے کسی اور کا نہیں، بہر حال تمہیں سوچ سمجھ کر کرنا ہے، اب تمہارے کسی بھی فیصلے پر کوئی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔''

وہ اسے کتنی ہی دیر سمجھاتی رہی، پھر چلی گئی کہ وہ دل و دماغ کی جنگ میں کسی ایک کی سن کر فیصلہ کرے۔

☆☆☆

شام ڈھل چکی تھی اور ہلکے دھند لکے میں صبا اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر پت جھڑ میں درختوں سے گرتے پیلے پتوں کے نظارے میں کھوئی ہوئی تھی، اس وقت وہ خود بھی خزاں رسیدہ لگ رہی تھی، اس نے پیلا سوٹ پہنا ہوا تھا اور لمبے بال بے ترتیبی سے اس کے چہرے کے آس پاس بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ویرانی بسیرا کیے ہوئے تھی، وہ مڑی اور بیڈ پر بیٹھ کر ہاتھوں میں سر دیئے سوچنے لگی۔

''کیا کروں اے خدا! زندگی نے ایک بار پھر کتنے اذیت ناک موڑ پر لا کر کھڑا کیا ہے مجھے؟ بارہ سال پہلے جب میں اور رضا شادی کرنا چاہتے تھے تو کیوں رکاوٹیں ڈالی گئیں؟...... اے کاش! اب بھی وہ مجھے نہیں ملا ہوتا۔''

پھر اچانک ہی جیسے وہ ہوش میں آ گئی اور پھر سوچنے لگی۔

''یہ مجھے کیا ہوا ہے؟ میں اب بارہ سال پہلے والی لڑکی نہیں بلکہ میچور ہو چکی ہوں اور ماں بھی، کیا میں کوئی جذباتی فیصلہ کر سکتی ہوں؟''

دل و دماغ کی جنگ میں بالآخر وہ ایک فیصلے پر پہنچ گئی کہ یکدم سے موبائل کی رنگ ٹون نے اسے چونکا دیا، اس نے کال اٹینڈ کی، ڈاکٹر ساجد کی کال تھی، وہ اس سے اس کا فیصلہ سننا چاہتا تھا، صبا نے بہت ٹھہرے ٹھہرے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

''ساجد صاحب! میں حسن کو زندگی کی کڑی دھوپ میں چلنے نہیں دوں گی بلکہ ماں کی ٹھنڈی چھاؤں بن کر اس پر سایہ کروں گی۔''

''تھینک یو صبا صاحبہ! I am really grateful مجھے اور کچھ بھی نہیں چاہیے، کل ہی سادگی سے رخصتی ہوگی، پرسوں ہم کراچی جائیں گے۔'' صبا نے کال ختم کی تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور وہ کہنے لگی۔

''مجھے معاف کر دینا رضا! ہم زندگی میں دوسری بار بچھڑ رہے ہیں، میرے پاؤں میں پڑی زنجیر نے ایک مرتبہ پھر مجھے اپنے بارے میں سوچنے نہیں دیا، میں ایک بار پھر تمہیں دکھ دے رہی ہوں، کیا کروں کہ زندگی پھر مجھ سے قربانی مانگ رہی ہے، مجھے معاف کر دینا رضا!''

اسی وقت فون کی رنگ بجی، اس نے ریسیور اٹھا کر ''ہیلو'' کہا، دوسری طرف رضا تھا، وہ بھی فیصلہ سننا چاہتا تھا مگر وہ خاموش آنسو بہاتی رہی، وہ بول رہا تھا۔

''صبا!...... چپ کیوں ہو؟...... پلیز جواب دو، مجھے واپس جانا ہے کچھ دیر میں مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ صبا!...... صبا!'' صبا نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔

''سوری...... رانگ نمبر۔'' اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

☆☆☆

وہ آئے تو سہی
مصباح نوشین
READING
Section

فائقہ نے کوئی تیسری مرتبہ ناگواری سے پہلو بدلا ہوگا، مگر دوسری جانب جیسے کوئی پرواہ ہی نہیں تھی، حالانکہ فائقہ نے آج کی تیاری پر خاص الخاص زور دیا تھا، بہترین ڈیزائنر کا قیمتی سوٹ، سینڈل اور امپورٹڈ میک اپ، اتنی شدید گرمی میں بھی فریش اور بے حد خوب صورت نظر آنے کی ایک جان مارنے والی بے ضرری کوشش تھی۔

مگر راشد جب سے آئے تھے، بچوں کے ساتھ ہی لگے ہوئے تھے، انہوں نے فائقہ کی جانب نگاہ غلط بھی نہیں ڈالی تھی، فائقہ کو ان دونوں بچوں سے اس وقت معمول سے اور اپنی فطرت و ہمت سے زیادہ نفرت اور چڑ محسوس ہوئی تھی۔

''اب بس بھی کر دیں راشد، ان ندیدوں کا تو پیٹ کبھی بھرنے سے رہا، آپ خود تو کچھ لیں، بہترین بیکری آئٹمز کا صفایا ہوتا دیکھ کر وہ ٹوکے بغیر نہیں رہ سکی تھی، یہ سب بھی راشد ہی لاتے تھے مگر فائقہ راشد کی کمائی پر سوائے اپنے کسی کا حق نہیں سمجھتی تھی سو اسے برا تو لگنا ہی تھا۔''

''راشد اب میں اٹھ کر جا رہی ہوں، کہا ناں بس کر دیں۔'' اب کی بار وہ تپ اٹھی تھی راشد اس کے خوبصورت گلابی چہرے کو دیکھ کر نرمی سے مسکراتے فائقہ نے انہیں مسکراتے ہلکا سا جھٹکا دے کر کلائی پکڑ لی، وہ ان پر گرتے گرتے بچی۔

''مجھے جانے دیں؟'' نگاہیں جھکا کر روٹھے پن سے کہا۔

''کہاں جاؤ گی میرے بغیر؟'' راشد نے جیسے لطف لیا اس یقین کا کہ فائقہ ان کے علاوہ کہیں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔

''اپنے کمرے میں جاؤں گی، کیونکہ آپ کے پاس تو میرے لئے وقت ہی نہیں ہے، سارا وقت تمہارا ہے۔'' وہ جان نثار ہوئے۔

''ہاں دکھائی دے رہا ہے مجھے۔'' اس نے دانت چباتے کینہ توز نگاہوں سے چکن رولز اڑاتے ان بچوں کو دیکھا جو پچھلے چھ مہینوں سے اس کی زندگی اجیرن کیے ہوئے تھے۔

''ارے غصہ تو مت کرو جان۔'' راشد نے اس کا چہرہ اپنی جانب موڑتے پیار سے کہا۔

''راشد، آپ جانتے ہیں ناں کہ میں اپنے اور آپ کے درمیان کسی تیسرے کو برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ درشت ہوئی راشد دھیمے پن سے مسکرا کر گویا ہوئے۔

''جانتا ہوں جان مگر جانے کیا بات ہے مجھے ان بچوں پر ترس سے زیادہ پیار آتا ہے یہ کس قدر معصوم ہیں اور کتنے بے خبر کہ انہیں اندازہ ہی نہیں کہ ان پر کتنی بڑی قیامت ٹوٹ چکی ہے۔'' وہ ان کے دکھ میں دکھی ہو گئے۔

''اب تقدیر کا لکھا کون ٹال سکتا ہے راشد۔'' وہ اور بھی بے زار ہوئی۔

''اب ان کے باپ کو ہم نے تو نہیں مارا، الٹا ہم تو انہیں سہارا دے کر یہاں لائے ہوئے ہیں۔''

''بہت اچھی بات ہے میں تو ماموں کے اس جذبے کی بہت قدر کرتا ہوں کہ انہوں نے یتیم بھتیجے کے بیوی بچوں کو گھر میں پناہ دی۔'' انہوں نے پیار سے چار اور سات سالہ انعم اور صمد کو دیکھا اور مسکرا دیئے۔

''اور کچھ کھانا ہے بیٹا۔'' وہ مسکرا کر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور اچھا کھانا کبھی کبھار راشد کی آمد پر کھانے والے بچوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر سر کو ایک بار پھر اثبات میں جنبش دے کر پلیٹ بھروالی، راشد نے ساری چیزیں ایک ہی بار میں انہیں ڈال کر دے دیں۔

''جاؤ اور جا کر اپنی مما کو بھی دو۔'' انہوں نے بچوں کو پیار سے سمجھاتے وہاں سے بھیجا۔
''بھوکے نہیں رہتے یہ یہاں سارا دن، مگر پھر بھی آپ نے ان کا ندیدا پن دیکھا، ایسے کھا رہے تھے جیسے آج سے پہلے کھانے کی کبھی شکل ہی نہ دیکھی ہو۔'' وہ چڑی۔
''وہ بچے ہیں فائقہ، سیکھ جائیں گے آہستہ آہستہ۔''
''نہیں سیکھیں گے یہ، ماں کی طرح دونوں ڈرامے باز ہیں، جان بوجھ کر لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کو ایسا کرتے رہتے ہیں، ورنہ ہم نے انہیں کوئی کمی نہیں دے رکھی یہاں۔'' وہ ہلکی آواز میں بھر کر چلائی، کہ اس کا تنفس درہم برہم ہو گیا۔
''اتنا غصہ کیوں کرتی ہو تم ان بچوں پر۔'' راشد کو حیرت ہوئی آج کی ملاقات بھی ضائع ہی ہو گئی۔
''آپ کیوں مجھے اگنور کر کے انہیں اہمیت دیتے ہیں۔'' راشد ہنسے۔
''تمہارا اور ان بچوں کا کیا مقابلہ۔'' وہ حیران بھی ہوتے۔
''راشد سخاوت کی بھی ایک حد ہوتی ہے، آپ خواہ مخواہ میں ان بچوں کو اپنے سر پر چڑھا رہے ہیں، ہر دفعہ ان کے لئے ڈھیروں کے حساب سے کھانے پینے کی اشیاء اور کپڑے کھلونے لاتے ہیں، دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا ہے ان کا، کل یہ بڑی انعم کہہ رہی تھی کہ اسے پیزا منگوا کر دیا جائے، اسے گھر کی بنی پھیکی دال نہیں کھانی، بھلا بتائیں جن بچوں کے باپ مر جائیں انہیں ایسے نخرے کرنا زیب دیتا ہے بھلا، ساری دوپہر روتی رہی، ایک پل کو سونے نہیں دیا اس بدتمیز نے۔''
''اوہ تو تم مجھے فون کر دیتیں ناں، میں بھجوا دیتا، خواہ مخواہ میں بچی بیچاری کو اتنا رلا دیا تم لوگوں نے۔'' وہ متاسف ہوئے اور فائقہ کی تو آنکھوں میں شرارے بھر گئے بجائے اس کے کہ وہ فائقہ کی ڈسٹربنس کا خیال کرتا، وہ تو الٹا انعم کے لئے پریشان ہو رہا تھا، یعنی حد ہے بھئی، منگیتر سے زیادہ بچوں کی پریشانی اور فکرمندی۔
''بس ہو گئی آپ کی حمایت شروع، آپ یہاں کس کے لئے آتے ہیں راشد؟''
''آف کورس یار تمہارے لئے۔''
''تو پھر مجھ تک ہی اپنی دلچسپی مرکوز رکھا کریں، اس گھر میں کوئی کیا کر رہا ہے اس فکر میں دبلا مت ہوں، سب بہت اچھے حال میں ہیں۔''
''اچھا بابا آئندہ خیال رکھوں گا، چلو اب اپنا موڈ ٹھیک کرو، میں تمہارے لئے ایک بہت خوبصورت گفٹ لایا ہوں۔'' وہ نرمی سے مسکراتے جیب کی طرف ہاتھ بڑھا لے گئے تھے، گفٹ کا نام سن کر ہی فائقہ کا چہرہ کھل اٹھا تھا، وہ بے ساختہ ہنسی۔
''کیا لائے ہیں، دکھائیں ناں، اتنی دیر سے کیوں چھپا رکھا تھا پھر۔'' نروٹھے پن سے کہتی بمشکل مسکراہٹ چھپاتی دلفریبی سے بولی، راشد کی جذبات کی دنیا میں تہلکہ مچ گیا، گولڈ کا خوبصورت بریسلیٹ نکال کر اس کے سامنے لہرایا، فائقہ نے جھپٹنے والے انداز میں پکڑا۔
''اللہ...... یہ تو بہت قیمتی لگ رہا ہے، اف......ف...... کتنا پیارا ہے یہ راشد۔'' سینے اور آنکھوں سے لگا کر دیکھتے وہ خوشی سے بے ربط ہوئے جا رہی تھی، راشد اسے خوش دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔
''کتنے کا آیا ہے، یہ تو خاصا مہنگا ہو گا ناں۔''
''تم سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔'' راشد نے

مسکراتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی بتائیں ناں، امی پوچھیں گی تو میں کیا کہوں گی بھلا۔''

''انہیں کچھ بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے، میرے لئے تمہاری پسند کی اہمیت ہے۔'' راشد بڑے شفاف انداز میں بات بدل گئے، تحفہ دیکھ کر فائقہ کا موڈ بھی خوشگوار ہوگیا کچھ دیر پہلے کی ساری کوفت و بیزاری ہوا میں تحلیل ہوگئی تھی، راشد اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے، ویسے بھی راشد کی تو جان ہی فائقہ کی مٹھی میں تھی۔

☆☆☆

دریہ نے کچن کے تمام برتن دھو کر ابھی اسٹینڈ پر خشک کر کے رکھے ہی تھے کہ وہاں پر فائقہ دندناتی ہوئی چلی آئی تھی، دریہ کی بے ساختہ ٹانگیں لرزیں، جانے آج کیا غلطی ہوگئی تھی جو وہ یوں ایسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، حالانکہ آج تو کھانا بھی بہت اچھا بنا تھا، راشد بہت تعریف کر کے گئے تھے، خیر وہ تو ہمدردی کیا کرتے تھے اصل تعریف تو آج اصغر چچا نے کی تھی، ورنہ کھانے میں مین میخ نکالنا تو ان پر ختم تھا۔

''کیا چاہتی ہو تم؟'' وہ سر پر آ کر دھاڑی تھی۔

''کک...... کیا ہوا فائقہ؟'' دریہ نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا تھا، شاید پھر بچوں نے کوئی غلطی کر دی تھی۔

''نہ تو تم اتنی بھولی ہو نہ ہی معصوم، دنیا دیکھ چکی ہو اور شوہر کو کھا چکی ہو، سارے تجربے ہیں تمہارے پاس، کیوں بھیجتی ہو اپنے بچوں کو میرے منگیتر کے پاس، آخر کیا چاہتی ہو تم، کیوں چاہئیں اس کی ہمدردیاں تمہارے بچوں کو۔'' دریہ کا حلق خشک ہوگیا۔

''میں نے کبھی بچوں کو نہیں کہا جی، وہ تو خود ہی ان کے لئے کچھ نہ کچھ لے کر آ جاتے ہیں۔'' دریہ سے صفائی دینا مشکل ہوگیا۔

''تم نے خود انہیں ندیدہ بنایا ہوا ہے، کہ راشد کے پاس پیسہ دیکھ کر جتنا نکلوایا جا سکے نکلوا لیا جائے اور تم کیا سمجھتی ہو میں ایسا کرنے دوں گی بھلا، راشد کی کمائی پر صرف میرا حق ہے، سمجھیں تم۔'' وہ جیسے آئی تھی طوفان اٹھا کر ویسے ہی واپس چلی گئی تھی، دریہ سے اتنی ذلت کے بعد کھڑا رہنا محال ہوگیا، وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر رونے لگی، کافی دیر رو چکنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آئی تھی، جہاں پرانا سا پنکھا گھر رگھر کی آواز سے چلتا بمشکل رینگ رہا تھا، اس کے تینوں بچے پسینے میں شرابور سوئے ہوئے تھے، وہ انہیں کیا ڈانٹ کر سمجھاتی، بلکہ انہیں دیکھ کر وہ اور بھی شدت سے رونے لگی تھی، وہ فائقہ کو بتا نہیں سکی کہ جن چیزوں کی وہ بات کر رہی ہے اس کے بچے ندیدے پن میں انہیں نہیں کھانے کو مانگتے بلکہ وہ عادی تھیں کھانے کے، اسلم ہمیشہ ان کے لئے آفس سے واپسی پر بیکری کی مہنگی آئٹمز لایا کرتے تھے۔

اور یہ وقت اور تقدیر کا ستم ہی تھا ناں کہ اچھا خاصا خوشحال ہنستا بستا گھرانہ آن واحد میں اجڑ گیا تھا، اسلم کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ کی وجہ سے وہ بے آسرا ہوگئے تھے، ابھی اس کا چھوٹا شرجیل تو جھولے میں تھا، کچھ عرصہ اس کے پاس جو تھوڑی بہت بچت تھی وہ کام آئی پھر اس کے بعد گھر میں فاقے ہونے لگے، لوگوں نے شرم دلائی یا خود ہی دنیا دکھاوے کو اسلم کے چچا اصغر انہیں اپنے گھر میں لے آئے مگر یہاں رہنے کو چھت تو ملی اور دو وقت کی روٹی بھی، مگر بدلے میں اور جو جو کچھ ملا، وہ عزت نفس پہ تازیانہ بن بن کر لگتا، کہ جگر چھلنی

ہو جاتا، نفرت، بے زاریت، غصہ، چڑچڑاپن عروج پر ہوتا، دریہ سارا دن گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی، انعم اور صمد دونوں سکول جایا کرتے تھے یہاں پر اسکول بند ہو گیا، وہ گھر پر ہی ماں کے ساتھ کام کاج کروانے میں مدد کرتے کرواتے، صمد کو پڑھنے کا بہت شوق تھا وہ کتنی بار ماں سے کہہ چکا تھا کہ اسے اسکول میں داخلہ دلوا دیں مگر اس کے پاس داخلے کی رقم نہیں تھی، ڈرتے ڈرتے اصغر چچا سے بات کی تو وہ یوں حیران ہوئے کہ دریہ شرمندہ ہو گئی اور تو اور سکینہ چچی تو باقاعدہ ہنس ہی پڑیں۔

''ارے تم تو بالکل ہی پاگل ہو گئی ہو دریہ، نت نئی کیسی کیسی فرمائشیں کرنے لگتی ہو، بھلا تمہارے اصغر چچا کی کون سی فیکٹریاں چل رہی ہیں جو وہ تمہارے بچوں کی پڑھائی کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔'' ان کا مذاق اڑاتا لہجہ دریہ کے سینے میں نیزے کی انی کی طرح فٹ ہو گیا۔

''جو مل رہا ہے اور جتنا مل رہا ہے اس پر قناعت کرو بی بی، یہ بھی نہ ہوتا تو سوچو کیا ہوتا۔'' وہ مزے سے آم کی اچار کی پھانک چوستے اسے پاتال میں گرا رہی تھیں۔

عزت نفس بھی عجیب شے ہے اسے غریبوں اور مجبور لوگوں کے اندر نہیں ہونا چاہیے، ورنہ غریب بہت ہلکان ہو جاتا ہے، اس کی غربت معاشی ضروریات سے نڈھال کر دیتی ہیں، دریہ بغیر کچھ کہے خاموشی سے نکل آئی۔

''توبہ ہے بے حیائی کی بھی ایک حد ہوتی ہے، اچھائی کا تو زمانہ ہی نہیں، ایک تو گھر اور آسرا دیا اوپر سے نخرے اور فرمائشیں ایسے انداز میں کرتی ہیں محترمہ گویا قرض دار ہوں اس کے، اف......ف، آپ نے بھی تو اسے میرے سر پر بیٹھا کر ہی دم لیا اصغر صاحب۔''

دریہ نے یہ چبھتے ہوئے الفاظ اپنے کانوں سے کمرے سے نکلتے ہوئے سنے تھے، آنسو باہر نہیں گرے اس کی عزت نفس اور خود داری کی طرح اندر ہی کہیں روح کی پاتال میں گرتے رہے، قطرہ قطرہ رات بھیگتی رہی۔

☆☆☆

دریہ کے بیٹے کو جو بمشکل ابھی چھ ماہ کا ہوا تھا اسے بخار تھا ساتھ میں خسرہ کے دانے بھی نکلے ہوئے تھے، سارا سارا دن وہ روتا رہتا، گھر کے کاموں میں دریہ گھن چکر بنی ہوئی تھی اور شرجیل کے رونے کی آوازیں اس کے ماتا بھرے دل کا خون کرتی جاتی تھیں، مگر سکینہ چچی نے آج ہی اسے گھر کے سارے پردے اور کشنز دھونے کی ذمہ داری سونپ دی تھی ساتھ ہی دوپہر میں کھانے پر اہتمام بھی تھا کیونکہ آج سکینہ چچی کی دور پار کی کزن کھانے پر آ رہی تھیں، دریہ اسی لئے صبح سویرے ہی کام پر لگ گئی تھی اسی چکر میں ناشتہ بھی نہیں کیا تھا چھت پر کپڑے دھوتے سوا نیزے سورج کے نیچے کھڑے اپنے جلتے تلوؤں کو اس نے ڈبڈبائی نگاہوں سے دیکھا اس کی چپل ٹوٹ چکی تھی اور اس کا تلوہ بھی گھس چکا تھا، گرمی کی تپش مستزاد شرجیل کی چیخیں، اس سے کھڑا رہنا محال ہو گیا تھا تبھی وہ بے ساختہ نیچے چلی آئی، اس کا سر گھوم رہا تھا خوراک کی کمی نے اس کا بی پی لو کر دیا تھا شاید، شرجیل رو رو کر ہلکان ہو رہا تھا وہ بے ساختہ نیچے آئی اور اسے تڑپ کر گلے سے لگا کر رو دی۔

''امی بھائی کو ڈاکٹر کو دکھائیں ناں، دیکھیں تو اسے کتنا تیز بخار ہے۔'' صمد کی آنکھوں میں دکھ سے آنسو آ گئے، دریہ لب کچل کر رہ گئی۔

''میرے بھائی کو بخار ہے امی جان، اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں ہم دونوں، آپ

جلدی کریں۔" صمد کو لگا ماں نے غور سے بات نہیں سنی تبھی دوبارہ دہرادی۔

"ہم کیسے جاسکتے ہیں صمد۔" بالآخر اسے بولنا ہی پڑا۔

"میں آپ کے ساتھ جاتا ہوں ناں، سڑک پر رکشے کھڑے ہیں میں بلا کر لاتا ہوں ابھی۔" وہ جانے کو تیار بھی ہوگیا، مگر دریہ نے روک دیا۔

"رہنے دو صمد، ہم اسے ڈاکٹر کو نہیں دکھا پائیں گے۔" صمد نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

"مگر امی۔"

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں بیٹا اور اصغر چچا کے پاس بھی نہیں ہیں، فریج سے ٹھنڈا پانی لے کر آؤ، میں اسے پانی کی پٹیاں کر دیتی ہوں اس کا بخار اتر جائے گا۔"

"بخار نہیں اترے گا امی جان، ٹھنڈے پانی کی پٹیاں تو آپ رات بھر سے کر رہی ہیں۔" صمد نے گہرے تاسف میں گھر کر جیسے دکھ سے ماں کو بتایا تھا، حالانکہ دریہ جانتی تھی کہ خسرے اور چیچک کے بخار انجکشن کے بغیر نہیں ٹھیک ہوا کرتے مگر وہ مجبور تھی کیونکہ وہ بے سہارا تھی اور اس گھر کے مکین ہزار ہا مرتبہ اسے جتلا چکے تھے کہ اس سے زیادہ کی امید اس سے نہ رکھی جائے، پھر بھی وہ ایک آخری کوشش کے تحت اصغر چچا کے پاس گئی۔

"اصغر چچا میرا بیٹا بہت بیمار ہے پلیز اسے ڈاکٹر کو دکھا لائیں۔" دریہ بات کرتے کرتے رو پڑی، اصغر چچا نے بہت ہی سنجیدگی سے اسے دیکھا اور کہا۔

"تمہارے پاس پیسے ہیں تو تم لے جاؤ، میری جیب میں تو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے جو کچھ بھی تھا آج کی دعوت میں خرچ ہوگیا۔" انہوں نے کچھ ایسی سفاکی اور سنجیدگی سے کہہ کر بات ختم کی کہ دریہ حیرت کے مارے گنگ ہوگئی، کیونکہ ابھی اس نے کمرے میں آتے وقت ان کی گود میں کافی سارے نوٹ پڑے دیکھے تھے۔

"میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں چچا۔" دریہ حسب عادت لب کچل کر رہ گئی۔

"میرے پاس بھی نہیں ہیں۔" اصغر چچا نے بھی بات ختم کر دی لہٰذا وہ واپس پلٹ گئی۔

☆☆☆

کھانے کی تیاری کے دوران اور بعد کا سارا وقت اس نے اسی دکھ میں روتے ہوئے گزارا، مہمان آئے کھانا کھا کر خوش گپیوں میں مصروف تھے جب وہ کمرے میں گئی اور دیکھا کہ شرجیل بخار سے بے ہوش پڑا ہے، اس نے اپنا کلیجہ پھٹتا ہوا محسوس کیا تھا، بے ساختہ وہ ایک بار پھر اصغر چچا کے کمرے کی طرف دوڑی، مگر اصغر چچا مہمانوں کے درمیان بیٹھے خوش گپیوں کر رہے تھے، فائقہ البتہ اپنے کمرے میں تھی سو وہ وہیں چلی آئی، وہ فائقہ کے کمرے میں نہیں جایا کرتی تھی اسے اجازت ہی نہیں تھی کہ وہ اس کے کمرے میں جاسکے، مگر آج وہ اتنی مجبور ہوگئی تھی کہ فائقہ کی تنبیہ کو یاد ہی نہیں رکھ سکی، فائقہ نے آمد پر اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" فائقہ نے اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھا دریہ بے ساختہ رونے لگی۔

"اوہو بتاؤ بھی کیا مسئلہ ہے، نحوست کیوں پھیلانے بیٹھ گئی ہو یہاں۔"

"فائقہ پلیز مجھے کچھ پیسے دے دو، میرا بیٹا بہت بیمار ہے۔" دریہ روتے روتے بے ساختہ ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی فائقہ نے اسے کسی قدر کروفر سے دیکھا۔

"خدا کے لئے فائقہ، مجھ پر رحم کرو، میرا بیٹا مر جائے گا، میرے پاس تو ان کے علاوہ اور کوئی سہارا بھی نہیں ہے۔"

''بند کرو اپنی بکواس، تم کتنی ڈھیٹ ہو دریہ، تمہیں اثر ہی نہیں ہوتا ہماری کہی باتوں کا، جب ایک بار کہہ دیا کہ اس گھر میں تمہیں سوائے روٹی کپڑے کے اور کچھ نہیں ملے گا تو تم مزید کی امید کیوں رکھتی ہو، نہیں ہیں میرے پاس پیسے، تم چلی جاؤ یہاں سے۔'' فائقہ نے فرعونیت کی حد ہی ختم کر دی تھی دریہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اس نے تو صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا شرجیل کی پریشانی میں۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں فائقہ، تم خود چل کر دیکھ لو، میرا بیٹا بہت بیمار ہے۔'' وہ ایک مرتبہ پھر گڑگڑائی تھی۔

''میں کیوں جانے لگی تمہارے ساتھ، تمہارے میلے کچیلے بچوں کو تو دیکھنے کو بھی دل نہیں کرتا اور تمہارے کمرے سے تو اتنی بدبو آتی ہے کہ حد نہیں۔'' اس نے یوں منہ اور ناک کو سکیڑا جیسے واقعی میں اسی بدبو کو اپنے اردگرد محسوس کر رہی ہو۔

''تم مجھے کچھ پیسے دے دو، پھر۔'' دریہ ایک آخری امید کے طور پر پھر منت سماجت پر اتری۔

''اب تو تمہیں میری صرف چپل ہی پڑے گی، تم کیا نیا ڈرامہ رچا کے کھڑی ہو گئی ہو، کبھی تم راشد کے آگے پیچھے پھرتی ہو کبھی میرے، کیوں پیدا کیے تھے اتنے بچے اگر تم سنبھال نہیں سکتی تھیں تو، خود تو تمہارا شوہر مر گیا، ہمارے سر پر عذاب مسلط کر گیا تم سب کا، نکل جاؤ یہاں سے۔'' فائقہ اب کی بار بہت زور سے چلائی تھی تبھی دروازہ کھلا تھا دریہ نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا اور فائقہ کا تو رنگ ہی اڑ گیا تھا، دریہ لب کچلتی وہاں سے جانے لگی کہ راشد نے ٹوک دیا۔

''ٹھہریے بھابھی۔'' دریہ کے قدم بے ساختہ ٹھہر گئے وہ ان کے قریب آیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں، تیار ہو جائیں میں شرجیل کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے جی۔'' دریہ جذباتی ہو کر ایک بار پھر رونے لگی تھی، چلو کوئی تو تھا انسانوں کے ہجوم میں جس کے اندر ابھی تک انسانیت کی رمق نظر آتی تھی۔

''آپ اسے خود لے کر جائیں گے کیا؟'' فائقہ چیل کی طرح اڑتی دریہ کے جاتے ہی راشد کے سر پر پہنچی۔

''ہاں، تم ساتھ چل رہی ہو کیا؟'' راشد نے نرمی سے پوچھا مگر فائقہ تو نرم لہجے میں بات کر ہی نہیں سکتی تھی۔

''آپ اسے ساتھ لے کر نہیں جائیں گے راشد، یہ ٹھیک عورت نہیں ہے، ڈرامہ کر رہی ہے کل بھی ابا جی نے اسے پیسے دیے ہیں یہ دکھا دے گی اپنے بیٹے کو، آپ یہاں بیٹھیں۔'' راشد نے اس کے جھوٹ پر اسے تاسف سے دیکھا چہرہ جتنا بھی خوبصورت ہو جب غلط بیانی کرے تو بد صورت ہی لگتا ہے۔

''اس کے پاس پیسے ہوتے تو وہ کیا تمہارے سامنے یوں روتی گڑگڑاتی فائقہ؟'' راشد نے دھیمے ٹھہرے لہجے میں اس سے پوچھا تھا، فائقہ لمحہ بھر کو ٹھٹکی اسے راشد کا رویہ آج کچھ عجیب سا لگا تھا۔

''مم...... میں سچ کہہ رہی ہوں راشد، آپ بھی اس عورت کی چال میں آ گئے۔'' فائقہ نے فوراً ہی بات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''مجبور انسان چال باز نہیں ہوتا فائقہ، جب ہم اسے چالباز سمجھ رہے ہوتے ہیں تب وہ بھی وہ صرف مجبور ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں، بہر حال میں دریہ بھابھی کو ڈاکٹر کے پاس

لے جا رہا ہوں، واپسی پر بات ہوتی ہے۔“
”تو آپ انہیں پیسے دے دیں ناں، خود جانے کی کیا ضرورت ہے۔“
”میں خود جاؤں گا اس بچے کو لے کر، شاید ایمرجنسی میں ڈاکٹر اسے ایڈمٹ کر لے، بھابھی بے چاری کہاں بھاگتی پھریں گی۔“ یہ کہہ کر وہ چلے گئے مگر حسب توقع وحسب معمول فائقہ کا منہ پھول گیا، وہ شدید غصے میں بھری کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔

☆☆☆

راشد پہلی بار درِیہ بھابھی کے کمرے میں آئے تھے، اور اس کمرے کے مکینوں کی حالت زار نے ان کی آنکھیں نم کر دیں تھیں، اچھے خاصے کھاتے پیتے تھے اصغر چچا، گھر میں خوشحالی دبے دبے پاؤں رقص کیا کرتی تھی، مگر وہ اتنا نہیں کر سکے کہ ایک بیوہ اور یتیم بچوں کو مکمل سہارا محبت اور بنیادی ضروریات فراہم کر سکیں، وہ جب بھی اس گھر میں آتے تھے ہمیشہ ہی درِیہ بھابھی کو گھر کے کاموں میں مصروف پایا کرتے، چھ ماہ میں ایک نیا جوڑا انہوں نے بچوں کے یا ان کی ماں کے تن پر سجا نہیں دیکھا اور گھر کے مکینوں کی لعن طعن، طنز و تشنیع کچھ بھی ان سے مخفی نہیں تھا اور جو کچھ بھی مخفی تھا وہ آج عیاں ہو گیا تھا، دنیا بھر کے سامنے واہ واہ سمیٹنے والے اصغر چچا کی اصل صورت کیا تھی راشد کو جان کر دلی صدمہ ہوا تھا۔

جب وہ کمرے میں آئے درِیہ بھابھی بوسیدہ چادر سے خود کو ڈھانپ چکی تھیں ساتھ ہی تینوں بچے تیار کھڑے تھے، راشد انہیں لے کر گاڑی کی طرف گئے، ایک بار پھر صمد کو فائقہ کو بلانے بھیجا مگر وہ نہیں آئی تو مجبوراً خود ہی اکیلے ان بچوں کو لے کر گئے، ان کا دل بہت نرم اور حساس تھا وہ کسی کو بھی دکھ درد میں دیکھ ہی نہیں سکتے تھے اور یہ تو پھر چھوٹے چھوٹے معصوم ان کے کزن کے بچے تھے، شرجیل کی حالت واقعی میں بہت خراب تھی ڈاکٹرز نے اسے جاتے ہی ایڈمٹ کر لیا تھا، راشد شہر کے سب سے اچھے ہاسپٹل میں انہیں لائے تھے، آتے ہی ٹریٹمنٹ شروع ہو گیا تین گھنٹے میں شرجیل کی حالت بہتر ہو گئی اور ان تین گھنٹوں میں راشد نے بچوں کو ڈھیروں کے حساب سے شاپنگ کرا دی تھی نجانے اس آدمی کا دل کیسا تھا، جو بڑے دھڑلے سے دوسروں پر ہزاروں روپے با آسانی لٹا دیا کرتا تھا، کبھی تو اس کی بھی محنت کی کمائی پھر وہ اوروں کی طرح اس پر صرف اپنا حق کیوں نہیں سمجھتا تھا وہ کیوں یتیم اور بے سہارا بچوں پر خرچ کرتا تھا، بچے جب لدے پھندے واپس آئے تو ان کے چہرے خوشی سے دیک رہے تھے، درِیہ انہیں پہلے دکھی دیکھ کر روتی تھی اب خوش دیکھ دیکھ کر روتی رہی، راشد کا شکریہ الگ ادا کرتی رہی اور وہ بلا وجہ شرمندہ ہوتا رہا، جبکہ اسکی ایک ہی تکرار تھی۔
”اگر آپ نہ ہوتے تو نجانے آج کیا ہو جاتا، آپ تو مسیحا بنے ہیں میرے لئے، میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھول پاؤں گی راشد بھائی۔“
”آپ مجھے بارہا کیوں شرمندہ کر رہی ہیں بھابھی، ان بچوں پر میرا بھی تو کچھ حق بنتا ہے میں بھی ان کا رشتے میں چاچو لگتا ہوں، آپ پلیز ایسا کچھ مت سوچیں جب بھی کوئی ضرورت ہو، مجھے بلا جھجک کہہ دیا کریں۔“ گھر کے سامنے گاڑی روکتے انہوں نے اپنا سیل نمبر دیتے درِیہ سے کہا تھا، وہ تشکر سے کارڈ تھامتی باہر نکل آتی کہ انہوں نے دوبارہ پکارا۔

”یہ کچھ پیسے رکھ لیں عید آنے والی ہے اپنے لئے کچھ خرید لیجئے گا، بچوں کے کپڑے تو میں خود لے آؤں گا اور ہاں، آج کے بعد آپ کو فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، ان بچوں کا سارا خرچ میں اٹھاؤں گا تب تک جب تک یہ کسی قابل نہیں ہو جاتے۔“

”آپ پہلے ہی ہمارے لئے بہت کر چکے ہیں راشد بھائی، مزید مجھے اپنے احسانوں کے بار تلے مت دبائیں۔“ دریہ ایک بار پھر اس فرشتہ صفت انسان کی نیکی پر رو پڑی۔

”بھابھی، آج کے بعد یہ اجنبیوں والی باتیں آپ بالکل بھی نہیں کریں گی، میں صبح آؤں گا دوبارہ، اپنا خیال رکھئے گا۔“ گاڑی اسٹارٹ کرتے بولے تھے۔

”آپ اندر نہیں آئیں گے؟“

”ابھی ایک ضروری میٹنگ میں جانا ہے کل آؤں گا، آپ فائقہ کو بتا دیجئے گا۔“ یہ کہہ کر وہ تو گاڑی زن سے آگے بڑھا کر لے گئے، مگر دریہ کے لئے مصیبت کا ایک نیا در کھول گئے، اس نے ابھی گھر کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ فائقہ کسی چیل کی مانند اس پر جھپٹی تھی، ساتھ سکینہ ممانی بھی غضبناک ہو رہے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”خبردار اگر تم نے اس گھر کی دہلیز پار کی تو۔“ دریہ اور بچے یکلخت سہم گئے۔

”بدکردار عورت، میرے منگیتر پر ڈورے ڈالتے تجھے اس سے زیادہ گھٹیا آئیڈیا نہیں ملا تھا کیا۔“ فائقہ نے بچوں کے ہاتھ میں شاپر پکڑے دیکھے تو اپنے آپ میں نہیں رہ سکی اور دریہ پر جھپٹ کر اسے مارنے لگی۔

”یہ...... یہ دیکھیں ذرا بیٹے کو لے کر گئی تھیں۔“

”میں نے کچھ نہیں کیا فائقہ، پلیز میرا یقین کرو، میں ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔“ فائقہ نے ہاتھوں میں اس کے بال جکڑے تھے اور دریہ کے کندھے پر سویا ہوا شرجیل تھا اور فائقہ نے اس کے بال اتنی زور سے جکڑے تھے کہ دریہ لڑکھڑا کر نیچے گر گئی تھی اور شرجیل جاگ گیا تھا اور بے تحاشا رونے لگا تھا شرجیل کو بچاتے خود دریہ کا سر اینٹ میں جا لگا تھا، وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی کہ فائقہ کو آخر غصہ کس بات کا تھا اس کی آنکھ کے سامنے ہی تو وہ راشد کے ساتھ گئی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ ڈاکٹر کے ہی گئی تھی۔

”دیکھ لیا امی آپ نے، اسی دن کے لئے اس ڈائن کو پناہ دی تھی آپ نے، صرف اس کے ڈراموں کی وجہ سے راشد نے آج مجھے ڈانٹا ہے اور دیکھیں آج وہ اندر بھی نہیں آئے، میں اسے اس گھر میں اب ایک منٹ نہیں رہنے دوں گی، نکالیں اسے گھر سے باہر۔“ زور زور سے روتی فائقہ نے بالکل اچانک ہی ایک عجیب فرمائش کر دی تھی بجائے اس کے کہ سکینہ کچھ سمجھاتی الٹا وہ بھی بیٹی کا ساتھ دینے لگ گئی تھیں۔

”کیا یہ سچ کہہ رہی ہے دریہ۔“ سکینہ چچی کے الفاظ نہیں لہجہ بہت سنگین تھا۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں چچی جان، آپ بے شک راشد بھائی سے پوچھ لیں، آپ جانتی ہیں کہ میرا بیٹا بخار سے تڑپ رہا تھا پچھلے دو دن سے۔“

”تو پھر یہ شاپنگ کہاں سے کی تم نے؟“ ان کے لہجے کی سنجیدگی اور بھی بڑھی۔

”یہ تو انہوں نے خود بچوں کو......“ دریہ کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ فائقہ نے اچک لی۔

”دیکھا، ابھی کیا باقی رہ گیا امی جان، پہلے صرف بچوں کے کھانے کی اشیاء آیا کرتی تھیں آج سے شاپنگ بھی اسٹارٹ ہو گئی، آپ ابھی

مزید کس وقت کا انتظار کر رہی ہیں، نکالیں اسے گھر سے باہر۔'' فائقہ پھر ہوئی شیرنی بن گئی۔

''فائقہ تم خاموش رہو، مجھے بات تو کرنے دو۔'' سکینہ سے اپنی بیٹی کو سنبھالنا محال ہو گیا، خیر سے ان ہی کی تربیت کا اثر تھا جو وہ کسی کی بھی نہیں سنتی تھی ماں باپ کی بھی نہیں۔

''نہیں اسے نکالیں ابھی گھر سے، یہ ابھی نکلے یہاں سے، یہ اب یہاں مزید نہیں رہ سکتی، قطعاً نہیں۔'' پھر اس نے ماں کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی دریہ کو پکڑ کر گھر سے نکال دیا، بچے ماں کے ساتھ گھسیٹتے گئے، دریہ اتنی گنگ اور ششدر تھی کہ سمجھ ہی نہیں سکی کہ جواب میں کیا کہے، اس نے اسے باہر نکالا اور وہ بچوں کے ساتھ ہی باہر نکل آئی، گیٹ کے باہر زمین پر چوکڑی مار کر بیٹھے وہ یہ سوچنے کی کوشش کرتی رہی کہ کوئی ایسا قصور، غلطی یا جرم جو اس سے سرزد ہوا ہو، مگر اس کی سمجھ میں نہیں آیا، رات گہری ہونے لگی اور بچے بھوک اور نیند سے بے حال ہو کر بلبلانے لگے، دریہ دوبارہ دروازہ کھٹکھٹا آئی مگر دروازہ نہیں کھلا اور آج تو نجانے اصغر چچا کہاں تھے، ورنہ شاید ہی کچھ مدد کر پاتے اس کی اندر جانے میں مگر وہ بھی آج نجانے کہاں تھے۔

''امی نیند آ رہی ہے، اندر چلو ناں۔'' ننھی انعم جیسے صورتحال کی سنگینی کا اندازہ نہیں تھا بار بار ایک ہی تکرار کر رہی تھی، دریہ پتھر آنکھوں سے ٹکر ٹکر بچوں کا چہرہ دیکھتی رہی، رات گہری ہو رہی تھی بچے گیٹ پر ہی سو گئے تھے جبھی اچانک وہاں ایک گاڑی آ کر رکی تھی، اندر سے راشد باہر آئے تھے، میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد انہیں احساس تھا کہ فائقہ ناراض بیٹھی ہو گی، وہ اس سے ملے بغیر جو چلے گئے تھے، ان کا دل بے چین ہونے لگا تھا، تبھی وہ گھر جانے کی بجائے فائقہ کو منانے آئے تھے حالانکہ وہ ذہنی طور پر بے تحاشا تھکاوٹ کا شکار ہو گئے تھے، مگر گاڑی سے باہر نکلتے ہی انہوں نے جب ان چاروں کو گیٹ کے باہر بیٹھے دیکھا تو وہ بھی ششدر رہ گئے تھے۔

''دریہ بھابھی کیا ہوا آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟'' راشد کی آواز میں حیرت تھی۔

''انہوں نے گھر سے نکال دیا۔'' کھوئے کھوئے لہجے میں اس نے راشد کو اجنبی نگاہوں سے دیکھا گویا پہچان کے مرحلے سے گزر رہی ہو۔

''مگر کیوں؟'' راشد کو ازحد اچنبھا ہوا۔

''آپ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانے کے جرم میں۔'' پھر سسکتے بلکتے وہ ساری بات انہیں بتا گئی تھی، راشد کو بے حد دکھ ہوا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ فائقہ ان کے بارے میں اس قدر سطحی سوچ کی حامل بھی ہو سکتی ہے کیا اسے ان کی محبت پر اعتبار نہیں تھا، کیا وہ رشتوں کے تقدس کو اہمیت نہیں دینے والے تھے جو وہ اس قدر ذہنی گراوٹ کا شکار ہو کر یہ سب سوچتی رہی تھی، ان کا دل چاہا، وہ ابھی جا کر فائقہ سے سوال کریں لیکن وہ اندر نہیں گئے ان کی نظر زمین پر سوئے ان معصوموں پر پڑی تو ان کا کلیجہ جیسے پھٹ سا گیا، کوئی اس قدر احساس سے عاری بھی ہو سکتا ہے، پہلے ان کا ارادہ اندر جا کر بات کرنے کا تھا مگر پھر بدل گیا، وہ خاموشی سے اٹھے صمد اور انعم کو باری باری اٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا اور خود دریہ بھابھی کے پاس آئے۔

''بھابھی! آئیں میرے ساتھ چلیں۔''

دریہ نے خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا۔

''کہاں؟'' بہت دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہو پائی تھی۔

''میرے گھر، یہاں تو نہیں رک سکتیں ناں

آپ۔'' راشد نے لب بھینچ کر جیسے انہیں ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔

''میں نہیں جاؤں گی آپ کے ساتھ۔'' وہ یکلخت خوفزدہ ہوئی۔

''تو پھر آئیں میں آپ کو اپنے کسی دوست کے گھر ٹھہرا دوں۔'' راشد کو بھی جیسے دریہ بھابھی کی مجبوری سمجھ میں آ گئی تھی اسی لئے زیادہ اصرار نہیں کیا، مگر دریہ نہیں اٹھی بلکہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''جائیں راشد بھائی، میری وجہ سے آپ کیوں کسی مشکل میں پڑتے ہیں، آپ کا اس گھر سے بہت اہم اور گہرا رشتہ ہے، اپنے رشتے کو میری وجہ سے کسی بدگمانی کی نظر مت کریں خدا کے لئے۔''

''میرے لئے ان بچوں کے سکھ اور سکون سے زیادہ اہم اس وقت کچھ بھی نہیں ہے بھابھی، آپ پلیز اٹھیں اور چلیں، رات بہت گہری ہو رہی ہے، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا بس تھوڑا انتظار کر لیں۔'' اس کے بعد دریہ بھی کچھ نہیں بولی جانے راشد کے لہجے میں ایسا کیا تھا کہ وہ مزید کوئی بات کر ہی نہیں سکی، راشد انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئے تھے۔

☆☆☆

دوسری صبح جب سکینہ چچی نے اصغر چچا کے سامنے ناشتہ لا کر رکھا تو انہیں دریہ کی کمی محسوس ہوئی۔

''آج دریہ کہاں ہے، بچے بھی نظر نہیں آ رہے؟''

''وہ چلی گئی ہے۔'' سکینہ چچی نے بات سمیٹ دی، ویسے بھی انہیں کیا وہ جہاں بھی جائے انہوں نے تو صبح اٹھ کر گیٹ سے باہر جھانک کر دیکھا تو وہ نہیں تھی۔

''کہاں چلی گئی ہے؟'' اصغر چچا نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''اب مجھے کیا پتہ کہاں گئی وہ، آپ ناشتہ تو کریں۔'' وہ بے زار ہوئیں اصغر چچا کو یکلخت احساس ہوا کہ اس کا بیٹا بیمار تھا اور وہ ان سے پیسے مانگنے آئی تھی مگر ان کی بیوی نے پہلے ہی ان کے کان بھر دیے تھے کہ ایویں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے واویلا کرنے کی عادت ہے۔

''شرجیل تو ٹھیک ہے ناں؟'' اصغر چچا کو بے چینی ہوئی وہ تو کل شام سے ہی اپنے دوست کے گھر چلے گئے تھے رات دیر تک شطرنج کی بازی جمی رہی اور وہ لیٹ ہو گئے تھے آتے ہی سو گئے کسی نے انہیں رات کو بتایا بھی نہیں تھا لہٰذا اب سکینہ چچی مکمل فارم میں انہیں بتانے ہی والی تھیں کہ راشد آ گئے۔

''شرجیل اب پہلے سے بہت بہتر ہے ماموں۔'' جواب سکینہ چچی کی بجائے راشد نے دیا تھا، اصغر چچا چونکے پھر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''ارے راشد میاں تم، اتنی صبح صبح، خیر تو ہے ناں؟'' وہ گھبرا سے گئے سکینہ چچی نے منہ بنایا آخر کو بیٹی کا دل دکھایا تھا راشد نے وہ کیوں دیکھتیں اس کی طرف، ہونہہ۔

''میں رات کو بھی آیا تھا مگر جب گیٹ پر دریہ بھابھی اور روتے سسکتے بچوں کو دیکھا تو اندر نہیں آ سکا۔''

''کیا مطلب، وہ گیٹ پر کیوں تھے، کک...... کیا ہو گیا بھلا۔'' اصغر چچا جانے کیوں ہکلا سے گئے۔

''فائقہ نے انہیں گھر سے نکال دیا تھا کیونکہ وہ شرجیل کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا اس لئے۔'' انہوں نے نہایت آرام سے بم پھوڑا۔

''شرجیل کی حالت بہت نازک تھی آپ سے دریہ بھابھی نے پیسے مانگے مگر آپ کے پاس بھی نہیں تھے اور فائقہ کے پاس بھی، میں اچانک ہی وہاں آیا تھا اور میں نے صرف اتنا کیا کہ اس روتی تڑپتی ماں کی مدد کر دی، لیکن سکینہ ممانی اور فائقہ نے اسے گھر سے دھکے دے کر نکال دیا کہ کہیں خدانخواستہ میں......'' ضبط سے ان کے جبڑے تن گئے تھے اصغر چچا نے حیرت سے سکینہ چچی کو دیکھا، تبھی فائقہ بھی باہر آئی تھی۔

''میرا خیال تھا آپ سب جانتے ہوں گے کہ میں ان بچوں کے ساتھ اتنی محبت اور ہمدردی سے کیوں پیش آتا ہوں، مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگ جان کر بھی انجان بنے رہے، بہرحال میں یہاں اس لئے آیا ہوں تا کہ آپ کو بتا سکوں کہ میں آفیشلی بچوں کی ذمہ داری اٹھانا چاہتا ہوں میں انہیں الگ گھر لے کر دے رہا ہوں اور ان کے تمام اخراجات میرے ذمے ہوا کریں گے۔'' انہوں نے فائقہ کی طرف دیکھ کر آہستہ آواز میں کہا تھا۔

''سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ ان تین بچوں کی ماں پر دل آ گیا ہے تمہارا۔'' فائقہ بد زبان ہوئی۔

''اچھی طرح سے جانتی ہوں تمہارے اس اچانک فیصلے کی وجہ، اسی دن کا ڈر تھا مجھے اور دیکھا وہی ہوا ناں۔'' وہ بپھرے ہوئے انداز میں راشد کے سر پر کھڑی تھی۔

''اپنی بکواس بند کرو فائقہ، تم بہت بڑی بات کر رہی ہو، وہ میرے لئے بہت قابل احترام ہیں۔'' راشد دبے دبے غصے سے چلایا۔

''ہاں وہ تو نظر آ ہی رہا ہے مجھے، تمہاری طرفداریاں تمہاری قربانیاں تمہاری محبتیں، سب دکھ رہا ہے مجھے، تم اس قابل ہی نہیں کہ میں تم سے شادی کر کے اپنی زندگی خراب کروں۔''

''کیا کہہ رہی ہو فائقہ، ہوش کرو، راشد سے تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔'' سکینہ چچی کو اچانک ہی کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا تو فوراً اسے ٹوک گئیں تھیں۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں میں امی جان، یہ جان بوجھ کر میری منہ پر اسے سہارا دینے کی بات کر رہے ہیں، تو پھر مکمل سہارا دیں ناں اسے، نکاح کر لیں اس سے، میں تو اب اس شرط کے ساتھ ان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی، کہ یہ ساری زندگی اس منحوس کا بوجھ اٹھائیں ہماری اپنی تو پھر کوئی زندگی نہ ہوئی ناں۔''

''شرم کرو اپنے باپ کے سامنے کھڑی ہو کر کیسی باتیں کر رہی ہو تم فائقہ۔'' چچی کو پہلی بار بیٹی کی زبان درازی بے حد کھلی تھی۔

''میری زندگی کا فیصلہ ہے اب میں بلاوجہ کی شرم و حیا میں سے چھوڑ تو نہیں سکتی، اچھا ہے ناں کہ یہ بھی میرے سامنے ہی ہیں، جو بھی ہو کم از کم ان کے سامنے تو ہو، تا کہ انہیں بھی پتہ چل سکے۔''

''میں بھی اسی لئے یہاں آیا ہوں، اس وقت تا کہ ماموں جان سے بات ہو سکے۔'' راشد نے گہری سانس لی، مگر اصغر چچا کیا کہتے انہیں تو کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا ان کی اپنی گھٹیا فطرت نے۔

''میں دریہ بھابھی اور بچوں کی کفالت کا ذمہ اپنے سر لینا چاہتا ہوں ماموں جان، مجھے ان یتیم بچوں کا احساس ہے کیونکہ میں خود بھی یتیم ہوں میں نے بھی اپنی ساری زندگی احساس محرومی میں روتے بلکتے اور سسکتے گزاری ہے اب آج جب میں اس قابل ہوں کہ کسی بچے کو اس دکھ اور محرومی سے اپنی سکون جس سے میں خود گزرا

ہوں اس میں حرج کیا ہے۔“
”حرج ہے راشد، حرج ہے، آپ کو میری خوشی اور خواہشات کا خیال کرنے کی بجائے ان بچوں کا زیادہ خیال ہے تو پھر ٹھیک ہے ناں جائیں اور انہیں مکمل سہارا دیں کیونکہ انہیں تو ایک باپ کی بھی ضرورت ہوگی ناں۔“ وہ تڑخی تھی مگر اصغر چچا نے ٹوک دیا۔
”فائقہ! راشد ٹھیک کہہ رہا ہے تمہیں تو اس فیصلے میں اس کا ساتھ دینا چاہیے یہ تو نیکی کا کام ہے۔“
”تو آپ نے یہ نیکی کا کام کیوں نہیں کیا بابا، اصولاً تو فرض تھا یہ آپ کا، راشد کی ذمہ داری تو نہیں در یہ بھابھی اور بچے، آپ کیوں نہیں کرتے ان کی کفالت۔“ وہ باپ کی طرف متوجہ ہوئی تو ان کی نگاہیں جھک گئیں مگر سکینہ چچی تڑخ گئیں۔
”ہاں تو تمہارا باپ کدھر سے کرے، ابھی تمہاری شادی کرنی ہے، لاکھوں کا قرض سر پہ چڑھا ہوا ہے راشد تو افورڈ کرسکتا ہے خیر سے سرکاری آفسر ہے، اتنی لمبی گاڑی اور بڑا بنگلہ ملا ہوا ہے نوکروں کی فوج الگ، تم تو ٹھاٹھ کروگی ہی، تمہیں کیا ٹینشن۔“
”مجھے کیوں کوئی ٹینشن ہوگی بھلا، میں اپنا فیصلہ سنا چکی ہوں اب اس میں ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔“ فائقہ اس غرور کے ساتھ کہ راشد اس کی بات کسی طور نہیں ٹال سکتے کروفر سے سوچتی اندر بڑھ گئی تھی، پھر اس کے بعد سب نے اسے بہتیرا سمجھایا تھا، مگر اس کی ناں ہاں میں نہیں بدلی تھی۔

☆☆☆

عید کا چاند نظر آگیا تھا، ویسے تو ان کے گھرانے میں کسی کو بھی روزہ رکھنے کی عادت نہیں

تھی مگر فائقہ کو راشد کی جانب سے آتی حسین و دلفریب اور بے حد قیمتی عیدی کا انتظار ضرور ہوتا تھا، چاند رات کو وہ ایک مرتبہ پھر آئے، مگر فائقہ کی بری قسمت کہ منانے پر بھی نہیں مانی، جس کے دماغ میں شک کا کیڑا ابلبلا رہا تھا۔

''دیکھو فائقہ تمہارے حقوق میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی، میں تو صرف ان بچوں کی خاطر تم سے یہ قربانی مانگ رہا ہوں، کیا تم میری خاطر یہ بھی نہیں کرسکتیں؟''

''ہاں نہیں کرسکتی، میرے لئے میری خوشی اور ضد زیادہ اہم ہے، آپ کے لئے کیوں نہیں ہے بتائیں ناں، آپ تو محبت کے دعویدار تھے، آپ چاہتے ہیں کہ میں دریہ کی جوٹھ کھانے آپ کے گھر آؤں؟'' اس نے ابرو اچکا کر براہ راست ان کی آنکھوں میں سوال کیا۔

''کیا کہہ رہی ہو فائقہ'' راشد سمجھ نہیں سکے۔

''اتنے عرصے سے وہ آپ کے گھر میں ہے آپ کو کیا لگتا ہے ایک جوان جہان خوبصورت بیوہ عورت اور کنوارے مرد کے درمیان شیطان نے اپنا کھیل نہیں کھیلا ہوگا؟ اور آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں اتنی گری پڑی ہوں کہ ساری زندگی اس کھیل اس چھپن چھپائی کا حصہ بنی رہوں گی؟ اور آپ.....'' مگر اس سے پہلے کہ وہ مزید گوہر افشانی کرتی راشد کے اٹھتے ہاتھ نے اس کے گال پر اپنا نقش ثبت کردیا تھا۔

''بس اب اور نہیں، اب تو تم نے میرے صبر کی حد ہی ختم کردی فائقہ، مجھے افسوس ہے کہ میرا انتخاب تم تھیں۔'' اتنا کہہ کر وہ تو چلے گئے مگر فائقہ کو ایک نیا درد دے گئے، جاتے جاتے وہ منگنی بھی ختم کر گئے اور پلٹ کر پھر کبھی واپس بھی نہیں آئے، فائقہ کی عید ویران ہوگئی اور اس کا دل جلتا اجڑا قبرستان بن گیا، ہاں اس نے یہ خبر ضرور سنی کہ عید کے دوسرے ہی دن راشد نے دریہ بھابھی سے سادگی سے نکاح کرلیا تھا اور بچوں کی ولدیت کے خانے میں اپنا نام لکھوا کر انہیں واقعی میں ہر قسم کے دکھ اور احساس محرومی سے بچالیا تھا، چند دن بعد فائقہ کو ایک خط ملا جو راشد کی طرف سے تھا جس پر لکھا تھا۔

''تمہارا بہت شکریہ فائقہ کہ تم نے میری آنکھیں کھول دیں، واقعی میں اگر اس روز تم وہ سب مجھے نہ کہتیں تو میں انجانے میں ایک انتہائی باکردار اور شریف عورت پر بدنامی کا سبب بن جاتا اور ایسا میں قطعاً نہیں برداشت کرسکتا کہ میری نیت اور کردار پر شک کیا جائے اسی لئے میں نے دریہ سے نکاح کرلیا تاکہ کبھی کوئی ان پر انگلی نہ اٹھا سکے، میرے دل میں تم آج بھی بستی ہو کبھی بھی پکارنا چاہو تو میں حاضر ہوں ویسے تو تم اتنی گری پڑی ہرگز نہیں کہ مجھ جیسے آدمی سے شادی کرو، بہرحال ہمیشہ خوش رہو اور مجھے تم ہمیشہ اپنا احسان مند پاؤ گی اس کے لئے تم نے میری آنکھیں کھول دیں، خدا حافظ۔''

فائقہ خط ہاتھ میں پکڑے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، مگر پھر پرسکون ہوگئی جو کچھ اس نے دریہ یا اس کے بچوں کے ساتھ کیا تھا وہ ہی ڈیزرو کرتی تھی اور خود آگہی اور خود اذیتی بھی کبھی کبھار بہت اچھی نعمت بن جاتی ہے اپنے گناہوں کا ادراک اور ذات کے احتساب کے لئے، انسان کو سنبھلنے اور مزید گناہوں سے بچنے کا موقع مل جاتا ہے۔

☆☆☆

سباس گل

''قربانی کا کیا کرنا ہے بھیا؟'' جمیل نے عقیل سے پوچھا باقی سب گھر والے ناشتہ کرنے میں مگن تھے وہ بھی ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''مل کر کریں گے اور کیا کرنا ہے؟'' عقیل نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''بکرا میرے نام کا ہوگا۔'' جمیل بولا۔

''تمہارے نام کا مطلب؟'' عقیل نے حیرانگی سے جمیل کو دیکھا۔

''یعنی بکرے کا نام جمیل ہونا چاہیے۔'' دانیال نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا تو سب کو ہنسی آگئی۔

''جی نہیں میرے کہنے کا مطلب ہے کہ قربانی میں میرا حصہ ہوگا میرے نام سے ہوگی۔'' جمیل نے اپنی بات کی وضاحت کی تو عقیل تپ کر بولا۔

''کیوں بھئی کیوں؟ جب ہم مل کر قربانی کریں گے تو تمہارے نام سے کیوں ہوگی قربانی؟''

''ٹھیک ہے پھر میں اکیلا قربانی کروں گا۔'' جمیل نے اکڑ کر کہا تو عقیل بھی تیز لہجے میں بولا۔

''جی نہیں، قربانی میں کروں گا۔''

''اس میں...... میں'' سے بہتر ہے کہ تم دونوں ہی قربانی نہ کرو۔'' خلیل احمد (دادا جان) نے ان کی باتیں سن کر غصے میں آتے ہوئے کہا تو جمیل کی بیوی یاسمین بولی۔

''تو کیا ہم عید کے دن بھی دال، سبزی کھائیں گے؟''

''دال، سبزی کیوں بھئی؟ اپنے مرغ بیٹر زندہ باد وہ حلال کرلیں گے۔'' خلیل احمد نے مسکراتے ہوئے یاسمین کو دیکھ کر کہا تو بڑی بہو کہنے لگی۔

''مرغ، بٹیر سے قربانی کا فرض تو ادا نہیں ہوگا نا ابا جی!''

''عید تو اچھی ہو جائے گی نا تم سب کی؟ گوشت تو کھانے کو مل جائے گا نا چٹ پٹی، مصالحے دار عید ہو جائے گی سب کی مرغ بٹیر کے روسٹ، کڑاہی گوشت پلاؤ، وغیرہ بنا لینا۔'' خلیل احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے ابا جی! لیکن جب ہم قربانی کرنا افورڈ کر سکتے ہیں تو کیوں نہ کریں قربانی؟''

''میں نے تو کہا ہے جمیل سے کہ ہم دونوں مل کر پیسے ڈال کر بکرا خرید لیتے ہیں۔'' عقیل نے کہا تو جمیل نے پھر اپنی بات دہرائی۔

''میں اپنی طرف سے قربانی دوں گا حصہ میرے نام کا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے پھر قربانی کا جانور بھی اپنے پیسوں سے ہی خریدنا میں ایک پیسہ نہیں دوں گا تمہیں۔''

''ہاں ہاں مت دینا۔'' جمیل نے ہاتھ یوں لہرایا جیسے مکھی اڑا رہا ہو خلیل احمد کو غصہ آرہا تھا آخر بول ہی پڑے۔

''یہ کیا تم دونوں نے بکرے کی طرح میں میں شروع کر دی ہے؟''

''ابا جی! آپ کے چھوٹے بیٹے نے ہی تو تو میں میں شروع کی ہے اس نے اپنی حیثیت کے مطابق قربانی الگ سے کرنی ہے تو شوق سے کرے میں بھی اپنے بکرے کی ایک بوٹی بھی نہیں دوں گا اسے۔'' عقیل نے غصیلے تیز اور خار کھائے لہجے میں کہا تو جمیل بے پرواہی سے بولا۔

''ہاں تو مت دینا، جیسے میں نے تو کبھی بکرے کی بوٹی کھائی ہی نہیں ہے نا بھی۔''

''اب میں نے ایسا تو نہیں کہا، کھایا ہوگا تم

نے بکرے کا گوشت کسی دوست یا رشتے دار کے بچے کے عقیقے، ولیمے میں۔'' عقیل نے طنزیہ انداز میں کہا تو سب تاسف سے انہیں دیکھنے لگے۔

''قربانی کا گوشت بھی ہزار بار کھایا ہے میں نے۔''

''ہاں حصہ ڈالی قربانی یا کسی محلے دار، رشتے دار کے گھر سے آئی دو چار بوٹیاں چکھ لی ہوں گی، گوشت کا اصل مزا تو اپنے گھر کی گئی قربانی کے جانور سے ملتا ہے وہ میں تمہیں اس بار لے کر دکھاؤں گا۔'' عقیل طنزیہ لہجے میں بات کرتے ہوئے اترانے والے انداز میں بولا۔

''دیکھ لیں گے بھیا! تم کون سا اونٹ خرید کے لاؤ گے؟''

''اونٹ کا گوشت مجھے پسند نہیں ہے میں تو اعلیٰ نسل کا بکرا خریدوں گا اور پھر مزیدار کلیجی گردے، تکے، کباب اور چانپیں بنوا کے کھاؤں گا۔'' عقیل نے اسے جلانے والے انداز میں کہا۔

''شیخ چلی کے خواب بلکہ بلے کو چھیچھڑوں کے خواب۔'' جمیل ہنسا تو عقیل اسی انداز میں بولا۔

''چھیچھڑوں کے نہیں تکوں اور چانپوں کے خواب جو عید قربان پہ حقیقت بننے والے ہیں انشاءاللہ تعالیٰ۔''

''تایا ابو! آپ قربانی تکے، کباب اور چانپیں کھانے کے لئے کریں گے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پہ عمل نہیں کریں گے؟'' جمیل کی بارہ سالہ بیٹی فروا نے معصومیت سے عقیل سے سوال کیا تو وہ کھسیانا سا ہو سر کھجانے لگا۔

''نہیں فروا بیٹی، ہم سارا گوشت خود تھوڑی کھائیں گے ہم تو صرف اپنا حصہ گھر رکھیں گے باقی تقسیم کر دیں گے۔'' عقیل کی بیوی لبنیٰ نے نرمی سے اسے جواب دیا۔

''اچھا۔'' فروا نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔

''میں اکیلا ہی خریدوں نا اب بکرا؟'' عقیل نے جمیل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، جمیل نے رکھائی سے جواب دیا۔

''خرید لو بھیا! میں بھی قربانی کا جانور الگ سے خرید لوں گا۔''

''تم دونوں کی بک بک ختم ہوگئی ہے یا ابھی کچھ باقی ہے؟'' خلیل احمد نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی ابا جی! تو یہی میں کر رہا ہے کب سے۔'' عقیل نے بہت معصوم بنتے ہوئے جمیل کے سر مدعا ڈالا۔

''یہ کیا تم دونوں اتنی دیر سے بکروں کی طرح میں میں کیے جا رہے ہو کیا گھاس لا کر ڈالوں تمہارے آگے۔''

''نہیں ابا جی!'' جمیل منمنایا۔

''نہیں ابا جی کے بچے اپنی میں ختم کرو گے تو تو کے لئے سوچو گے نا، اپنا آپ آگے رکھو گے تو دوسروں کا بھلا کیسے کرو گے؟ اپنی میں میں کو مار دو ورنہ یہ تمہیں تباہ کر دے گی، دنیاوی رشتوں میں بھی اور آخروی معاملات میں بھی، سنت ابراہیمی علیہ السلام پر عمل صرف اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے جب تم اپنی چاہ اپنا پیارا، اپنی میں، قربان کرنے کا حوصلہ اور ظرف رکھتے ہو گے، تم سے اپنی ایک خواہش نہیں چھوڑی جاتی، ایک میں نہیں ماری جاتی قربانی کیا خاک دو گے تم دونوں؟ اللہ کو تمہاری نیت کی صداقت چاہیے

گوشت یا پیسہ نہیں چاہیے، نیت نیک اور دل بغض ہوس سے پاک رکھو گے تب ہی قربانی کا اجر و ثواب پاؤ گے، ورنہ جانور ذبح کروا کے گوشت کھا لینا زبان کا مزا تو مل جائے گا تمہیں لیکن اللہ کا انعام نہیں ملے گا قربانی قبول نہیں ہوگی سمجھے۔"

"جی ابا جی!" جمیل، عقیل یک زبان ہو کر بولے۔

سب خاموشی سے خلیل احمد کی باتیں سن رہے تھے اور جمیل، عقیل کی باتوں اور حرکتوں پر تاسف سے انہیں دیکھ رہے تھے جواب شرمندہ سے دکھائی دے رہے تھے۔

"اب فوراً سے پہلے وہ پیسے مجھے لا کر دو جو تم دونوں نے قربانی کا جانور خریدنے کے لئے جمع کیے ہیں۔" خلیل احمد نے انہیں دیکھتے ہوئے حاکمانہ لہجے میں کہا۔

"لیکن ابا جی! میں۔" جمیل بولا۔

"پھر میں میں کی تم نے۔" خلیل احمد نے اسے گھورا۔

"میرا مطلب تھا کہ میں بیس ہزار کا دنبہ یا بکرا اکیلا ہی خرید سکتا ہوں۔" جمیل نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"اور میں اکیلا ہی تجھے دنبہ بنا سکتا ہوں، آئی بات سمجھ میں؟" خلیل احمد نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو بچے ہنسنے لگے۔

"جب میں نے کہہ دیا ہے کے قربانی ہم مل کر کریں گے تو یہ اکیلا، اکیلا کا مروڑ کیوں اٹھ رہا ہے تمہارے پیٹ میں؟ تیرے پیسے، میرے پیسے، میرا نام، میرا، میں میں کا راگ الاپ رہے ہو دونوں، دکھاوے اور برتری حاصل کرنے کے احساس اور مقصد کے ساتھ قربانی قبول نہیں ہوا کرتی نا سمجھو، مل کر ایک اچھا سا صحت مند جانور خرید لیا جائے اور سنت ابراہیمی علیہ السلام پر عمل کیا جائے۔" خلیل احمد نے سنجیدگی سے کہا تو عقیل بولا۔

"وہی تو میں نے کہا تھا۔"

"پہلے اپنی میں کا گلا کاٹ دو پھر کرنا قربانی۔" خلیل احمد نے ڈپٹا تو جمیل نے اندر سے بیس ہزار روپے لا کر خلیل احمد کی طرف بڑھا دیئے۔

"ابا جی! یہ بیس ہزار روپے میری طرف سے ہیں۔"

"یہ تیس ہزار ہیں ابا جی۔" عقیل نے بھی اپنی جیب میں سے ہزار ہزار کے نوٹوں کی گڈی نکال کر ان کو دیتے ہوئے کہا۔

"دادا جان! اب تو پچاس ہزار جمع ہو گئے، پچاس ہزار میں اچھی سی گائے خرید لیتے ہیں قربانی کے لئے۔" جمیل کا تیرہ سالہ بیٹا راحیل بولا تو دانیال نے فوراً کہا۔

"جی دادا جان! اس طرح سات حصے ہوں گے سب کے نام کا حصہ آ جائے گا کسی کو بھی شکایت نہیں ہوگی۔"

"بڑی پتے کی بات کی ہے دانیال نے شاباش بیٹے اسی طرح سمجھداری سے زندگی کے معاملات حل کرنا ہمیشہ۔" خلیل احمد نے پوتے کو شاباش دیتے ہوئے اس کی پیٹھ تھپکی۔

"انشاء اللہ۔" لبنیٰ (بڑی بہو دانیال کی ماں) بولی۔

"بس تو پھر طے ہو گیا کہ عیدالاضحیٰ پر قربانی کے لئے بڑا جانور خریدا جائے گا اور اچھی طرح سے دیکھ بھال کر خریدنا بوڑھا جانور مت خرید لینا جوان جانور ہو، صحت مند ہو جس کی قربانی جائز ہو سمجھے۔"

"جی ابا جی!" عقیل نے سر ہلایا۔

"یہ دس ہزار میری طرف سے بھی رکھ لو اگر

کوئی کمی بیشی ہو جائے تو یہ پیسے بھی شامل کر لینا ورنہ سنبھال کے رکھنا یہ پیسے قصائی کو دینے اور جانور کے چارے پر خرچ ہو جائیں گے۔" خلیل احمد نے اپنی جیب میں سے دس ہزار روپے نکال کر ان دونوں کے دیئے ہوئے پیسوں میں شامل کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ابا جی!" جمیل نے سعادت مندی سے کہا۔

"ابا جی! اگر گائے اچھی نہ ملی تو دو بکرے خرید لائیں؟" عقیل نے مشورہ مانگا۔

"بکروں کو تو ہم باہر سیر کرانے بھی لے جا سکتے ہیں ناں؟" راحیل نے پرجوش انداز میں کہا تو سب مسکرانے لگے۔

"ہاں بھئی بچوں کو تو بکروں کے ساتھ ہی مزا آتا ہے گائے کو تو سیر کراتے ہوئے یہ ڈریں گے بھی اور جانور کا کیا بھروسہ رسی چھڑا کے بھاگ گیا تو ہم کیسے پکڑیں گے؟"

"ٹھیک ہے ابا جی! جو بھی مناسب ریٹ پر مل گیا خرید لائیں گے صرف دو دن تو رہ گئے ہیں عید میں گائے بھی آ گئی تو دیکھ بھال کر لیں گے سب مل کر۔" عقیل نے رقم سمیٹ کر اپنی واسکٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے کہا تو خلیل احمد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں ٹھیک ہے اب چلیں۔" جمیل نے کہا۔

"چلو۔"

"اور چلنے سے پہلے میری بات کان کھول کر سن لو خبردار جو راستے میں یا مویشی منڈی میں تو تو میں میں شروع کی ہو تم دونوں نے۔" خلیل احمد نے رعب دار لہجے میں ان دونوں کو خبردار کیا تھا۔

"میں کہاں جھگڑا شروع کرتا ہوں ابا جی؟ یہی کرتا ہے تو تو میں میں۔" عقیل نے جمیل پر الزام دھرا۔

"ہاں بھیا! میں ہی جھگڑالو ہوں تم تو بہت سیدھے، بھولے اور امن پسند صلح جو ہو نا۔" جمیل نے طنزیہ لہجے میں کہا تو ان دونوں کی بیویوں نے بے بسی اور تاسف سے اپنے سر پیٹ لئے۔

"تم دونوں پھر سے جھگڑنے لگے شرم کرو، چلو بھر پانی میں ڈوب مرو، سگے بھائی ہو کر بات بے بات لڑتے جھگڑتے ہو اپنی اولاد کو بھی بدتمیزی، ناانصافی، خود غرضی اور میں میں کا سبق سکھا رہے ہو، بڑے ہی افسوس کی بات ہے ایسی تربیت تو نہیں کی تھی تمہاری میں نے اور تمہاری بہشتی ماں نے۔" خلیل احمد نے غصیلے لہجے میں انہیں لتاڑتے ہوئے تاسف کا اظہار کیا تو وہ دونوں شرمندہ ہو گئے۔

"معاف کر دیں ابا جی! آئندہ ایسا نہیں ہو گا میں نہیں جھگڑوں گا۔" جمیل نے شرمندگی سے کہا۔

"میں بھی نہیں جھگڑوں گا نہ بحث کروں گا۔"

"دانی بیٹا! تم جاؤ ان دونوں کے ساتھ راستے میں اگر یہ تو تو میں میں کریں تو فوراً مجھے فون کر دینا میں وہیں آ کر ان کے کان کھینچوں گا۔" خلیل احمد نے ان دونوں کی معذرت پہ بھروسہ نہ کرتے ہوئے چودہ سالہ پوتے دانیال کو ساتھ جانے کے لئے کہا تو وہ خوش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے دادا جان! میں بھی بکرا منڈی دیکھوں گا بڑا مزا آئے گا وہاں تو بہت سارے جانور ہوں گے۔"

"اب جاؤ تم لوگ رش ہو جائے گا منڈی میں پھر خالی ہاتھ آؤ گے۔" خلیل احمد نے پوتے کی بات سن کر بیٹوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ

دونوں سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''جی ابا جی!'' کہہ کر گھر سے باہر نکل گئے، دانیال بھی ان کے ہمراہ تھا۔

عید قرباں کے لئے لگائی گئی مویشی منڈی میں بہت رش تھا جو دور سے ہی انہیں دکھائی دے رہا تھا، جمیل اور عقیل دانیال کا ہاتھ پکڑے منڈی کے باہر ہی رک گئے تھے جہاں ہر رنگ کے، ہر بولی کے لوگ موجود تھے، مانگنے والے بھی پھر رہے تھے اور ٹھیلے والے بھی وہیں گھسے ہوئے تھے یہ سوچ کر کے قربانی کے جانور خریدنے والے صاحب حیثیت لوگ چار پیسے ان کی جھولی میں بھی ڈال دیں گے، ان میں اکثریت تو پیشہ ور بھکاریوں کی تھی جن میں سے دو چار کو تو جمیل نے پہچان بھی لیا تھا، کچھ سچ مچ کے مفلس اور فاقہ زدہ دکھائی دے رہے تھے، چلتے چلتے جمیل اور دانیال نے دیکھا ایک ادھیڑ عمر کی صورت میلے کچیلے کپڑوں میں اپنے دو بچوں کے ساتھ کچرے کے ڈھیر کے پاس بیٹھی بے بسی سے رو رہی تھی، بچے دونوں لڑکے تھے عمریں آٹھ سال سے کم تھیں، دانیال افسردہ ہو گیا ان بچوں کو کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں سے کھانے کا سامان ڈھونڈتے دیکھ کر، بچوں کے مٹیالے رنگ والے چہروں پر آنسوؤں کی لکیریں جمی ہوئی تھیں جنہیں دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ بچے بھوک کی وجہ سے روتے بلکتے رہے ہوں گے ان کے بدن پر پھٹے پرانے، میلے کپڑے ان غربت کی حقیقی تصویر پیش کر رہے تھے، ان بچوں کی ماں آتے جاتے راہگیروں سے اپنے بچوں کے لئے روٹی کی بھیک مانگ رہی تھی، جمیل کا دل بہت برا ہو رہا تھا یہ منظر دیکھ کر اور اس سے زیادہ دکھ کا احساس اس بات پر ہو رہا تھا کہ کسی نے بھی اس غریب بھکارن کی جھولی میں ایک روپیہ، ایک سکہ تک نہیں ڈالا تھا اور وہ شاید کوئی مجبور، مستحق عورت تھی جو اس طرح ہاتھ پھیلانے پر بھی رد کیے جانے، اپنے سوال پہ کچھ نہ پانے پر دکھ اور بے بسی سے رو رہی تھی۔

''اے بھائی! کچھ دیتا جا میرے بچے بھوکے ہیں، میں...... بھکاری نہیں...... ہوں میں تو...... حالات کی ماری ہوں...... اللہ آپ کو بہت دے بھائی! میرے بچوں کو روٹی کے پیسے دے دو۔''

اس عورت کی آنسوؤں بھری آواز نے دانیال اور جمیل دونوں کو تڑپا کے رکھ دیا، خلیل کو کوئی جاننے والا مل گیا تھا وہ اس کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

''ہائے چاچو! ہم اس بات پر لڑ رہے ہیں کے قربانی میرے نام کی ہو گی اور یہ ہیں جن کو روٹی بھی میسر نہیں ہے کھانے کو کوڑے کچرے میں رزق تلاش کر رہے ہیں اور اللہ کی راہ میں قربانی کرنے کے لئے جانور خریدنے والوں کے پاس اس غریب عورت اور اس کے بچوں کے لئے چند روپے بھی نہیں ہیں، چاچو ان کے نام کا رزق کہاں ہے؟ ان کے حصے کی روٹی کون کھا رہا ہے؟ یہ بھیک کیوں مانگ رہے ہیں چاچو؟'' دانیال کی باتوں نے جمیل کو مزید جھنجھوڑ کے رکھ دیا اور وہ تیزی سے عقیل کے پاس گیا اور بولا۔

''عقیل بھیا! میرے بیس ہزار روپے مجھے واپس کر دیں۔''

''کیا؟ کیا کہا؟'' عقیل کو جیسے جھٹکا لگا تھا۔

''میں نے کہا مجھے میرے بیس ہزار روپے واپس دے دو۔''

''کر دی نا میں میں شروع۔'' عقیل تپ کر بولا۔

''دانی! ابھی ابا جی کو فون لگا اور بتا انہیں

کے تیرے چاچا کی نیت میں فتور آ گیا ہے اپنے پیسے واپس مانگ رہا ہے۔''

''ابا جی کو میں خود بتا دوں گا مجھے قربانی میں حصہ نہیں ڈالنا تم میرے پیسے واپس کر دو ابھی اور تمہارے اور ابا جی کے پیسے کافی ہیں ایک اچھا سا بکرا خرید لو ان پیسوں سے۔'' جمیل نے عقیل کے غصے کی پرواہ کیے بغیر کہا، دانیال حیرت سے اپنے چاچا کا بدلتا رویہ دیکھ رہا تھا اور وجہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''لو رکھو اپنے پیسے اپنے پاس آئے بڑے لاٹ صاحب! تم کیا سمجھتے ہو تمہارے بیس ہزار کی وجہ سے یہ قربانی ہو گی، تم پیسے نہیں دو گے تو کیا ہم قربانی کے لیے جانور نہیں خرید سکیں گے؟ بھول ہے تمہاری میں تمہیں تیس ہزار کیا پچیس ہزار میں صحت مند بکرا خرید کے دکھاؤں گا اور میں ہی کروں گا عید پہ قربانی، تمہارا تو دل ہی نہیں ہے اتنے پیسے خرچ کر کے قربانی کرنے کا۔''

''ہاں بھیا! قربانی کرنے کے لیے تو دل چاہیے اور آپ کا دل بہت بڑا ہے آپ قربانی کا جانور خریدیں جا کر میں ایک ضروری کام کر کے آپ کو گھر پہ ملتا ہوں۔'' جمیل نے سنجیدگی سے جواب دیا تو دانیال نے فوراً عقیل سے اجازت چاہی۔

''ابو! میں بھی چاچو کے ساتھ جاؤں؟''

''ہاں ٹھیک ہے جاؤ تم بھی اور بتاؤ گھر جا کے اپنے دادا جان کو اپنے چاچو کے کارنامے۔''

''جی ابو۔'' دانیال نے سر ہلا دیا، دراصل وہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ جمیل چاچو بیس ہزار روپے اچانک سے واپس لے کر کہاں جا رہے ہیں؟ کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟

''چلو بیٹا۔'' جمیل نے دانیال کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ گیا اور عقیل بھناتا ہوا سر جھٹکتا ہوا مویشی منڈی کے اندر داخل ہو گیا۔

☆☆☆

''چاچو! پتا نہیں ان بے چاروں نے کتنے دن سے کھانا نہیں کھایا؟ دیکھیں تو کیسے کھا رہے ہیں؟''

جمیل اس غریب بھکاری عورت اور اس کے بچوں کو ایک ڈھابے پہ لے آیا تھا اور انہیں کھانا کھلا رہا تھا، خود وہ دانیال کے ساتھ دوسری سائیڈ پر ایک بینچ پر بیٹھ گیا تھا، اس کا دل بہت دکھی ہو رہا تھا، ان تینوں کو روٹی کے لیے مانگتے دیکھ کر اس نے اسی لیے عقیل سے اپنے بیس ہزار واپس لیے تھے تاکہ ان ماں بیٹوں کی مدد کر سکے اور ان کو بھی عید کی خوشیوں میں شامل کر سکتے۔

''بھائی! اللہ سائیں آپ کو بہت دے، آپ کے رزق میں کمی نہ آنے دے آپ کے بچوں کو حیاتی دے، نیک بنائے، آپ نے ہم بھوکوں کو کھانا کھلایا ہے اللہ سائیں آپ کو کبھی بھوکا نہ رکھے، میں منگتی نہیں ہوں بھائی، بھکارن نیں ہوں، حالات کی ماری ہوں، خاوند ایک بم دھماکے میں مارا گیا، گھر میں اور کوئی مرد نہیں ہے کمانے والا، میں سلائی کر کے گزارا کر لیتی پر مشین بھی بچے کی بیماری پہ علاج کی وجہ سے بیچنی پڑ گئی، میں کام چور نہیں ہوں بھائی، پر قسمت نے اس حال کو پہنچا دیا کے سڑک پہ ہاتھ پھیلانے پہ مجبور ہو گئی۔'' وہ عورت کھانا کھانے کے بعد روتے ہوئے جمیل کو اپنی بپتا سنا رہی تھی، دانیال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''میں سمجھ گیا تھا بی بی! جبھی تو تمہاری مدد کی ہے آؤ میرے ساتھ، تم تینوں کو کچھ شاپنگ کروا دوں۔'' جمیل نے سنجیدہ لہجے میں کہا، بیرے سے ان کے لیے ایک وقت کا کھانا پیک کروا کے انہیں تھما دیا، کھانے کا بل ادا کیا اور وہاں سے ان

تینوں کو لے کر سستے بازار میں آ گیا جہاں بچوں بڑوں کے سلے سلائے ملبوسات مناسب قیمتوں پر دستیاب تھے، جمیل نے اس عورت کو اور اس کے بچوں کو دو دو سوٹ خرید دیئے، وہ عورت اور اس کے بیٹے فرط مسرت و حیرت سے مسکرا رہے تھے بچے تو بہت زیادہ خوش دکھائی دے رہے تھے نئے کپڑے پا کر، جمیل نے ان کے ننگے پاؤں کے لئے دو دو جوڑے جوتوں کے بھی خرید کر دیئے تھے، دانیال اپنے چاچو کا یہ نیا روپ دیکھ دیکھ فخر اور خوشی محسوس کر رہا تھا اور سب سے زیادہ خوشی اسے ان تینوں ماں بیٹوں کے چہروں پر اتر آنے والی خوشی کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔

جمیل نے پرچون کی دکان سے کچھ راشن خریدا، جس میں آٹا، چینی، دالیں، نمک مرچ، گھی، چاول، چائے کی پتی، خشک دودھ کا ڈبہ، سویاں شامل تھیں اور ایک پیک ماچس کا بھی تھا اور سب سے اہم چیز جو اس نے اس عورت اور اس کے بچوں کے مستقل روزگار کا بندوبست کرنے کے لئے خریدی وہ تھی سلائی مشین جو سات ہزار میں بہت اچھی مل گئی تھی، جمیل نے یہ سارا سامان ایک ٹیکسی میں رکھوایا اور اس عورت اور بچوں کو ان کے دو مرلے کے گھر تک چھوڑنے گیا، اس عورت کے تو آنسو ہی تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے وہ بار بار جمیل کو اس کی بیوی بچوں کو خاندان بھر کو دعائیں دے رہی تھی۔

''اللہ آپ کو اس نیکی کا اجر دے گا بھائی! اللہ آپ کو ہر نعمت اور دولت دے بھائی! اللہ سدا سکھی رکھے آپ کو۔'' وہ عورت روتے ہوئے دعائیں دے رہی تھی۔

''یہ کچھ پیسے ہیں یہ رکھ لو اور سلائی کا کام شروع کرو اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالو اللہ تمہارے کام میں برکت دے تمہاری اولاد کو صحت مند اور نیک بنائے چلتا ہوں۔'' جمیل نے ان بیس ہزار میں سے شاپنگ کے بعد بچنے والے تین ہزار دو سو روپے بھی اس عورت کو دے دیئے دعاؤں سمیت اور دانیال کو لے کر وہاں سے چلا آیا، جمیل کا دل آج بہت خوش اور پرسکون تھا اسے یہ نیک کام کر کے بہت اطمینان محسوس کر رہا تھا، ان بچوں کے مرجھائے چہرے جو کھانا کھا کر نئے کپڑے جوتے پا کر پھولوں کی طرح کھل اٹھے تھے وہ جمیل کو بھی مسکرانے پر مجبور کر رہے تھے، دانیال نے گھر آ کر سب کو جمیل کے اس کارنامے کی تفصیلی رپورٹ دی تو سب کو خوشگوار حیرت ہوئی، خلیل احمد تو بہت زیادہ مسرور تھے۔

''یہ ہوتی ہے قربانی، اسے کہتے ہیں حقیقی عید۔''

''بالکل صحیح کہا آپ نے ابا جی۔'' یاسمین خوش ہو کر بولی۔

''جمیل میاں نے تو سچ پھول کھلا دیئے ان غریب اور فاقہ زدہ چہروں پر اب دیکھتے ہیں عقیل میاں کیا گل کھلا کر آتے ہیں؟'' خلیل احمد نے جمیل کی کمر تھپکتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا تو دانیال کہنے لگا۔

''وہ تو ایک بکرا ہی لے کر آئیں گے کیونکہ منڈی میں بکرے بھی پچیس تیس ہزار سے کم کے نہیں بک رہے تھے۔''

''ہاں بیٹا! دن بدن بڑھتی مہنگائی نے قربانی کے جانور انسان کی قوت خرید سے باہر کر دیئے ہیں ہم بہت خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قربانی کرنے کی استطاعت بخشی ہے۔''

''بہت دیر لگا دی انہوں نے۔'' لبنیٰ نے خلیل احمد کی بات سن کر فکر مندی سے کہا تو اسی لمحے عقیل احمد کی آواز ان کی سماعتوں میں اتری۔

''اچھا اور صحت مند بکرا خریدنے میں دیر تو

لگتی ہی ہے۔''

''بکرا آ گیا، بکرا آ گیا۔'' تینوں بچے دروازے سے اندر داخل ہوتے سفید اور سیاہ رنگ کے بکرے کو دیکھ کر خوشی سے شور مچاتے اس کی طرف لپکے۔

''بکرا تو واقعی خوبصورت اور صحت مند ہے۔'' خلیل احمد نے اٹھ کر بکرے کی پشت اور سر ہاتھ پھیرتے ہوئے سراہا تو عقیل خوشی سے مسکرانے لگا۔

''بکرا تو سچ میں اچھا خرید کے لائے ہو بھیا!'' جمیل نے بھی آگے آ کر بکرے کو دیکھتے ہوئے ایمانداری سے کہا تو عقیل نے اترا کر بڑے کروفر سے کہا۔

''اور تم لوٹ کے بدھو گھر کو آئے ہو۔''

''ایسے تو نہ کہیں میرے دیور جی کو یہ تو بہت نیکی کما کے آئے ہیں۔'' لبنیٰ نے فوراً عقیل کو ٹوک کر کہا، سب مسکرا رہے تھے۔

''قربانی کے پیسے بچا کر لائے ہیں اسے تم نیکی کہتی ہو۔''

''بیٹا! پوری بات سنے بغیر رائے دینا بیوقوفی کہلاتا ہے، جمیل نے قربانی دے دی اور مجھے یقین ہے کہ میرے سوہنے رب نے اس کی قربانی ضرور قبول کی ہوگی۔'' خلیل احمد نے عقیل کو دیکھتے ہوئے کہا اور جمیل کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا، عقیل ابا جی کے اس لاڈ پیار پر حیران نظروں سے ان کو دیکھتا تو کبھی جمیل اور سب گھر والوں کو۔

''ایسا کیا کارنامہ انجام دیا ہے جمیل نے کے سب اس پہ واری صدقے جارہے ہیں؟ اس نے قربانی کے ان بیس ہزار روپے سے تین بھوکوں کو پیٹ بھر کے کھانا کھلایا ہے انہیں پہننے کو تن ڈھانپنے کو لباس دلوایا ہے اور گھر میں راشن ڈلوایا ہے، سلائی مشین خرید کر دی ہے تا کہ وہ غریب، بیوہ عورت اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کا بندوبست کر سکے عزت کی روٹی کما سکے۔'' خلیل احمد نے مسکراتے ہوئے پوری بات بتائی تو عقیل حیرت زدہ رہ گیا، دانیال بھی فوراً ہی کہنے لگا۔

''جی ابو! چاچو نے تو آج میرا دل ہی جیت لیا پتا ہے ہم منڈی سے کہاں گئے تھے؟'' دانیال نے پوری روداد حرف بہ حرف کہہ سنائی، جمیل نے ہنستے ہوئے دانیال کے بالوں میں ہاتھ پھیرا، عقیل اپنے بھائی کے بارے میں اپنی سوچ پر شرمندہ اور جمیل کے اس نیک عمل پر دل سے اس کا گرویدہ ہو گیا تھا۔

''دل تو تمہارے چاچو نے میرا بھی جیت لیا ہے بیٹا! اب اس نیک کام کا انعام میں تمہارے چاچو کو دینے لگا ہوں۔'' عقیل نے دانیال اور جمیل کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا تو دانیال نے فوراً پوچھا۔

''وہ کیا ابو؟''

''وہ یہ کہ یہ بکرا تمہارے چاچو کی طرف سے قربان ہوگا ان کے نام سے۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' خلیل احمد نے اسے دیکھا، نگاہوں میں حیرت اور بے یقینی سی تھی۔

''آپ کو میری نیت پر شک کیوں ہے ابا جی! اگر آپ کا چھوٹا بیٹا نیکی کر سکتا ہے تو بڑا بیٹا بھی کوئی گیا گزرا نہیں ہے، دل آپ کے اس بیٹے کے پاس بھی ہے احساس آپ کا یہ بیٹا بھی کرنا جانتا ہے، قربانی دینے کا ظرف اور حوصلہ آپ کے عقیل احمد میں بھی موجود ہے ابا جی۔'' عقیل احمد نے بڑے جوشیلے اور جذباتی انداز میں کہا تو خلیل احمد نے بڑھ کر اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

''شاباش بیٹا! آج تم دونوں نے میرا سر فخر سے اونچا کر دیا ہے، تم دونوں نے اپنی میں میں کو اپنی خواہش کو ترک کر دیا اور ایک نے انسانیت کا درد محسوس کیا تو دوسرے بھائی نے بھائی کی خواہش کا مان رکھا یہی اصل جذبہ ایثار ہے، اسی کو اصل قربانی کہتے ہیں، یہ عیدالاضحیٰ ہماری زندگی کی سب سے بہترین عید ہوگی، کیونکہ ہم نے اس عید کے اصل مفہوم کو نہ صرف سمجھ لیا ہے بلکہ عمل کرنا بھی سیکھ لیا ہے دوسروں کی تکالیف اور درد کو خوشی میں بدلنا ہی سچی عید ہے، خدا کرے کے ہر مسلمان میں یہ احساس کا جذبہ بیدا ہو جائے اور وہ دوسرے مسلمان کا درد محسوس کر سکے نادار و مفلس کو بھی عید کی خوشی میں شریک کر سکے۔''

''آمین۔''

سب نے خلیل احمد کی دعا پر ایک ساتھ یک زبان ہو کر آمین کہا۔

''ہاں بھئی جمیل میاں، آخر اپنی بات منوا ہی لی تم نے مجھ سے چھوٹے بھائی ہو مگر بڑے نیک کام کر کے قربانی اپنے نام کی ہے تم نے، میں بہت خوش ہوں میرے بھائی۔'' عقیل نے یہ کہتے ہوئے جمیل کو گلے سے لگا لیا۔

''شکریہ بھیا!'' جمیل خوشدلی سے بولا۔

''اور آپ سب کو پتا ہے سب سے زیادہ خوش کون ہوا ہوگا ابو کی اس نیکی سے؟'' فروا نے معصومیت سے استفسار کیا تو سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

''بتاؤ تو فروا بیٹا! کون سب سے زیادہ خوش ہوا۔'' عقیل نے محبت سے پوچھا تو مسکراتے ہوئے بولی۔

''اللہ تعالیٰ۔''

''ہاں بالکل صحیح کہا ہماری بیٹی نے سب سے زیادہ خوش تو اللہ تعالیٰ ہوتے ہیں انسان کے کسی بھی نیک عمل سے۔'' عقیل نے محبت سے فروا کا ماتھا چوم لیا۔

''چلو بھئی بچو، اس خوشی کے موقع پر میں تم سب کو آئس کریم کھلاتا ہوں فالودہ آئس کریم جو مجھے بہت پسند ہے۔'' خلیل احمد نے با آواز بلند کہا ان کے لہجے اور چہرے سے خوشی چھلک رہی تھی۔

''دادا جان! آپ بھی آئس کریم کھائیں گے؟'' راحیل ہنستے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''بالکل کھاؤں گا، آخر میں بھی آئس کریم کے لئے اپنی جیب کی قربانی دے رہا ہوں، مجھے بھی تو انعام ملنا چاہیے نا؟ کیوں بچو!۔'' خلیل احمد نے بہت شرارتی لہجے میں کہا۔

''جی جی دادا جان!'' بچے ہنستے ہوئے بولے اور ان کے ساتھ سب بڑے بھی خوشدلی سے ہنسنے لگے، عید قربان کی سچی خوشی ان سب کے چہروں سے عیاں تھی، قربانی کی اصل روح سے آج ہی تو وہ سب صحیح معنوں میں آشنا ہوئے تھے ان کی خوشی تو یقینی اور حقیقی ہونی ہی تھی نا۔

☆☆☆

روشانے عبدالقیوم

دمیر ابراھیم، ایک شاندار شخص، اس کی خوبصورتی کے لئے یونانی دیوتا، شہزادہ، یا مکمل وجاہت کا شاہکار جیسے شبہات کم تھے، وہ حسن کے اک اعلیٰ استعارے پر تھا۔

وہ یوسف ثانی تھا، یوسفؑ کو اللہ نے تمام دنیا کی کل خوبصورتی دی اور صرف ایک حصہ دنیا میں بھیجا، وہ ایسا حسین تھا کہ لگتا وہ ایک حصہ خوبصورتی کا خدا نے اس پر خرچ کر دیا تھا تمام۔

دمیر ابراھیم...... قیمتی سوٹ، برانڈڈ اشیاء کے استعمال کا سلیقہ رکھنے والا، قیمتی سے قیمتی گاڑی کو خرید کر کپڑوں کی طرح دن رات بدلتا، اعلیٰ یونیورسٹیز کی ڈگریوں کا مالک، روانی سے شستہ انگریزی یوں بولنے والا کہ سننے والا سنتا اور دیکھنے والا دیکھتا رہ جاتا، کہ اس کی آواز اور لہجے کو سنے یا اس کی بے تحاشہ خوبصورتی کو مبہوت ہو کر دیکھے، اپنی ایک مسکراہٹ سے ہزاروں دل مزید لینے والا دمیر ابراھیم، ایک ارب پتی کا بیٹا ایک کامیاب اور ذہین بزنس مین۔

☆☆☆

''تمہاری پورٹریٹ نے دھوم مچا دی ہے، آرٹ گیلری میں ہر طرف تمہاری خوبصورتی کے چرچے ہیں، تم نمائش میں بھی نہیں آئے، پہلے تو سب تصویر کو مصور کا خیال سمجھ رہے تھے، سراہ رہے تھے، جب انہوں نے بتایا کہ یہ کسی کی تصویر ہے، تو سب بہت ایکسائیٹڈ ہوئے کہ وہ شخص آیا کیوں نہیں، ہم اسے حقیقت میں دیکھنا چاہتے ہیں، بھئی تمہیں آنا چاہیے تھا۔'' دمیر ابراھیم کے بڑے بھائی ضمیر نے اسے فون کیا تھا۔

''ان فضولیات کے لئے میرے پاس وقت نہیں، پہلے ہی وہ شخص میرا بہت دماغ کھا چکا ہے، میں اس سے ملنا ہی نہیں چاہتا، تعریفیں ایسی کرتا ہے کہ میرا گمان ہوتا ہے وہ میری بیوی یا گرل فرینڈ ہے۔'' وہ ناگواری اور جھلاہٹ سے بولا تھا۔

''ہاں بھئی اللہ نے اتنا نوازا ہے، نخرہ تو بنتا ہے۔'' ضمیر نے قہقہہ لگایا تھا۔

عبداللہ ایک مشہور و معروف مصور، جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ زندہ بولتی تصویریں بناتا تھا، اس کی تصویریں ہاتھوں ہاتھ بکتی، ہر عمر، ہر طبقے کے لوگ اس کی تصویریں نمائشوں میں دھڑا دھڑ آتے اور کھو جاتے۔

دمیر ابراھیم کو اس نے اک تقریب میں اک پل کے لئے دیکھا تھا اور اندر بستا مصور مچلا تھا وہ اسے پینٹ کرنا چاہتا تھا، ایسا حسن اللہ اللہ، اسے یقین تھا دمیر کی تصویر اس کی زندگی کی سب سے قیمتی اور مہنگی تصویر ہوگی اور بس پھر اس نے ہر جگہ سے اس کا پتہ اور فون نمبر معلوم کرنا چاہا کامیابی ملی تو اس سے روبرو ملاقات کے لئے گیا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا، خود پسند اور مغرور سے دمیر نے عدم دلچسپی کا اظہار کرتے، اہم میٹنگ کے لئے ایکسکیوز کیا اور عبداللہ جو نخریں اٹھوانے کا عادی تھا، پہلی بار کی اس رجکیشن نے اسے مایوس نہ کیا بلکہ اسے دمیر کو پہلے سے بھی زیادہ نمبر دینے پڑے اتنا حسن کسی کا بھی دماغ خراب کر سکتا تھا، وہ تو پھر ایک خاندانی، امیر شخص تھا۔

عبداللہ نے اسے انا کا مسئلہ نہیں بنایا، ہر بار دمیر کا انکار اور عدم دلچسپی اس کے اندر کی خواہش کو مزید ہوا دیتی، بس پھر کیا تھا وہ دمیر کے سر ہو گیا، ملک کا اک مشہور و معروف مصور اس کی منتوں میں لگ گیا، دفتر...... گھر...... فون...... ہر طرح سے اسے قائل کرنے کی کوششوں میں لگ گیا، آخر اک دن تنگ آ کر اس نے اپنی انلارج تصویر پر اسے پکڑائی اور اتنا کہہ کر چلا گیا۔

''میرا وقت بہت قیمتی ہے، جو چیز مجھے خوش نہ کرے کوفت میں مبتلا کرے، میں وہ ایکٹیوٹیز نہیں اپناتا، اک جگہ کئی گھنٹوں بت بن کر بیٹھنا میرے لئے ناممکن ہے، میں اپنی خوبصورتی کیش کروانے والوں میں سے نہیں، اگر پورٹریٹ بنانی ہے تو اسی کو کاپی کر کے بنایئے اور اگر ایسا نہیں ہوتا آپ سے، تو آئی ڈونٹ کیئر، آئندہ مجھے تنگ مت کیجئے گا۔'' عبداللہ نے اس کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد خوبصورت سی تصویر کو عزم سے مسکرا کر دیکھا، پھر کیا تھا تین دن میں وہ تصویر شاہکار تیار کر کے نمائش میں رکھ دی، وہی ہوا ہر کوئی اس خوبصورت پورٹریٹ کا دیوانہ ہوا اور منہ مانگے داموں اسے خریدنے کی خواہش کرنے لگے۔

''جانتے ہو، اس تصویر کو کس نے خریدا؟'' ضمیر کی تجسس بھری آواز ایئر پیس سے ابھری۔

''مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں، اس پاگل نے میرا پیچھا چھوڑ دیا یہی بہت ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''تمہیں کوئی دلچسپی نہیں مگر میں بتا دیتا ہوں، ایک عرب شیخ نے وہ تصویر منہ مانگی دام دے کر خریدی ہے اور اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ وہ اس تصویر میں موجود اصل شخص کو ملنا چاہتا ہے، آئی ایم پراؤڈ آف یو، کیا تم اس سے ملنے جاؤ گے؟'' ضمیر کی بے تحاشا خوشی بھری پر جوش آواز نے اسے اچنبھے میں مبتلا کر دیا تھا۔

''مائی فٹ۔'' اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''میں کیوں کسی سے ملنے جاؤں، جس کو مجھ سے ملنا ہے وہ خود آئے، میں کوئی فالتو نہیں بیٹھا، کتنی چیپ بات ہے کہ کوئی مجھے دیکھتا رہے اور میں اپنی خوبصورتی کی داد وصولتا رہوں، آئندہ اس ٹاپک پر مجھ سے بات مت کرنا۔'' اس نے ناگواری سے کہہ کر فون بند کر دیا، ضمیر فون کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

موت، جو دیگر مواقعوں کی طرح ایک ہی بار آتی ہے۔

''موت کے بارے میں میرے خیالات بہت نادر ہیں، جب لوگ شادی کی تقریب کو یادگار بنانے کی کوشش میں لاکھوں روپے خرچ کر کے اسے خوبصورت بناتے ہیں، تو موت بھی تو اک ہی بار ملتی ہے، اسے بھی دھوم دھام سے یادگار تقریب کے طور پر منانا چاہیے، کم از کم میں تو بہت اچھی شاندار پلاننگ کرنا چاہتا ہوں، اپنی موت کے بارے میں۔'' ضمیر کی بات میں کافی وزن اور دلچسپی کا عنصر تھا، سبھی کو تجسس ہوا کہ وہ جس کی ہر بات ہر حرکت ہر خیال ہمیشہ انوکھا اور شاندار ہوتا، تو موت کے بارے میں کیا سوچتا تھا۔

''مثلاً؟'' اکلوتی بہن سبرینہ نے خوبصورتی کے اعلیٰ معیار، اپنے شہزادے بھائی کو دیکھا تھا۔

سامنے بیٹھے باپ بھائی یا ماں میں سے کسی نے اس کی باتیں سن کر یہ ناں کہا، ''خدا نے کرے'' بلکہ وہ آزاد معاشرے کے کھلے ذہن کے مالک لوگ تھے، جو اپنے سے وابستہ رشتوں کے ہر طرح کے خیالات جاننا چاہتے تھے۔

شانے اچکا کر کہنے والے کہ جب ہم ہر موضوع پر بات کر سکتے ہیں تو موت کیوں نہیں، جو حقیقت ہے؟

''بھئی جلدی بولو، میں تو تجسس کے بارے بے ہوش ہونے والا ہوں۔'' باپ نے شاندار سے بیٹے کو مسکرا کر دلچسپی سے دیکھا (حسین سے حسین لڑکی کو یہ کہہ کر ریجیکٹ کر دینے والا کہ، اس کی آنکھیں ناک ہونٹ قد ہر چیز پرفیکٹ ہے

بگ کشش کی کمی ہے، میرے ساتھ کمٹڈ یہ بنچے گی نہیں)

''سب سے اہم چیز۔'' اس نے حاضرین کو مسکرا کر دیکھا جو اسی کی سمت متوجہ تھے، وہ کیا ہے جو بات کرنے سے پہلے باندھتے ہے؟ وہ شاید لفظ بھول گیا۔

''تمہید۔'' ماں مسکرائی۔

''یہ باتیں میں بہت بار سوچتا تھا کہ بتا دو، ہر وقت بزنس کے کاموں میں الجھ جاتا ہوں، بتا دوں گا تو سکون ملے گا کہ اپنی خواہش بیان کر دی ہے۔'' اس نے سامنے دیوار پر آویزاں اپنی خوبصورت سی تصویر کو دیکھا تھا۔

''پھر زندگی موقع دے ناں دے۔'' اس کی بات پر ضمیر نے ٹکڑا لگایا۔

''مجھ جیسا خوبصورت جوان شخص اتنی جلدی نہیں مر سکتا، میں موت نہیں فرصت کے لحاظ سے کہہ رہا تھا، تم غلط سمجھے۔'' اس نے اپنی دلکش مسکراہٹ سے بھائی کو نواز کر تصیح کی تھی۔

ضمیر کو اتنا غرور بھایا تو نہیں مگر، کندھے اچکا دینے پر اکتفا کیا۔

''میں نے کہیں پڑھا تھا کہ اک جوان حسین شہزادی نے اپنے محبوب شوہر کی موت کا چالیس سال تک سیاہ لباس پہن کر سوگ منایا تھا، یہ بات مجھے بہت زیادہ اچھی لگی، میں چاہتا ہوں جب کبھی میری موت واقع ہو تو میری بیوی بھی ایسا ہی کرے، چالیس سال تک نہ سہی، کچھ عرصہ۔'' انتہائی انہماک سے سب مگن ہو کر سن رہے تھے۔

''دوسری خواہش، پہلے وقتوں میں موت کے موقع پر بین کرنے باقاعدہ، مخصوص عورتیں بلوائی جاتی تھیں، جو ماتم کرتیں، میں بھی یہی خواہش رکھتا ہوں، جس طرح میری شادی کے فنکشن میں لوگ ڈانس کریں گے، موت کی صورت میں میرا ماتم کیا جائے، سیاہ لباس پہن کر۔'' حاضرین کا انہماک قابل دید تھا۔

(بھئی مقابل شاندار سحر انگیز شخصیت کا مالک محفل محو گفتگو تھا۔)

''تیسری اور انوکھی خواہش جو بہت خوبصورت ہے، پہلی دو خواہشات تو کہیں ناں کہیں، کسی ناں کسی صورت میں ہو چکی ہیں مگر تیسری سراسر میرے اپنے ذہن و دل کی تخلیق ہے، جو شاید پہلے کسی نے ناں سوچا ہو، اک پل کا وقفہ بھی سننے والوں پر گراں گزرا، کہ دمیر جلدی سے بتا دے۔''

اس کے منہ سے نکلنے والے ہر الفاظ ہی پر سر دھننے کو جی چاہتا تھا۔

(کتنی منفرد، کتنی خوبصورت سوچ ہے اس کی شاندار بھئی، باطن کی آنکھ سے محروم، سطحی لوگ ایسا ہی سوچتے ہیں، ہر بات میں خوبصورتی بڑھائی اور الگ پن اور بس)۔

''مجھے قبر تک لے جانے والی تابوت میں سونے چاندی اور جواہرات کا استعمال ہو، صرف لوہے سے بننے والی ایک عام تابوت سے ٹوٹلی الگ، میرے ذہن میں اس کا خاکہ تیار ہے، ابھی تو بہت وقت ہے، بڑھاپے میں کسی ماہر سے بنوا لوں گا، تا کہ میری خوبصورت شخصیت کی طرح میری موت بھی ہمیشہ لوگوں کے ذہنوں میں رہے۔''

''واؤ...... ونڈرفل...... زبردست...... کیا سوچ ہے۔'' باقاعدہ سب نے سر دھنے تھے۔

ایسی سوچ بھی کسی کی اپنی موت کے لئے ہو سکتی تھی، زندگی کا ہر پل شاندار طریقے سے گزارنے والے دنیا کے شاید ہی کسی شخص نے ایسی موت کی خواہش یا پلان کیا ہو، وہ واقعی اپنی

شخصیت کی طرح بہت الگ اور بہت خاص ذہن کا مالک تھا۔
''شداد کی جنت۔'' ضمیر نے افسوس سے حسن کی بلند بینار پر کھڑے اپنے ناسمجھ بھائی کو دیکھا تھا۔
''تمہیں تو کسی بہت بڑے بادشاہ کا بیٹا ہونا چاہیے تھا، ایسی عجیب اور بڑی بڑی خواہشات۔'' وہ خاموش نہ رہ سکا، اسے یہ سب کچھ ایک خود پسند مغرور شخص کا خیال لگا تھا کسی سمجھدار کا نہیں۔
''میں ایک شہزادہ ہی تو ہوں، کس شے کی کمی ہے مجھ میں، یہ تم نے بالکل غلط کہا، میں پہلے دور کا نہیں، تو کم از کم آج کے کسی شہزادے سے بھی کم نہیں، میں تمہیں اپنی ان خواہشات کی تکمیل کروا کے دکھاؤں گا۔'' اس کا غرور اب بھی بلندی پر تھا، ضمیر نے خاموشی سے اٹھ جان پر عمل کیا تھا، ویسے بھی وہاں اس کا کوئی ہم خیال تو تھا نہیں، اٹھنے میں ہی عافیت تھی، گزرتے دور نے بہت افسوس سے اس حسین شخص کو، اپنی خواہشات کا اظہار کرتے دیکھا تھا، وقت جو کبھی بھی کسی کا نہیں ہوا۔

☆☆☆

بلند و بانگ خواہشات، ریت کی بھربھری دیوار کی مانند ڈھے گئے، جو اس وقت سمجھ ناں سکے تھے آج سمجھ گئے، قارون، شداد، فرعون، ان سب کی مثالیں صرف سننے کے لئے نہیں، سبق اور عبرت کے لئے ہے، ہر بات کی طرح ہم ان باتوں پر آئی ڈونٹ کیئر نہیں کہہ سکتے، ورنہ قدرت ہمیں ایسا سبق سکھاتی ہے کہ برسوں اسے یاد رکھا جاتا ہے۔
اللہ کو اس کا غرور اور تکبر پسند نہ آیا تھا شاید، ایک معروف شاہراہ سے گزر کر، آفس جاتے ہوئے دمیر نامی شاندار و بے مثال شخص یکے بعد دیگرے دو زوردار دھماکوں کی زد میں آ چکا تھا۔
ہر طرف قیامت کا عالم، بھاگ دوڑ، چیخ و پکار، گوشت کے چیتھڑے اور خون ہی خون، جیسے کربلا کا منظر، دلدوز عالم، دھماکے کا شکار افراد میں سے کسی کی بھی لاش سالم نہیں تھی، ہر کوئی اپنے پیاروں کی موت کے ایسے غم میں کرب و اذیت سے نڈھال تھے۔
پھر زمانے نے دیکھا اس شاندار حسین شخص کو جو اپنی موت پر یادگار پلاننگ چاہتا تھا، اس کی لاش بھی نہ ملی، تمام افراد کو اجتماعی قبر میں دفنا دیا گیا۔
مقبد کے پاس کھڑے ضمیر کی آنکھ سے آنسو نکل کر گیلی مٹی پر گرا تھا (موت کے بارے میں تمہارے خیالات اچھے نہیں لگے تھے، مگر ایسی موت کا تو تصور بھی نہیں کیا تھا۔)
سیاہ لباس میں بہت سی حسینائیں اس مغرور شہزادے کی ایسی موت کا سوگ منانے آئیں تھیں، اس پتھر دل شخص کی موت نے ہر کسی کو متاثر کیا تھا۔
دمیر کی ماں سیاہ لباس میں ملبوس ٹی وی اسکرین پر وہ تکلیف دہ منظر دیکھ کر خاموش آنسو بہا رہی تھی۔
(کاش میں اسے وہ کفریہ باتیں کرنے سے روک لیتی، انسان اللہ کی امانت ہے، جیسے وہ آتا ہی اسی طرح جاتا بھی ہے، واویلا کرنا اللہ کو پسند نہیں، اس نے جو باتیں کی تھیں وہ فرت کے خلاف تھیں، اللہ سے جنگ کے مترادف اور کون ہے جو اللہ سے جنگ کر سکے؟)
دمیر کا شاندار باپ بھی قبر کے پاس کھڑا بہت بوڑھا دکھائی دینے لگا تھا۔

☆☆☆

حمیرا نوشین

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

''عاصمہ! میری بلو ٹائی کدھر ہے کب سے ڈھونڈ رہا ہوں کہاں ٹھونس کے رکھ دیتی ہو میری چیزیں۔'' اس پر جھنجلاہٹ سوار تھی، ساری الماری چھان ماری تھی مگر مطلوبہ ٹائی ملنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

''ہاں کیا بات ہے کیوں صبح صبح چلا رہے ہو؟''

''میری بلیو ٹائی کہاں رکھی ہے؟''

''یہیں الماری میں ہوگی دیکھ لو۔''

''اچھی طرح دیکھ چکا ہوں کہیں پر بھی نہیں ہے۔''

''پھر...... اب بتاؤ میں کیا کروں ٹائی تلاش کروں یا تمہارے ٹھونسنے کے لئے ناشتہ بناؤں۔'' اس نے چتون پہ بل ڈالے۔

''دماغ خراب نہ کرو میرا مجھے جلدی سے ڈھونڈ کے دو آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں میں۔'' وہ غصے سے بولا۔

''دماغ تو تم نے میرا خراب کر کے رکھ دیا ہے، ہزار مرتبہ کہا کہ ایک ملازمہ رکھ لو پر توبہ کرو ماں کی دواؤں پہ ہزاروں روپے خرچ کر دو گے مگر بیوی کی سہولت کے لئے ایک ملامہ کا انتظام نہیں کر سکتے۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے ٹائی ڈھونڈنے میں مگن ہوگئی۔

عاطف جوتے نکال کر پہننے لگا جو رات ہی اس نے پالش کر کے بیڈ کے نیچے رکھ دیے تھے، بیگم نے تو آتے ہی کڑے لہجے میں سنا دیا تھا۔

''مجھے نہ کبھی اپنے جوتوں کو ہاتھ لگانے کا کہنا ورنہ پھر ساری عمر میرے ہاتھ میں جوتا ہی رہے گا۔''

اور وہ بیچارہ جوتوں سے بچنے کے لئے خود جوتے پالش کرنے پہ مجبور تھا۔

''یہ لو پکڑو ٹائی جس کے لئے ایک گھنٹے سے رونا پھیلا رکھا تھا۔'' اس نے ٹائی اس کے سامنے پھینکی۔

''یہ...... یہ کہاں سے ملی اور اس کی حالت دیکھی ہے تم نے شکنوں سے بھری پڑی ہے۔''

''لانڈری کے کپڑوں میں سے نکال کر لائی ہوں استری کر کے لگا کے چلے جاؤ زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں ناشتہ بنا رہی ہوں۔'' وہ کہہ کر چل دی اور وہ ناچار اسی کو استری کر کے لگا کر آفس روانہ ہونے لگا تو اماں کی آواز نے قدم روک دیے۔

''عاطف بیٹے ناشتہ تو کر کے جاؤ بھوکے پیٹ کیا خاک کام ہوگا۔''

''اماں میں آفس کی کینٹین سے کچھ کھا لوں گا، دیر ہو رہی ہے۔'' وہ جلدی سے کہتا ہوا بائیک باہر نکال لے گیا۔

''جاہل عورت روز بچے کو بھوکا پیٹ گھر سے نکال دیتی ہے کبھی کوئی چیز ٹھکانے پر نہیں ملے گی میں بیمار جان اس قابل ہوتی تو میں ہی اس کی چیزیں ترتیب سے رکھ دیتی، اس پھوہڑ سے تو بالکل بھی امید نہیں ہے۔''

''صبح ہی صبح گھر میں کل کل شروع کر دیتی ہے میرے بچے کے تو نصیب ہی پھوٹ گئے، ایک ہی بھائی تھا سوچا تھا بھتیجی لے کر میکے سے رشتہ جڑا رہے گا، بھابھی نند سمجھ کر نہ سہی بیٹی کی ساس سمجھ کر خوب آؤ بھگت کیا کرے گی مگر ہائے ری قسمت، میں تو نند والے رشتے سے بھی گئی، میری ہی عقل پر پتھر پڑ گئے تھے جب اس کی ماں نے میری ماں کو ساری عمر چین نہ لینے دیا وقت سے پہلے قبر کا منہ دکھا دیا تو مجھے کہاں چھوڑے گی، بیٹی نے بھی آتے ہی مجھے چارپائی سے لگا دیا اپنی باتوں سے دن رات کلیجہ چھلنی کر کے رکھتی ہے۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

''اب کیوں روتی ہو صغریٰ بیگم! کتنا سمجھایا تھا تمہیں، تمہاری بھتیجی میرے لائق بیٹے کے قابل نہیں ہے اس کے لئے تو میرے بھائی غفور کی بیٹی سولہ جماعتیں پڑھی ہوئی ٹھیک رہے گی، پر تم پر تو اپنی خوبصورت گوری چٹی بھتیجی کا بھوت سوار تھا، تمہیں تو اچھے کھانے پکانے والی چاہیے تھی ناں تو اب کھاؤ مزے لے کر اچھے کھانے۔'' عبدالرحیم جو دکان پر جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا اس کی باتیں سن کر بولے بنا نہ رہ سکا۔

''ہائے مجھے کیا پتا تھا کہ یہ ماں بیٹی ایسی فریبی نکلیں گی جب سے میرا عاطف نوکری پہ لگا تھا پھپھو پھپھو کہتے زبان نہیں سوکھتی تھی، کیسے آئے روز بھابھی ہماری دعوتیں کرتی تھی وہ مزیدار کھانے تمہارے پیٹ میں بھی تو گئے ہیں، میں نے اکیلی نے تو ہضم نہیں کیے۔'' وہ پہلے ہی جلی بھنی بیٹھی تھیں عبدالرحیم کی بات نے اور تپا دیا۔

''یہ کیا بڑبڑا رہی ہیں صبح ہی صبح۔'' وہ ناشتہ لئے کمرے میں داخل ہوئی۔

''تم سے مطلب اپنے مجازی خدا سے بات کر رہی ہوں تم کون ہوتی ہو مداخلت کرنے والی اور یہ توس ہیں دونوں سائیڈوں سے جلے ہوئے کبھی کوئی کام دھیان سے بھی کر لیا کرو ہر وقت دوسروں کی ٹوہ میں رہتی ہو۔''

''یہ جلا ہوا ناشتہ بھی صبح بستر پر بیٹھے بٹھائے مل جاتا ہے تو غنیمت سمجھیں۔'' وہ بپھر کر بولی۔

''میرا جی نہیں کر رہا رس لا دے مجھے۔''

خلاف توقع وہ چپ چاپ رس لینے چل دی اور عبدالرحیم خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا جو کہ اتنا جلا ہوا بھی نہ تھا ساس کا بہو کی طرف سے دل جلا ہوا تھا اس لئے توس بھی کچھ زیادہ ہی جلے ہوئے لگے تھے۔

☆☆☆

''اماں کہاں پھنسا دیا آپ نے مجھے، رنگ روپ خوبصورتی چار دن کی ہوتی ہے اصل چیز لڑکی کا سلیقہ، اخلاق اور احساس ہوتا ہے اور عاصمہ ان سب چیزوں سے عاری ہے اس کی گوری چٹی چمڑی پہ آپ فریفتہ ہوگئیں اور ساری عمر کے لئے وبال اس گھر میں لے آئیں۔'' وہ ماں سے شکوہ کناں تھا۔

''مجھے کیا پتا تھا میرے لال کہ یہ اتنی بد سلیقہ، پھوہڑ اور اخلاق سے عاری ہو گی، لڑکی چاہے جتنی بھی لاپروا اور بد سلیقہ کیوں نہ ہو سسرال جا کر سنبھل جاتی ہے میں نے بھی یہی سوچا تھا ابھی کچی عمر ہے شادی ہو گی تو خود ہی ذمہ داریوں کو سمجھنے لگے گی، حق...... ہا میری ہی آنکھوں پہ پردے پڑ گئے تھے، اب اس وقت کو کوستی ہوں جب نسرین سے اس کا ہاتھ مانگا تھا۔''

وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں، دونوں ماں بیٹا ایک ہی عورت کے ستائے ہوئے تھے، دو دن سے عاصمہ اپنی ماں کے گھر رہنے گئی ہوئی تھی اور گھر میں عجیب طرح کا سکون تھا بے شک کھانے پکانے کی تھوڑی تنگی ہو رہی تھی مگر پھر بھی وہ سب ذہنی طور پر اپنے آپ کو اچھا محسوس کر رہے تھے۔

''اب پچھتانے سے کیا فائدہ اماں، وقت تو ہاتھ سے نکل گیا، ابا نے کتنا زور لگایا تھا کہ تایا ابا کی رافعہ پڑھی لکھی سمجھدار ہے تائی امی نے ہر سلیقہ و ہنر سے اپنی بچیوں کو آراستہ کر رکھا ہے مگر آپ کو تو اس کی سانولی رنگت پہ اعتراض تھا آپ کو تو دودھ جیسی رنگت والی بہو چاہیے تھی اب لے لیں مزا اس کی خوبصورتی کا۔''

وہ آج خوب دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا کیونکہ سانولی سلونی رافعہ اسے بھی پسند تھی مگر اماں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''اے تم تو مجھے اپنے ابا کی طرح طعنے

دینے لگے ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ حسین سے حسین بہو گھر میں لائے میں نے کون سی انوکھی خواہش کر دی تھی اور یہ بتا تیرے اندر بھی کوئی گن ہیں کہ نہیں اس چھٹانک بھر کو اتنا بڑا مرد نہیں سنبھال سکتا جب زبان درازی کرے چٹیا پکڑ کے ایک چماٹ مار منہ پہ سیدھی ہو جائے گی۔"

"واہ اماں بڑا اچھا مشورہ دے رہی ہیں ادھر میں اس کے تھپڑ رسید کروں اور ادھر وہ چیخ چیخ کر سارا محلہ گھر پہ اکٹھا کر لے اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو ساری دنیا میں نشر کر دے اور میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں، جاہل کے ساتھ میں تو جاہل نہیں بن سکتا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے میرا بیٹا، ایسا تمہارے خاندان میں ہوتا آیا ہوگا میرا نیک بچہ اپنے باپ پر گیا ہے وہ گالی کے جواب میں چپ تو رہ سکتا ہے مگر گالی سے اپنی زبان ناپاک نہیں کرے گا، شریفوں کے یہ اطوار نہیں ہوتے اب وہ جیسی بھی ہے اس گھر کی عزت ہے اور گھر کی عزت کو اچھالا نہیں کرتے صبر شکر سے گزارا کرو۔" عبدالرحیم جو کافی دیر سے ماں بیٹے کی گفتگو سن رہا تھا صغریٰ کی تھپڑ والی بات نہیں بھی تپا گئی۔

"ہاں...... تمہیں تو موقع چاہیے اپنے خاندان کی شرافت کے قصے سنانے کا، میں نے تمہارے جیسے شریف شخص کے ساتھ کس طرح گزارا کیا یہ میرا دل ہی جانتا ہے پر تم نے میری کبھی قدر نہ کی۔" اماں کا اپنا دکھڑا شروع ہو گیا اور ان باپ بیٹے نے وہاں سے اٹھ جانے میں ہی عافیت جانی۔

☆☆☆

"کیا بات ہے جب سے غفور بھائی کے گھر سے آئی ہو بڑی چپ چپ سی ہو کیا کوئی بات ہوئی ہے کسی نے کچھ کہا ہے تم سے۔" عبدالرحیم کو صغریٰ کی خاموشی سے تشویش ہوئی۔

"ارے نہیں مجھے وہاں پر کون کیا کہے گا سارے ہی عزت کرتے ہیں، کہاں بیٹھا ئیں، کیا کھلائیں ایسے خیال رکھتے ہیں کہ میں تو شرمندہ ہی ہو جاتی ہوں۔"

"تو پھر یہ چپ کا روزہ کیوں رکھا ہوا ہے۔" وہ خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے بولے۔

"رافعہ چلہ کرنے آئی ہوئی تھی اس کا شوہر اور ساس بھی خبر گیری کے لئے آئے ہوئے تھے سچ مانو تو رہ رہ کر افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اس وقت تمہاری بات کیوں نہ مان لی آج رافعہ اس گھر کی بہو ہوتی تو گھر میں کیسا سکون اور محبت کی فضا ہوتی۔"

"ماشاء اللہ بڑی خوش ہے اپنے گھر میں، شوہر بھی بڑا نیک اور سیدھا بچہ ہے ساس تو تعریفیں کرتے نہیں تھکتی، کہہ رہی تھی نوکری کر کے میرے بلال کا ساتھ بھی دے رہی ہے اور گھر کی ذمہ داریاں بھی بڑی خوش اسلوبی سے نبھا رہی ہے دعائیں دیتے دیتے اس کا منہ سوکھا جا رہا تھا اور میں پچھتاؤں میں گھری اس کی باتیں سن رہی تھی۔" اترے چہرے کے ساتھ انہوں نے اصل وجہ بتائی۔

"اب ان باتوں سے کیا حاصل، اپنے گھر کا سوچو، عاصمہ سے پیار و محبت کا رشتہ رکھو اس کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرو نرمی سے سمجھاؤ تم اس کے ہر کام میں مین میخ نکالتی ہو ذرا سی بات پر ہزار باتیں سناتی ہو تو بدلے میں بھی تم سے بدتمیزی کرتی ہے غلطی اس کی بھی نہیں تمہاری بھابھی نے بھی تو یہی رویہ

تمہاری ماں کے ساتھ رکھا تو جو کچھ اس نے دیکھا وہی کچھ وہ کر رہی ہے مگر تم تو سمجھداری کا ثبوت دو، اس طرح تو گھر کی فضا ہمیشہ ہی ناگوار رہے گی آج وہ اکیلی ہے کل کو بچے ہونگے تو کیا خاک تربیت کرے گی وہ بچوں کی، ان کا مستقبل خراب ہوگا سو عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ تم ہوش کے ناخن لو اسے ماں کی محبت دو مجھے یقین ہے کہ وہ آہستہ آہستہ اپنی غلطیوں کو سدھار لے گی اور رشتوں کا احترام کرنے لگی گی۔''

عبدالرحیم نے صغریٰ کو سمجھایا تو وہ بھی ان کی باتوں کی قائل نظر آنے لگیں کہ گھر کے سکون اور بہتری کے لئے کچھ صبر و تحمل کا مظاہرہ تو انہیں کرنا پڑے گا۔

☆☆☆

''دیکھ لیا بھاوج کو کیسی زبان درازی کر کے گئی ہے ساس کو تو کچھ سمجھتی ہی نہیں۔''

''کیا ہو گیا ہے امی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں بھابھی کہ کبھی آپ بھی اٹھ کے ان کی مدد کروا دیا کریں، پورے گھر کا کام وہ اکیلی کرتی ہیں آخر پہلے بھی تو آپ سارا کام کرتی تھیں۔'' عاصمہ صاف گوئی سے بولی۔

''کیا کہا، میں کروں گھر کا کام کیا اس دن کے لئے بہو کو لائی تھی کہ میں کاموں میں جتی رہوں۔'' بیٹی کی بات سن کر تاؤ آ گیا۔

''کام کروں گی میں مہارانی کے، نوکر سمجھ رکھا ہے مجھے اور بیٹے کو دیکھو جورو کا غلام بنا ہوا ہے آتے ہی بیوی کے کمرے میں گھس جاتا ہے ماں کا کچھ خیال ہی نہیں، آنے دو ذرا آج تمہارے سامنے ہی فیصلہ ہوگا اگر اس گھر کو میں نے ہی سنبھالنا ہے تو دفعہ ہو اس گھر سے، جا کے بیٹھے میکے میں۔'' انہوں نے غصے سے چائے کا کپ ٹیبل پہ پٹخا۔

''توبہ ہے امی، آپ کی زبان کے آگے تو خندق ہے، دادی کے ساتھ آپ بھی تو یہی کچھ کرتی تھیں اور مجھے بھی تو بار بار یہی سمجھاتی تھیں کہ ساس کی ایک نہیں سننی، میاں کے رعب میں مت آنا ایک کہے تو دس سنانا، اب جب آپ کی بہو آپ والا سلوک کرتی ہے تو آپ ہتھے سے اکھڑ جاتی ہیں۔'' بیٹی نے آئینہ سامنے رکھا۔

''ہاں تو تیرے بھلے کے لئے ہی کہتی تھی دیکھا ہے ناں عاطف اور صغریٰ کیسے تم سے دبک کر رہتے ہیں جب دل چاہتا ہے میکے آ جاتی ہو کوئی روک ٹوک نہیں تمہارے نخروں کی وجہ سے ملازمہ رکھ لی ہے ورنہ جتی رہتی گھر کے دھندوں میں۔''

''تو پھر آپ بھابھی سے کیوں شکوہ کرتی ہیں ان کی بھی تو اپنی زندگی ہے سکون سے گزارنے دیں، یہ آپ نے اچھی کہی بیٹی وہی کام کرے تو شاباش اور بہو کرے تو لعنت ہے۔''

یہ اچھے اصول آپ ساسوں نے بنا رکھے ہیں۔ منہ پھٹ بیٹی آج ماں کے خوب اوصاف گنوا رہی تھی۔

''امی آپ نے میرے ساتھ بہت برا کیا کبھی اچھائی کی ترغیب نہیں دی، پھپھو، عاطف اور اس کے ابا کتنے اچھے ہیں جو میری کڑوی کسیلی باتوں کو خاموشی سے پی جاتے ہیں اور کبھی مجھے گھر سے باہر نکالنے کی دھمکی نہیں دی، کسی کے سامنے انہوں نے میری برائی نہیں کی میں نے خود پھپھو کے کمرے سے کان لگا لگا کے باتیں سنی ہیں کسی بھی رشتہ دار کے سامنے میری عیب نہیں گنواتیں اور آپ...... آپ تو آئے دن بہو کو گھر سے نکالنے کی دھمکی دیتی رہتی ہیں، اس کے میکے والوں کے سامنے اس کو ذلیل کرتی ہیں ہر آئے گئے کے آگے اس کی برائیاں کرتی ہیں تو آخر وہ بھی انسان ہے کہاں تک برداشت کرے گی اس کے برے رویے کی ذمہ دار آپ خود ہیں۔'' وہ ماں کے آنکھیں نکالنے کے باوجود بولے چلی گئی۔

''آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے عاطف اور پھپھو کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا ان کی بیٹی بن کر رہنے کی، بجائے انہیں ہمیشہ اپنی زبان کے گھاؤ لگاتی رہی کبھی شوہر اور گھر کی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھا یہ تو ان کا ظرف ہے کہ وہ مجھے ابھی تک برداشت کر رہے ہیں اگر آپ جیسی ساس ہوتی ناں تو کب کی میکے کا رستہ دکھا چکی ہوتی بے شک میری زبان درازی کے سامنے وہ لوگ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں مگر مجھے پتا ہے اس طرح ان کے دلوں میں میرے لئے کوئی عزت و محبت بھی نہیں ہوگی۔''

''بس کر بہت تقریریں سن لی کہاں سسرال کی ہمدردی کا بخار چڑھا ہے میرے گر نہیں اپناؤ گی تو اپنی من مانی کی زندگی کبھی نہیں گزار سکو گی۔'' ماں نے جھاڑ پلائی۔

''نہیں امی مجھے جھوٹ سچ بول کر عاطف کو اپنا نہیں بنانا اپنی چالاکیوں سے اسے اپنے رعب میں نہیں رکھنا میں نہیں چاہتی کہ آج جو کچھ میں پھپھو اور عاطف کے ساتھ کر رہی ہوں، یہی سلوک کل کو میری اولاد میرے ساتھ کرے، امی یہ دنیا مکافات عمل ہے ہم آج جو کچھ بوئیں گے کل کو ہمیں وہی کاٹنا ہے تو پھر میں کیوں بے وقوف بنوں، اچھی فصل بو کر ہی اچھی فصل کی امید رکھ سکتی ہوں ناں۔'' اس کے لہجے میں ایک نیا عزم بول رہا تھا۔

''میں اپنے گھر جا رہی ہوں مجھے پیار، محبت اور ایمانداری سے اپنے شوہر اور اس کے گھر والوں کے دلوں میں عزت بنانی ہے۔'' اس نے اپنا پرس سنبھالا اور چادر اوڑھی وہ ماں کو حق دق چھوڑ جانے کے لئے تیار ہوئی۔

''اور میری مانیں تو بھابھی کے ساتھ اپنا رویہ بے شک ساس والا ہی رکھیں مگر اس مشفق ساس والا اور ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے آپ اپنے نرم لہجے سے ہی ان کے دل سے ساری کدورتیں نکال پھینکیں گی اور مجھے قوی امید ہے کہ وہ اپنائیت کے اس رشتے میں بندھنے کے لئے ذرا دیر نہیں لگائیں گی۔'' عاصمہ نے ماں کی آنکھوں میں دیکھ کر پورے خلوص سے کانوں میں سچائی انڈیلی اور اپنے گھر کی طرف قدم بڑھا دیئے ایک نئی سوچ اور مکمل ارادے کے ساتھ۔

☆☆☆

تحریم محمود

جب برائی زیادہ ہو جائے

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے جاگے اور فرمایا۔

''لا الہ الا اللہ، خرابی ہے عرب کی اس آفت سے جو نزدیک ہے، آج یاجوج اور ماجوج کی آڑ اتنی کھل گئی۔'' (یعنی انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے حلقہ بنایا) میں نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم تباہ ہو جائیں گے، ایسی حالت میں جب ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہاں، جب برائی زیادہ ہو گی۔'' (یعنی فسق و فجور یا زنا یا اولاد زنا یا معاصی) (صحیح بخاری)

سارا حیدر، ساہیوال

رضائے الٰہی

امیر المومنین حضرت سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

''مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ میں کس حال میں صبح کروں گا، آیا اس پر جس کو میری طبیعت ناپسند کرتی ہے یا اس حال پر کہ جس کو میری طبیعت پسند کرتی ہے، کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میری بھلائی اور بہتری کس میں ہے۔''

یہ بات اللہ تعالیٰ کی تدبیر، رضامندی، اس کی پسندیدگی اور اختیار اور اس کی قضاء پر اطمینان وسکون ہونے کے سبب فرمائی۔

ساجدہ احمد، ملتان

یادیں

بس یہی مشکل ہے کہ بھول جانا انسان کے بس میں نہیں، جو حادثہ ایک دفعہ گزر جائے، وہ یاد بن کے بار بار گزرتا ہے، بھولنے کی کوشش ہی اسے زندہ رکھتی ہے، انسان ظالم کو معاف کر سکتا ہے، لیکن اس کے ظلم کو بھول نہیں سکتا، بھول جانا انسان کے اختیار میں نہیں۔

موسم گزر جاتے ہیں لیکن یاد نہیں گزرتی، مرحوم زمانوں کی یاد مرحوم نہیں ہوتی، پرانے چہرے نئے چہروں میں نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں، پرانے غم نئے غم میں شامل نظر آتے ہیں۔

پرانی یاد نئی زندگی کے ساتھ چلتی ہے، تہ در تہ یاد انسان کے اندر ہمیشہ محفوظ رہتی ہے، یاد سے نجات کی کوشش دلدل سے نجات کی کوشش کی طرح رائیگاں ہو جاتی ہے۔

صفہ خورشید، لاہور

خشک چشمے

☆ لوگوں پر جو بھی بلا نازل ہوتی ہے وہ آنکھ کے سبب سے ہوتی ہے، نعمت و مصیبت دونوں آنکھ میں رکھ دی گئی ہیں۔

☆ جو نیک بخت ہیں وہ ماں کے شکم ہی سے نیک بخت پیدا ہوتے ہیں اور جو بد بخت

ہیں وہ بھی اس کے شکم ہی سے بد بخت نکلتے ہیں۔

☆ شریف، پارسا ہو جاتا ہے تو تواضع اختیار کرتا ہے، کمینہ، پارسا ہو جاتا ہے تو تکبر اختیار کرتا ہے۔

☆ دل آنکھ کی تابع ہے، آنکھ کے بگڑنے کے بعد دل کی حفاظت مشکل ہے اور دل کے بگڑنے کے بعد شرم گاہ کی حفاظت مشکل تر ہے۔

☆ اگر کسی نے تیرے ایذا کے لئے راہ میں کانٹے بکھیر دیے ہیں تو، تو اس کے راستے میں انتقاماً کانٹے نہ رکھو، وگرنہ دنیا میں ہر طرف کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔

☆ اپنی حاجت پر دوسروں کی حاجت کو مقدم رکھنا ہی حقیقی کرم ہے۔

عابدہ حیدر، بہاول نگر

روشن حرف وہ سارے

☆ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پرکھنا اور لوگوں پر اعتبار کرنا محض اس لئے نہ چھوڑ دیں کہ ان میں سے کچھ نے آپ کو مایوس کیا ہے، کوئی نہ کوئی شخص اور کوئی نہ کوئی پہلو آپ کا ضرور ہے۔

☆ جب آپ پہلا قدم اٹھا لیتے ہیں، تہیہ کر لیتے ہیں تو پھر واپسی نہیں ہوتی، گھڑا چاہے کچا ہو پھر بھی پار پہنچا دیتا ہے۔

☆ ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔

☆ احساس کمتری اور احساس برتری میں مبتلا انسان کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتا۔

☆ ذرا نا موافق حالات کی سوئی چبھی، شکل ہی نہیں حالت اور حالات تک بدل دیتی ہے۔

آصفہ نعیم، فورٹ عباس

طرز تخاطب

ایک تاجر نے بہلول کو دیکھا، تو کہنے لگا۔
''یا شیخ میں کون سا مال خریدوں کہ مجھے فائدہ ہو؟''

بہلول نے جواب دیا۔
''روئی اور لوہا خرید لو۔''

تاجر نے ایسا ہی کیا، کچھ عرصے میں اس کی قیمت کئی گناہ بڑھ گئی اور تاجر کو بہت زیادہ فائدہ ہوا، کافی عرصہ گزر جانے کے بعد تاجر نے ایک بار پھر بہلول کو دیکھا تو کہنے لگا۔

''اے پاگل بہلول، اس سال میں کون سا مال خریدوں جو مجھے فائدہ ہو؟''

''اس سال پیاز اور تربوز خرید لو۔'' تاجر نے اس بار بھی بہلول کے کہنے پر عمل کیا اور پیاز و تربوز کا اسٹاک کر لیا، لیکن کچھ ہی دن میں پیاز اور تربوز دونوں سڑ گئے اور اس مرتبہ تاجر کو بہت زیادہ نقصان ہوا، تاجر نے بہلول کے پاس جا کر اس غلط مشورے کی وجہ دریافت کی، بہلول کہنے لگا۔

''اے تاجر تم نے پہلی بار مجھے یا شیخ کہہ کر پکارا تھا، اس لئے میں نے عقل و منطق کے ساتھ تمہیں مشورہ دیا، لیکن تم دوسری بار مجھے پاگل کہہ کر مخاطب کیا، اس لئے میں نے تمہیں اپنے پاگل پن میں مشورہ دیا، پس تم اپنے نقصان کے ذمہ داری مجھ پر نہیں ڈال سکتے، کیونکہ کوزے میں وہی نکالا جاتا ہے جو اس میں ڈالا گیا ہو۔''

فرینہ اسلم، میاں چنوں

منافقت

اگرچہ اہل وفا ہیں خلوص کے بھوکے

مگر خلوص نہیں شرط دوستی کے لئے
یہ نکتہ ہم کو سکھایا ہے عہد حاضر نے
منافقت بھی ضروری ہے آدمی کے لئے
مہین آفریدی، ایبٹ آباد

یاد

سکوت شام جب خاموش کر جائے زمانے کو
ستارے آئیں جس دم نور کی چادر بچھانے کو
نسیم صبح جب چلتی ہو دنیا کے سلانے کو
یہ الفاظ دگر جب نیند آ جائے زمانے کو
تو تم یہ جان لینا کہ کوئی تم کو یاد کرتا ہے
راحیلہ فیصل، سرگودھا

غیر ملکی کہاوتیں

☆ عمدہ دوا اکثر کڑوی ہوتی ہے۔ (جاپانی کہاوت)
☆ جہاں صدق و خلوص نظر آئے وہاں دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ، ورنہ تنہائی ہی تمہاری بہترین رفیق ہے۔ (ایرانی کہاوت)
☆ کپڑے کاٹنے سے پہلے سات بار ناپ لو کیونکہ اسے کاٹنے کا ایک ہی موقع ملتا ہے۔ (چینی کہاوت)
☆ بغیر دیکھے کوئی چیز منہ میں نہ ڈالو اور بغیر پڑھے کسی کاغذ پر دستخط نہ کرو۔ (اسپینی کہاوت)
☆ گھر میں حقیقی معنوں میں صرف ایک نوکر کام کرتا ہے، وہ ہے گھر کا مالک۔ (جرمنی کہاوت)
☆ جو بات عقل چھپاتی ہے، نشہ اسے ظاہر کر دیتا ہے۔ (لاطینی کہاوت)
☆ زبان عمر کو چھوٹا کرتی ہے، جبکہ زبان سر کی نگہبان بھی ہے۔ (ایرانی کہاوت)
☆ بزدل مریض کو کوئی ڈاکٹر اچھا نہیں کر سکتا۔ (افغانی کہاوت)
☆ دولت جب بولتی ہے تو سچائی بھی بعض دفعہ خاموش ہو جاتی ہے۔ (مصری کہاوت)
☆ نیند آدھی غذا کا کام کرتی ہے۔ (سوڈانی کہاوت)
☆ پیٹ کے ساتھ بحث کرنا فضول ہے کیونکہ اس کے کان نہیں ہوتے۔ (اردنی کہاوت)
آمنہ خان، راولپنڈی

گوہر آبدار

☆ کہانی میں نام اور تاریخ کے سوا سب کچھ سچ ہوتا ہے اور تاریخ میں نام اور تاریخ کے سوا کچھ بھی سچ نہیں ہوتا۔
☆ سانس کا سفر ختم ہو جاتا ہے، لیکن آس کا سفر باقی رہتا ہے، یہی تو وہ سفر ہے جو انسان کو متحرک رکھتا ہے اور متحرک ہونا زندگی کی علامت ہے، یہ علامت رگوں میں خون کی طرح دوڑتی رہے تو انسان مایوس نہیں ہوتا، چاہے سانس کا سفر ختم ہی کیوں نہ ہو جائے۔
☆ گزرا ہوا واقعہ گزرتا ہی تو نہیں ہے بلکہ وہ یاد بن کر بار بار گزرتا ہے۔
☆ محبت اور بارش ایک جیسی ہوتی ہے، دونوں ہی یادگار ہوتی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ بارش ساتھ رہ کر جسم بھگواتی ہے اور محبت دور رہ کر آنکھیں بھگو دیتی ہے۔
☆ کبھی کبھی خلوص، خون سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔
صابرہ سلطانہ، کراچی

☆☆☆

ساجدہ احمد: کی ڈائری سے ایک نظم
زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی تو تم بھی ہو
زندگی تو ہم بھی ہیں
آدمی سے ڈرتے ہو
آدمی تو تم بھی ہو
آدمی تو ہم بھی ہیں
آدمی زباں بھی ہے
آدمی بیاں بھی ہے
اس سے تم نہیں ڈرتے
حرف اور معنی کے رشتہ ہائے
آہنگ سے آدمی سے وابستہ
آدمی کے دامن سے آدمی ہے وابستہ
ان سے تم نہیں ڈرتے
ان کہی سے ڈرتے ہو
جو ابھی نہیں آئی
اس گھڑی سے ڈرتے ہو
اس گھڑی کی آمد کی آگہی سے ڈرتے ہو
تم مگر یہ کیا جانو
لب اگر نہیں ہلتے، ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
روح کی زباں بن کر
راہ کا نشاں بن کر
روشنی سے ڈرتے ہو
روشنی تو تم بھی ہو
روشنی تو ہم بھی ہیں
شہر کی فصیلوں پر دیو کا جو سایہ تھا
پاک ہو گیا آخر خاک ہو گیا آخر
رات کا لبادہ بھی چاک ہو گیا آخر
اژدہام انساں سے فرد کی نوا آئی
ذات کی صدا آئی
راہ شوق سے جیسے راہ رو کا فوں لپکے
اک نیا جنوں لپکے
آدمی چھلک اٹھے
آدمی ہنسے دیکھو
شہر بھی بسے دیکھو
تم ابھی سے ڈرتے ہو
ہاں ابھی تو تم بھی ہو
ہاں ابھی تو ہم بھی ہیں
تم ابھی سے ڈرتے ہو۔

صفہ خورشید: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

ہمارا یہ تم کو سلام آخری ہے
سنو! آج تم سے کلام آخری ہے
اگر ہو سکے تو بھلا دینا ہم کو
یہی ایک چھوٹا سا کام آخری ہے
ابھی آرزوؤں کے صحرا ہیں پیاسے
مگر آنسوؤں کا یہ جام آخری ہے
مریض محبت کی اے چارہ سازو
تمہارے نگر میں یہ شام آخری ہے
ذرا دیر ٹھہرو قضا کے فرشتو!
لبوں پہ ہمارے پیام آخری ہے
کوئی مل سکے گا نہ امجد کے جیسا
ترے حسن کا یہ غلام آخری ہے

عابدہ حیدر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے پر
اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھی
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
کچھ راکھ لئے جھولی میں
اور سر پہ ساہوکار کھڑا
جب دھرتی صحرا صحرا تھی
ہم دریا دریا روئے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں
اور سر سنگیت میں کھوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں
کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
کچھ خواب سجل مسکانوں کے
کچھ بول بہت دیوانوں کے
کچھ الفاظ جنہیں معانی نہ ملے
کچھ گیت شکستہ جانوں کے
کچھ پر پاگل پروانوں کے

آصفہ نعیم: کی ڈائری سے ایک غزل

پھر وہی میں ہوں وہی درد کا صحرا یارو
تم بے بچھڑا ہوں تو دکھ پائے ہیں کیا کیا یارو
پیاس اتنی ہے کہ آنکھوں میں بیاباں چمکیں
دھوپ ایسی ہے کہ جیسے کوئی دریا یارو
یاد کرتی ہیں تمہیں آبلہ پائی کی رتیں
کس بیاباں میں ہو میرے تنہا یارو
تم تو نزدیک رگ جاں سے تھے تمہیں کیا کہنا
میں نے دشمن کو بھی دشمن نہیں سمجھا یارو
آسماں گرد میں گم ہے کہ گھٹا چھائی ہے
کچھ بتاؤ کہ میرا شہر ہے پیاسا یارو
کیا کہوں کہ وہ گل ہے کہ شبنم غزل ہے کہ غزال
تم نے دیکھا ہی نہیں اس کا سراپا یارو
اس کے ہونٹوں کے تبسم میں تھی خوشبو غم کی
ہم نے محسن کو بہت دیر میں سمجھا یارو

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''دعا''

تم مجھے بہت عزیز ہو
سوچتا ہوں خدا سے
تمہارے لئے کیا مانگوں
دولت وشہرت علم واقبال مندی
خوشی وکامرانی
شادنامی محبت یا شادی عشق
سکون جاں یا بے تابی روح
کون سی دعا مانگوں، اچھا سنو!
میں تمہارے لئے
سب سے اچھی دعا مانگتا ہوں
کہ عجب نہیں میرا خدا تمہیں بھی
قلب مطمئن عطا کردے

مہین آفریدی: کی ڈائری سے ایک نظم

اک دن
تم نے مجھ سے کہا تھا
دھوپ کڑی ہے
اپنا سایا ساتھ ہی رکھنا
وقت کے ترکش میں جو تیر تھے کھل کر برسے ہیں
زرد ہوا کے پتھر یلے جھونکوں سے
جسم کا پنچھی گھائل ہے
دھوپ کا جنگل، پیاس کا دریا
ایسے میں آنسو کی اک اک بوند کا
انساں ترسے ہیں
تم نے مجھ سے کہا تھا
سے کی پہچان بھی رکھنا
میرے دل میں جھانک کے دیکھو
دیکھو ساتوں رنگ کا پھول کھلا ہے
وہ لمحہ جو میرا تھا وہ میرا ہے
وہ وقت کے پیکاں بے شک تن پر آن لگے
دیکھو اس لمحے سے کتنا گہرا رشتہ ہے

خوشبو بند دریچے کھول رہی ہے
چاندنی راتوں سا موسم بھی
کلیاں بھی ہیں، شبنم بھی
یہ سب میرے آئینے ہیں
اور ہر آئینے میں تم ہو

راحیلہ فیصل: کی ڈائری سے ایک غزل

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے سے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں
حدیث یار کے عنوان نکھرنے لگتے ہیں
تو ہر حریم میں گیسو سنونے لگتے ہیں
ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے
جواب بھی تیری گلی سے گزرنے لگتے ہیں
صبا سے کرتے ہیں غربت نصیب ذکر وطن
تو چشم صبح میں آنسو ابھرنے لگتے ہیں
وہ جب بھی کرتے ہیں اس نطق ولب کی بخیہ گیری
فضا میں اور بھی نغمے بکھرنے لگتے ہیں
در قفس پہ اندھیرے کی مہر لگتی ہے
تو فیض دل میں ستارے اترنے لگتے ہیں۔

آمنہ خان: کی ڈائری سے ایک نظم

''اے عشق ہمیں برباد نہ کر''

اے عشق ہمیں برباد نہ کر
ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر
پہلے ہی بہت ناشاد ہیں ہم
تو اور ہمیں ناشاد نہ کر
قسمت کا ستم ہی کم تو نہیں
یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر
یوں ظلم نہ کر بے دار نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
جس دن سے ملے ہیں دونوں کا
سب چین گیا آرام گیا
چہروں سے بہار صبح گئی آنکھوں سے فروغ شام گیا
ہاتھوں سے خوشی کا جام چھٹا
ہونٹوں سے ہنسی کا نام گیا
غمگین نہ بنا ناشاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
وہ راز ہے یہ غم
آہ جسے پا جائے کوئی تو خیر نہیں
آنکھوں سے جب آنسو بہتے ہیں
آجائے کوئی تو خیر نہیں
ظالم ہے یہ دنیا دل کو یہاں
بھا جائے کوئی تو خیر نہیں
ہے ظلم مگر فریاد نہ کر
اے عشق ہمیں نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

صابرہ سلطانہ: کی ڈائری سے ایک غزل

تم پوچھو اور میں نہ بتاؤں ایسے تو حالات نہیں
ایک ذرا سا دل ٹوٹا ہے اور تو کوئی بات نہیں
کسی کو خبر تھی سانولے بادل بن برسے اڑ جائیں گے
ساون آیا لیکن اپنی قسمت میں برسات نہیں
ٹوٹ گیا جب دل تو پھر یہ سانس کا نغمہ کیا معنی
گونج رہی ہے کیوں شہنائی جب کوئی بارات نہیں
غم کے اندھیرے میں تجھ کو اپنا ساتھی کیوں سمجھوں
تو پھر تو ہے میرا تو سایہ بھی میرے ساتھ نہیں
مانا جیون میں عورت اک بار محبت کرتی ہے
لیکن مجھ کو یہ تو بتا دے کیا تو عورت ذات نہیں
ختم ہوا میرا افسانہ اب یہ آنسو پونچھ بھی لو
جس میں کوئی تارا چمکے آج کی رات وہ رات نہیں
میرے غمگین ہوتے پر احباب ہیں یوں حیران قتیل
جیسے میں پتھر ہوں میرے سینے میں جذبات نہیں

☆☆☆

سارا حیدر ---- ساہیوال

س: ع غ جی کیا کر رہے ہیں؟
ج: تم کیا کر رہی ہو۔
س: لو یہ کیا بات ہوئی الٹا ہم سے سوال؟
ج: چلو بتا ہی دیتے ہیں کیا یاد کرو گی۔
س: اب بتا بھی دیں؟
ج: مجھے بے صبرے لوگ پسند نہیں ہیں صبر سے کام لو۔
س: آپ عید الاضحیٰ پر کیا پسند کرتے ہیں؟
ج: سب کچھ پسند ہے آپ مرضی جو بھیج دیں۔
س: ہم تو حلوہ پوریاں بنائیں گے کیسے بھیجوں مشکل ہو جائے گی۔
ج: ویسے ہی تمہاری نیت نہیں ہے بہانے نہ بناؤ۔
س: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں؟
ج: میں خود آ جاؤں کھا بھی لوں گا اور مل بھی لوں گا۔

ساجدہ احمد ---- ملتان

س: ہوں دیکھیں ع غ جی آپ تو حد سے بڑھ گئے، آپ کو انگلی پکڑائی آپ ہاتھ پکڑنے لگے۔
ج: توبہ توبہ ہوش کے ناخن لو میں بھلا تمہارا ہاتھ کیوں پکڑنے لگا میرے لئے کوئی کمی ہے۔
س: دل میں بسنے والوں سے ماہانہ کرایہ وصول کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: اسے دل کے ساتھ اپنی آنکھوں میں بھی بسا لیں۔

س: آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے الٹے پلٹے جوابات پڑھ کر اب حنا کے قارئین کیا سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں؟
ج: کیا غضب کے جواب دیتا ہے یہ بندہ۔
س: چلیں آج جلدی سے اپنی فیورٹ ڈش اور مشروب کا نام بتا دیں؟
ج: بی جی ایام کی تلخی کو بس کے ناصر۔
س: آپس کی بات ہے، آپ وہی عین غین ہیں ناں جو تین سال پہلے......؟
ج: ہاں ہاں وہی ہوں جس نے تمہیں قرض خواہوں سے بچایا تھا۔
س: میرا دل آج کل بے حد اداس ہے، اگر میرے سوالوں کے سیدھے منہ جواب نہ دیئے تو میں......؟ آگے آپ خود سمجھدار ہیں؟
ج: پہلے یہ بتاؤ دل اداس کیوں ہے اور وہ بھی آج کل۔

صفہ خورشید ---- لاہور

س: وقت طوفان کب اٹھاتا ہے؟
ج: جب تم کسی گرلز کالج کے باہر کھڑے ہو اور "گرل" کا بھائی آ جائے۔
س: کیا وقت کے ساتھ چلنا ضروری ہے؟
ج: بہت ضروری ہے ورنہ۔
س: سکون کی تلاش؟
ج: اپنے اندر تلاش کرو۔
س: کیا دنیا میں صرف غم ہی غم ہیں؟
ج: کون کہتا ہے۔

س: زندگی میں سکون کب ملتا ہے؟
ج: جب بیوی میکے ہو۔
س: آپ اتنی زیادہ ذہین کیوں ہیں؟
ج: یہی بات کل امان اللہ سے بھی کہہ رہے تھے۔

عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

س: اب کیا ہوگا؟
ج: وہی جو ہم چاہتے ہیں۔
س: جدائی کی رات بہت طویل اور کربناک کیوں ہوتی ہے؟
ج: اکیلے میں ڈر جو لگتا ہے۔
س: وفا کی راہ میں آج میں اکیلی ہوں؟
ج: نئیں سی لانی بے قدراں نال یاری۔
س: کیا گئے ہوئے لمحات واپس آسکتے ہیں؟
ج: گیا وقت پھر کب ہاتھ آتا ہے۔
س: کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ ہمارے آس پاس کوئی نہ ہو؟
ج: تاکہ گزری ہوئی باتوں پر کبھی خوش کبھی رنجیدہ ہوسکیں۔
س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟
ج: دل آنے کے ڈھنگ ہیں۔

آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس

س: آپ کو پھول اچھے لگتے ہیں یا کلیاں؟
ج: کلیاں کیوں کہ انہیں ابھی کھلنا ہوتا ہے۔
س: آپ کو بھینس کے آگے بین بجانا کیسا لگتا ہے؟
ج: مجھے تو چین کی صرف بنسری بجانی آتی ہے۔
س: سلجھی ہوئی حسینوں اور الجھی ہوئی حسینوں میں کیا فرق ہے؟
ج: جو ایک سمجھدار انسان اور ایک ناسمجھ انسان میں ہے۔
س: انسان جیتے جی کب مرتا ہے؟
ج: جب اس کی عقل کام نہ کرے۔
س: عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس بات کی تمنا کرتی ہے؟
ج: نئے ماڈل کی کار، وسیع و عریض بنگلہ اور دولت مند شوہر۔
س: اگر میں تمہاری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوچھوں کہ بوجھو تو؟
ج: بوجھ لیں گے۔

فرینہ اسلم ---- میاں چنوں

س: ہم تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں کئی دنوں سے؟
ج: اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔
س: ایک ڈال پر طوطا بیٹھا، ایک ڈال پر مینا غ جی کیا کہنا؟
ج: دونوں کو صحیح جگہوں پر رہنا چاہیے۔
س: اگر خواب صرف خواب ہی رہیں تو؟
ج: خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔
س: کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں اور شادی شدہ اپنی جان کو روتے ہیں؟
ج: شادی بور کے لڈو ہیں جس نے کھائے وہ بھی پچھتائے جس نے نہیں کھائے وہ بھی پچھتائے۔
س: عورت اپنی عمر اور مرد اپنی آمدنی کیوں چھپاتے ہیں؟
ج: یہی چیز تو فساد کی جڑ ہے۔
س: لوگ کہتے ہیں عشق خلل ہے دماغ کا؟
ج: تبھی تو عاشقوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد

س: یہ زندگی تیرے بغیر کیسے کٹے گئی؟
ج: جیسے اب تک کٹی ہے۔

☆☆☆

بلقیس بھٹی

ثبوت

تیز رفتاری کے جرم میں نثار صاحب کا چالان ہوا اور انہیں مجسٹریٹ صاحب کے سامنے پیش کیا گیا، انہوں نے صحت جرم سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! میں تو صرف بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا تھا۔''

''کیا ثبوت ہے اس بات کا؟'' مجسٹریٹ نے دریافت کیا؟

''جناب والا! ثبوت کے طور پر صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ میں اس وقت اپنے سسرال جا رہا تھا۔''

حنا شاہین، حیدر آباد

غلط فہمی

ایک حسین و جمیل عورت اپنے ڈاکٹر کے پاس گئی، اس کی ایک آنکھ سوجی ہوئی تھی اور سر بھی بڑا سا گومڑا تھا، ڈاکٹر نے مرہم پٹی کے دوران چوٹوں کا سبب معلوم کیا تو خاتون نے جواب دیا۔

''یہ میرے شوہر کی عنایت ہے۔''

ڈاکٹر نے کہا۔

''مگر میں نے تو سنا تھا کہ آپ کے شوہر تو شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں؟''

خاتون نے آہ بھر کر جواب دیا۔

''جی، میں بھی اسی غلط فہمی کا شکار تھی۔''

سدرہ خانم، ملتان

مسٹر کافی

اک یار سے میں نے کہا دو لفظ ہی لکھ دو\
چلتی ہے سفارش یہاں اور تم ہو صحافی\
کہنے لگے کافی کی پیالی کو اٹھا کر\
بس نام بتا دینا مرا نام ہے کافی

آسیہ فرید، خانیوال

جوتے

اس بات پر ہم کو تو تعجب نہیں مطلق\
کھائے ہیں جو بغداد میں مردود نے جوتے\
تاریخ کے صفحات پہ دیتے ہی گواہی\
کھائے ہیں ہر اک دور میں نمرود نے جوتے

مریم انصاری، سکھر

دیکھ بھال

بھنوا کے پہلے کھائیں کلیجی کی بوٹیاں\
معشوق نے ڈکار لی پھر دیکھ بھال کے\
اس میں قصور عاشق مرحوم کا بھی تھا\
کاغذ پہ رکھ دیا تھا کلیجہ نکال کے

عزہ فیصل، قصور

اعتراف گناہ

تین خواتین گپ شپ کر رہی تھیں کہ سنجیدہ موضوعات بھی زیر بحث آ گئے، ایک خاتون بولیں۔

''آج کل زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، موت

بالکل اچانک بھی آ سکتی ہے، ہمیں کم از کم ایک دوسرے کے سامنے اپنی سب سے بڑی برائی یا گناہ کا اعتراف کر لینا چاہیے، ابتدا میں ہی کرتی ہوں، میرا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ میں نے جو رفاہی تنظیم بنائی ہے، اس کے تمام فنڈز خود برد کر چکی ہوں۔''

دوسری خاتون نے جھجکتے ہوئے اعتراف کیا۔

''میرا گناہ یہ ہے کہ میں پچھلے چھ سال سے اپنے شوہر سے بے وفائی کر رہی ہوں۔'' تیسری خاتون بولیں۔

''مجھ میں سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ مجھے جس کا بھی راز معلوم ہو جاتا ہے، وہ میں اِدھر اُدھر ضرور بتاتی پھرتی ہوں، اچھا، اب میں چلتی ہوں۔''

نورا نور، فیصل آباد

خصوصی پرواز

بیس گھنٹے کے سفر پر روانہ ہونے والی مسافر پرواز کی ائیر ہوسٹس نے بھرپور انداز میں سب مسافروں کو خوش آمدید کہا اور شیریں لہجے میں گویا ہوئی۔

''میں اپنے ادارے کی طرف سے تمام مسافروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے پرسکون اور محفوظ سفر کے لئے ہماری کمپنی کا انتخاب کیا، آپ کو بتاتے چلیں کہ ایک چھوٹی اور غیر معمولی خبر یہ ہے کہ ٹی بیگز اور ملک پاؤڈر ختم ہونے کی وجہ سے چائے یا کافی دستیاب نہیں ہو گی۔'' یہ سنتے ہی مسافر سرد آہیں بھرنے لگے۔

ائیر ہوسٹس دوبارہ قاتل مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''ایک اور خبر یہ ہے کہ لنچ اور ڈنر کا انتظام نہ کرنے کے سلسلے میں ہماری خدمت قبول فرمائیں، اگر ہم مطلوبہ سامان خریدنے جاتے تو ممکن تھا کہ ہماری پرواز لیٹ ہو جاتی، لہٰذا ہم نے آپ کے قیمتی وقت کو اہمیت دی، انسان گھر میں بھی جا کر کھا پی سکتا ہے۔'' یہ سنتے ہی وہ مسافر جن کا بھوک سے برا حال تھا، انتہائی غصے میں بولے۔

''ارے اس جہاز میں کیا پینے کا پانی بھی نہیں ہے؟''

ائیر ہوسٹس ایک کافر ادا کے ساتھ مسکرا کر بولی۔

''اس بارے میں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس ایک ڈیڑھ لیٹر منرل واٹر موجود ہے۔''

یہ سنتے ہی مسافروں نے غصے کے عالم میں کہا۔

''اسے گلاس میں ڈالو اور شرم سے ڈوب مرو۔'' یہ سن کر ائیر ہوسٹس کا چہرہ چمک اٹھا، اس نے گردن جھکائی اور پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ لوگ کتنے اچھے ہیں، آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ، اگر آپ پینے کے لئے پانی مانگ لیتے تو ہمیں کتنی پرابلم ہوتی۔''

فاریہ سلیم، شرقپور

انتباہ

ایک شخص کی سائیکل چوری ہو گئی، وہ چوک میں آ کر اعلان کرنے لگا۔

''اگر میری سائیکل نہ ملی، تو میں وہ ہی کروں گا جو میرے باپ نے کیا تھا۔'' چور بوکھلا گیا اور سائیکل چھوڑ کر فرار ہو گیا، سائیکل ملنے کے بعد لوگوں نے اس شخص سے پوچھا۔

''تمہارے باپ نے کیا کیا تھا؟'' وہ شخص

بولا۔
''میرے باپ نے نئی سائیکل خریدلی تھی۔''
عمیرہ ریحان، ٹوبہ ٹیک سنگھ

پھکی اور بٹ صاحب

بٹ صاحب شادی پہ گئے، کھانا زیادہ کھا لیا، حالت بری ہوگئی، باہر سڑک پر لیٹ گئے، یار دوستوں نے کہا۔
''آئیں صاحب آپ کو گھر چھوڑ آئیں۔''
بٹ صاحب کراہتے ہوئے۔
''مجھ سے چلا نہیں جاتا۔'' یار اصرار کرنے لگا۔
''نہیں بٹ صاحب چلیے آپ کو پھکی کھلاتے ہیں، آپ کی طبیعت سنبھل جائے گی۔''
بٹ صاحب کراہتے ہوئے۔
''اگر پھکی کی گنجائش ہوتی تو دو بوٹیاں اور نہ کھالیتا۔''
عالیہ بٹ، لاہور

تجربہ کار

تعلیم بالغاں کے دوران استاد نے سوال کیا۔
''پرسکون اور آرام دہ زندگی گزارنے کے لئے شوہر کے پاس کس چیز کا ہونا ضروری ہے۔''
''بہرا پن۔'' ایک پچاس سالہ شخص نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔
فریحہ گیلانی، اوکاڑہ

غم

سردار شراب پیتے ہوئے بیوی سے۔
''تم کون ہو؟''
بیوی بولی۔
''پاگل ہو گئے ہو کیا، اپنی بیوی کو نہیں پہچانتے۔''
سردار بولا۔
''نشہ ہر غم بھلا دیتا ہے باجی۔''
صوبیہ توحید، گلشن راوی لاہور

ہر جگہ

مکینک کے انٹرویو ہو رہے تھے، ایک سردار جی جب آئے تو ان سے پوچھا گیا۔
''پہلے یہ بتائیں کہ بجلی کی موٹر کیسے چلتی ہے۔'' سردار جی نے مسکرا کر کہا۔
''بہت آسان سوال ہے بجلی کی موٹر تو ہر جگہ ایسے ہی چلتی ہے گرڑ...... گرڑ۔''
سارا حیدر، ساہیوال

خوبی

ایک بڑے مجمع میں ایک کار کی نیلامی ہو رہی تھی بیس لاکھ، پچیس لاکھ، تیس لاکھ، مجمع میں ایک شخص کھڑا بڑی حیرت سے کار کی حالت زار پر غور کر رہا تھا، مگر اسے کار میں کوئی بھی شے بہتر نظر نہ آئی، اس سے رہا نہ گیا تو قریب کھڑے بولی لگانے والے شخص کا ہاتھ دباتے ہوئے پوچھا۔
''ارے بھائی اس کھٹارا کار میں ایسی کون سی خوبی ہے جس کی بنا پر تم اس کے اتنے دام لگا رہے ہو؟''
ایک شخص نے پلٹ کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔
''جناب اس کار کے اب تک آٹھ حادثے ہو چکے ہیں اور حیرت کی بات ہے کہ ہر حادثہ میں صرف ایک صرف خاتون خانہ کا ہی انتقال ہوا ہے۔''

☆☆☆

حنا شاہین ---- حیدر آباد
یہ ضد ہے ہماری کہ ایسے چھین لیں سب سے
ہم اور زمانے سے تقاضا نہیں کرتے
گوشہ تنہائی میں رو لیتے ہیں اکثر
ہم شہر کی گلیوں میں تماشا نہیں کرتے

....

ہم نے اپنی اداسی کا اس طرح بھرم رکھا
رابطے کم کر دیے مغرور کہلانے لگے

....

محور سوچ دونوں کا ایک ہی ہے
مجھے اس سے اور اسے خود سے فرصت نہیں ملتی
سدرہ خانم ---- ملتان
ڈھلنے لگی تھی رات کو تم یاد آ گئے
پھر اس کے بعد رات بہت دیر تک رہی

....

بہت امید رکھنا اور پھر بے آس ہونا بھی
بشر کو مار دیتا ہے بہت احساس ہونا بھی

....

عشق ہے اپنے اصولوں پہ ازل سے قائم
امتحاں جس کا بھی لیتا ہے رعایت نہیں کرتا
آسیہ فرید ---- خانیوال
محبت کے سفر میں دل جلا کر چین ملتا ہے
تمہارے درد کی محفل سجا کر چین ملتا ہے
کبھی احساس ہوتا ہے بہاروں کے اجڑنے کا
کبھی سوکھے ہوئے پتے اٹھا کر چین ملتا ہے

....

تیر کھائے ہیں ہم نے اپنوں سے
یہ کرم خیر خواہ کرتے رہے
اپنا سمجھا تھا ہم نے جن کو قدیر
وہ ستم بے پناہ کرتے رہے

....

تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں
دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ
عزہ فیصل ---- قصور
یوں ذہن میں جمال رسالت سما گیا
میرا جہاں فکر و نظر سما گیا
اس کے قدم سے پھوٹ پڑا چشمہ بہار
وہ دشت زندگی کو گلستان بنا گیا

....

میں کرب کے تپتے صحرا میں کھڑا ہوں
آقا تیری رحمت کو دیکھ رہا ہوں
گو مجھ کو عقیدت کا سلیقہ تو نہیں ہے
اتنا ہی کافی ہے تیرے در پہ کھڑا ہوں

....

یہ آسمان محبت پہ کیسی رونق ہے
چمکتا عشق محمدؐ میں ہر ستارا ہے
نور انور ---- فیصل آباد
کون اجڑا ہو گا بھری دنیا میں ہماری طرح محسن
وہ بھی نہ ملا ہم کو اور ہم خود کو بھی گنوا بیٹھے

....

تیرے قریب رہ کر تجھے تلاش کروں
محبتوں میں میری بد حواسیاں نہ گئیں

....

ہیں دفن مجھ میں میری کتنی رونقیں مت پوچھو

اجڑ اجڑ کر جو بستا رہا وہ شہر ہوں میں
فاریہ سلیم ---- شرقپور

مغرور ہی سہی مجھے وہ اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا
روٹھا ہوا تھا ہنس تو پڑا مجھے دیکھ کر
مجھ کو اس قدر بھی دلاسا بہت لگا

....

باقی ہیں تیری یاد کے کچھ نقش ابھی تک
دل بے سرو سامان سہی ویران تو نہیں

....

نہ وہ آنکھ ہی تیری آنکھ تھی نہ وہ خواب ہی تیرا خواب تھا
دل منتظر تو پھر کس لئے تیرا جاگنا اسے بھول جا
وبساط جاں ہی الٹ گیا وہ جو راستے سے پلٹ گیا
اسے پکارنے سے حصول کیا اسے مت بلا اسے بھول جا
عمیرہ ریحان ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی
نہیں وصال میسر تو آرزو ہی سہی
نہ تن میں خون فراہم نہ اشک آنکھوں میں
نماز شوق تو واجب ہے بے وضو ہی سہی

....

سوچا کیسے کہ ٹوٹ نہ جائے کسی کا دل
گزری ہے اپنی عمر اسی دیکھ بھال میں
خالد وہ بات تو اسے یاد بھی نہیں
ہم جی کو خوں کر گئے جس کے ملال میں

....

عمر بھر کی ہیں مسافتیں یہ دوریاں یہ فاصلے
تم چاہو تو کچھ عجب نہیں یہ پل ہیں سر ہو جائیں
میں کاٹ سکوں گا تنہا نہ تم کاٹ سکو گے
یہ زیست کے کٹھن راستے ہمسفر ہو جائیں
عالیہ بٹ ---- لاہور

جاگا نہیں گیا کبھی سویا نہیں گیا
ہم سے حساب ہجر میں نہیں رکھا گیا

اک عمر جن پہ جاں کو نچھاور کیے رہے
ان سے ہمارا حال بھی پوچھا نہیں گیا

....

تمہاری یادیں کسی مفلس کی پونجی جیسی
جسے ہم ساتھ رکھتے ہیں جسے ہم روز گنتے ہیں

....

تمنا دید کی موسیٰ کرے اور طور جل جائے
عجب دستور الفت ہے کرے کوئی بھرے کوئی
فریحہ گیلانی ---- اوکاڑہ

سوچتا ہوں کبھی تیرے دل میں اتر کر دیکھ لوں
کون بسا ہے تیرے دل میں جو مجھے بسنے نہیں دیتا

....

دین دھرم سب پاپ ہوئے غربت تقوی چھین گئی
رات گئے کل شہر سے باہر رہبر رستہ بیچ رہا تھا
تعلیم کا زیور پہن کر بھی بہنیں میری کنواری ہیں
یہ کہہ کر کل اک مفلس بچہ اپنا بستہ بیچ رہا تھا

....

سدا رہے جکڑے قسمت کی جو زنجیروں میں
ہمارا نام بھی شامل ہے ان اسیروں میں
وہ جس کے ساتھ کی خواہش اڑان بھرتی ہے
اسی کا نام نہیں ہاتھ کی لکیروں میں
صوبیہ توحید ---- گلشن راوی لاہور

وہ محبتوں کے سودے بھی عجیب کرتا ہے فراز
بس مسکراتا ہے اور دل خرید لیتا ہے

....

تمہارا ساتھ تسلسل سے چاہیے مجھ کو
تھکن زمانوں کی لمحوں میں کب اترتی ہے

....

ہمیں آ کر منا لینا
کسی بھی شام سے پہلے
اداسی ٹھہر جاتی ہے
تمہارے نام سے پہلے

سارا حیدر ---- ساہیوال

کاش ایسا ہو اب کے بے وفائی میں کروں
تو پھرے قریہ بہ کوبہ کو میرے لئے
میں لامحدود ہو جاؤں سمندر کی طرح
تو بہے دریا بہ دریا جو بہ جو میرے لئے

....

روٹھ جاتے ہو تو کچھ اور حسین لگتے ہو
ہم نے یہ سوچ کر ہی تم کو خفا رکھا ہے

....

تاروں کو گو شمار میں آنا محال ہے
لیکن کسی کو نیند نہ آئے تو کیا کرے

ساجدہ احمد ---- ملتان

تمام عمر کی بیداریاں بھی سہہ لیں گے
ملی ہے چھاؤں تو بس ایک نیند سو لیں آج

....

کچھ ایسی بھی گزری تھیں تیرے ہجر کی راتیں
دل درد سے خالی ہو مگر نیند نہ آئے

....

ہم رہا ہونے کو تھے جب خواہشوں کی قید سے
اس کو نیند اچھی تو مجھ کو رت جگا اچھا لگا

صفہ خورشید ---- لاہور

نیند تو درد کے بستر پہ بھی آ سکتی ہے
ان کی آغوش میں سر ہو یہ ضروری تو نہیں

....

بھول کر ذات تم کو یاد کیا
بات بے بات تم کو یاد کیا
نیند ناراض ہو گئی ہم سے
ہم نے جس رات تم کو یاد کیا

....

گردش دوراں زمانے کی نظر آنکھوں کو نیند
کتنے دشمن اک رسم دوستی سے ہو گئے

عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

گزرتے ہیں یہ لمحے خاموشی سے
مگر ایسے کہ نیندیں ہی اڑا دیں

....

برسات کے موسم سے تجھے پیار بہت تھا
اب دیکھ لے آ کر میری بھیگی ہوئی آنکھیں

....

بدن میں آگ لگی ہے اور آنکھ روتی ہے
کہیں پہ دھوپ کہیں بارشوں کا موسم ہے

آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس

رفاقتوں کے نئے خواب خوشنما ہیں مگر
گزر چکا ہے ترے اعتبار کا موسم

....

رتوں کا قاعدہ ہے یہ وقت پہ آتی جاتی ہیں
ہمارے شہر میں کیوں رک گیا فریاد کا موسم
نہ کوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش ہے بہاروں کی
ہمارے ساتھ ہے امجد کسی کی یاد کا موسم

....

ابھی تو خشک ہے موسم بارش ہو تو سوچیں گے
کہ ہم نے اپنے ارمانوں کو کس مٹی میں بونا ہے

فرینہ اسلم ---- میاں چنوں

آنکھ تازہ منظروں کی آس میں کھو جائے گی
دل پرانے موسموں کو ڈھونڈتا رہ جائے گا

....

نیا موسم میری بینائی کو تسلیم نہیں
مری آنکھوں کو وہی خواب پرانا لا دے

....

تمہاری یاد کے موسم بھی رخ بدلنے لگے
ہوا تھمی ہے تو بارش کے تیر چلنے لگے

☆☆☆

افراح طارق

ہرے بھرے کباب

اشیاء

پودینہ	چار گٹھی
بیسن	ایک کپ
ہری مرچ	دس عدد
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
نمک	حسب ذائقہ
ثابت دھنیا بھنا ہوا	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد
ٹماٹر بڑے سائز کے	دو عدد
تیل	ڈیپ فرائی کے لیے

ترکیب

پودینے اور ہرا دھنیا کو صاف کر کے پتے الگ کر لیں اور انہیں دھو کر باریک کاٹ لیں، پیاز، ٹماٹر اور ہری مرچ کو باریک کاٹ کر اس آمیزے میں نمک، ثابت دھنیا اور بیسن ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں، جب یہ سخت آٹے کے پیڑے کے مانند ہو جائے تو اس کو ایک بڑے رول کی شکل دے دیں، اب ایک دیگچی میں پانی گرم کریں اور اس کے اوپر چھلنی رکھ کر اس پر رول رکھ دیں، کچھ دیر اسے بھاپ میں سخت ہونے دیں، اس کے بعد اس کے سلائس کاٹ لیں، کڑاہی میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کریں اور میں سلائس ڈال کر گولڈن براؤن کر لیں، مزے دار ہرے بھرے کباب تیار ہیں املی کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

یوگرٹ مٹن

اشیاء

بکرے کا گوشت دھولیں	ایک کلو
دہی	ایک پاؤ
پیاز باریک کاٹ لیں	دو عدد
ادرک، لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
ہری مرچ درمیانی سائز کی	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
تیل	آدھا کپ

ترکیب

دیگچی میں تیل گرم کریں، اس میں پیاز ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک تلیں، گوشت، نمک اور ادرک لہسن پیسٹ ڈال دیں، دو منٹ تک بھون کر تقریباً چار گلاس پانی گوشت میں ڈال کر گلنے کے لئے چھوڑ دیں، (اگر پانی خشک ہو جائے اور گوشت نہ گلے تو تھوڑا پانی اور ڈال دیں) آدھی ہری مرچ گرائنڈر میں پیس لیں، جب گوشت گل جائے تو دہی پھینٹ کر اس میں ملا دیں اور ساتھ ہی پسی ہوئی ہری مرچ بھی ملا دیں، جب دہی کا پانی بھی خشک ہو جائے تو باقی کی ثابت ہری مرچوں کے درمیان میں کٹ لگا کر گوشت میں ڈال دیں، ہلکی آنچ پر مزید دس منٹ پکائیں، جب تیل اوپر آ جائے تو اوپر سے پسا ہوا گرم مصالحہ ڈال دیں، مزے دار یوگرٹ مٹن تیار ہے، روغنی نان اور سلاد کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

جہانگیری سیخ کباب

اشیاء

قیمہ	ایک کلو
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
کچری پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سونٹھ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پیاز باریک کٹی ہوئی	دو کھانے کے چمچے
ثابت دھنیا کوٹ لیں	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
کاجو باریک چوپ کرلیں	تین کھانے کے چمچے
خشخاش پیس لیں	ایک چائے کا چمچہ
دیسی گھی	حسب ضرورت
ناریل پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
بیسن	دو کھانے کے چمچے
دہکتا ہوا کوئلہ	ایک عدد

ترکیب

ایک پیالے میں قیمہ، ادرک، لہسن پیسٹ، کچری پاؤڈر، سونٹھ، گرم مصالحہ پاؤڈر، پیاز، ثابت دھنیا، نمک، لال مرچ کا پاؤڈر، خشخاش، ناریل پاؤڈر اور بیسن ڈال کر اچھی طرح مکس کریں، جس طرح آٹا گوندھتے ہیں اس طرح گوندھ لیں، اس کو بیس منٹ کے لئے رکھ دیں، پھر درمیان ڈبل روٹی یا پیاز کا چھلکا رکھ کر کوئلہ رکھیں، دو تین قطرے دیسی گھی ٹپکا کر ڈھک دیں۔

اب اس قیمے کو سیخوں پر سیخ کباب کی طرح چڑھا کر دہکتے کوئلے پر سینک لیں، دیسی گھی کا بگھار لگا کر سروِنگ ڈش میں نکال لیں، پراٹھوں یا نان کے ساتھ سرو کریں۔

منگولین گوشت

اشیاء

گوشت	آدھا کلو
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ

سوس بنانے کے لئے:۔

مرغی کی یخنی	چوتھائی کپ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
چلی سوس	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
کارن فلور	ڈیڑھ چائے کا چمچہ

(تمام اشیا مکس کرلیں)

ہری مرچ	آٹھ عدد
لہسن کے جوئے	چار عدد
ثابت لال مرچ	آٹھ سے دس عدد
ثابت سیاہ مرچ	چوتھائی چائے کا چمچہ
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا

ترکیب

مرغی کی یخنی میں سویا ساس، سرکہ، چینی سوس، چینی اور کارن فلور ڈال کر مکس کر کے سوس تیار کرلیں۔

کڑاہی میں دو چمچے تیل گرم کریں، اس میں لال مرچ ڈال کر کڑکڑائیں اور گوشت، گرم مصالحہ پاؤڈر، سویا ساس اور سرکہ ڈال کر تقریباً پانچ منٹ کے لئے فرائی کریں، دوسری کڑاہی میں تھوڑا سا تیل ڈالیں، اس میں ہری پیاز، سیاہ مرچ اور چینی ڈال کر پکائیں، جب سارا مصالحہ بھون جائے تو گوشت ڈالیں اور ساتھ ہی سوس بھی ڈال دیں اور پکا کر گاڑھا کرلیں سادہ ابلے

ہوئے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

کابلی چنے کے کباب

اشیاء

کابلی چنے ابلے ہوئے	آدھا کلو
آٹا	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
کٹی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
سفید تل	تین کھانے کے چمچے
تیل	فرائی کے لئے

ترکیب

چنے اچھی طرح ابال کر میش کر لیں، اس میں آٹا، نمک، لال مرچ، سیاہ مرچ پاؤڈر، ہری مرچ، زیرہ اور تل ڈال کر مکس کر لیں، ہاتھ سے گول کباب بنائیں، تیل گرم کر کے کبابوں کو ہلکا فرائی کر کے دونوں طرف سے گولڈن کر لیں کیچپ اور کھٹی میٹھی املی سوس کے ساتھ سرو کریں۔

ہنٹر بیف

اشیاء

بیف	ڈیڑھ کلو
دار چینی	چار اسٹکس
ثابت سیاہ مرچیں	تین چائے کے چمچے
لونگیں	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ کٹا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں رس نکال لیں	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
قلمی شورہ (کالا نمک)	دو کھانے کا چمچے
دیسی گڑ	تین کھانے کے چمچے

ترکیب

بیف کو کانٹے سے اچھی طرح گود لیں، دار چینی، ثابت سیاہ مرچیں، لونگ، سفید زیرہ، نمک، قلمی شورہ اور دیسی گڑ ملا کر مصالحہ کو اچھی طرح پیس لیں، اس کے بعد لیموں کا رس اور پسا ہوا مصالحہ گوشت پر لگا کر چار سے پانچ دن کے لئے فریج میں رکھیں اور روزانہ گوشت کو گود لیں، چار پانچ منٹ کے بعد تین کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، تیار ہو جائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کر کے سلائس کاٹ لیں، ٹماٹو کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

شکار پوری کباب

اشیاء

قیمہ	ایک کلو
لونگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دار چینی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
چھوٹی الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
جاوتری	ایک چٹکی
سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک، لہسن	چار کھانے کے چمچے
انڈا	ایک عدد
ہری مرچ	آٹھ عدد
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
ادرک	ایک بڑا ٹکڑا
لہسن	دس جوئے
پیاز	دو عدد
کشمش	دس عدد

ترکیب

ایک برتن میں قیمے کے ساتھ لونگ، دار چینی، چھوٹی الائچی، جاوتری، سرخ مرچ، لہسن، ادرک کا پیسٹ اور نمک ملا کر گلا لیں اور ٹھنڈا کر لیں، ٹھنڈا ہونے کے بعد پیس کے ان کی چھوٹی چھوٹی گیندیں بنا لیں، کشمش سمیت باقی ہرا مصالحہ پیس کر ان گیندوں میں بھر لیں اور انڈے

میں ڈبو کر تل لیں، پودینے کی چٹنی اور نان کے ساتھ سرو کریں۔

سفید گوشت

اشیاء

مٹن درمیانے پیس	ایک کلو
پیاز	دو عدد
لہسن، ادرک	۲/۱ چمچہ
لونگ	آٹھ عدد
دار چینی	ایک بڑا ٹکڑا
کالی مرچ	پندرہ دانے
نمک	حسب ضرورت
ہری مرچ	چار عدد
تیل	ایک کپ

ترکیب

دیگچی میں تیل گرم کریں اور اس میں گوشت ڈال کر اس کی بو ختم کر لیں، تقریباً پانچ منٹ کے وقفے سے اس میں چار گلاس پانی ڈال دیں، پیاز کے چار چار ٹکڑے کر لیں، ہری مرچ، نمک، لہسن، ادرک، لونگ، دار چینی اور کالی مرچ گوشت میں ڈال دیں، تیز آنچ پر دس منٹ پکائیں، پھر آنچ ہلکی کر لیں اور دیگچی پر وزن رکھیں، تقریباً دو گھنٹے پکنے دیں۔

مزے دار سفید گوشت تیار ہے، سادہ پلاؤ اور شامی کباب کے ساتھ نوش فرمائیں۔

آلو کوفتہ بوٹی بریانی

اشیاء

قیمہ	250 گرام
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا کٹا ہوا	ایک چوتھائی کپ
ہری مرچیں کٹی ہوئی	تین عدد
زیرہ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
پیاز کٹی ہوئی	ڈیڑھ کپ
سیلا چاول	آدھا کلو
گوشت کی بوٹی	250 گرام
آلو	دو سے تین عدد
تیل	ایک کپ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	ایک چوتھائی کپ
ثابت گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
پسا گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچہ
زرد رنگ	دو چٹکی

ترکیب

قیمہ کو چوپر میں پیس کر نمک، مرچ، ہرا دھنیا، زیرہ پاؤڈر، پیاز باریک کر کے لہسن ادرک کا پیسٹ اور ہری مرچیں ڈال کر مکس کر لیں اور کوفتے بنا لیں۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز سنہری کر لیں، نمک لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، ثابت گرم مصالحہ، لہسن، ادرک پیسٹ اور دہی ڈال کر بھونیں، کوفتے ڈالیں، پانچ منٹ بعد ابلی ہوئی بوٹیاں اور آلو بھی ڈالیں اور ایک کپ پانی ڈال کر پکائیں، آلو گل جائیں تو ہری مرچیں، ہرا دھنیا، گرم مصالحہ ڈالیں۔

دیگچی میں چاولوں کی آدھی مقدار ڈالیں، کوفتے، بوٹی، آلو مصالحہ ڈال کر باقی چاول ڈالیں اور زعفرانی رنگ ڈال کر دم پر لگائیں، آلو کوفتہ بوٹی بریانی تیار ہے سرو کریں۔

☆☆☆

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات لئے حاضر ہیں، آپ سب کی صحت اور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

رب العالمین نے کائنات کو جس تناسب و توازن کے ساتھ بنایا، اسی طرح اس کمال مہربانی سے انسان کی تخلیق کر کے اس کو اشرف المخلوقات اور زمین پر اپنا نائب بنایا، ان تمام مہربانیوں کا مقصد یہ تھا کہ انسان اپنی ذات پر توجہ دے اور اپنی فلاح کے لئے نیک افعال و اعمال انجام دے لیکن یہ کام وہ تنہا نہیں کر سکتا بلکہ اس کے اعمال کا صحیح اندازہ تو اس وقت ہوتا ہے، جب وہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر زندگی گزارے، ایسے میں اس کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے، شخصیت سے مراد اس کا مزاج، عقل و دانش اور معاشرتی رویہ ہے، اسلام کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اعلیٰ اخلاق کا مالک ہوتا کہ دوسرے لوگ اس سے راحت پا سکیں، لیکن اگر ہم اپنے اردگرد نظر ڈالیں تو سوائے افسوس اور دکھ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، انسان اپنی تخلیق کا مقصد بھول گیا ہے، خود غرضی اور دھوکہ دہی عام ہو گئی ہے، انسان، انسانوں کو قتل کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو انسانیت کا احترام کرنے کا سلیقہ عطا کرے اور ہمیں آپس میں مل جل کر رہنے کی توفیق عطا کرے آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل ابتداذکر خدا اور ذکر سے کرتے ہوئے چلتے ہیں، جی ہاں درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہیں۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے اور اپنا بہت سا خیال رکھیے اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کو خوش دیکھا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

یہ پہلا خط ہمیں ہارون آباد سے غزالہ رحیم کا موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

سات کو حنا ملا سرورق پر نظر پڑتے ہی واہ نکلا، اس کے بعد فہرست میں جھانکا ایک عرصے کے بعد شازیہ رفیق کا نام دیکھ کر دل خوش ہوا، خیر آگے چلے اور اپنے فیورٹ سردار محمود صاحب سے ان کی تحریر کے ذریعے ملاقات کرنے پہنچے اور ان کو سیلاب کی تباہ کاریوں پر افسوس کرتے ہوئے پایا، کیا کریں سردار محمود صاحب ہر سال سیلاب آتے ہیں اور ہمارے لیڈر کو پانی میں کھڑے ہو کر فوٹو سیشن کو موقع فراہم کرتے ہیں اور باقی جو کچھ ہوتا وہ بقول آپ کے صرف کاغذوں میں ہی ہوتا ہے، اس کے بعد جلدی سے صفحات پھلانگتے ہوئے شازیہ رفیق کی تحریر میں جا گھسے۔

''دل محبت کا طالب'' ایک اچھی تحریر تھی لیکن شازیہ جی معذرت کہ اس میں ہمیں آپ کا وہ مخصوص انداز نہیں ملا جو کہ آپ کا خاصہ ہے محبت کے موضوع پر ناول کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکا، یقیناً اس کی وجہ اتنا لمبا لمبا گیپ دینا ہے تحریروں میں، پلیز مسلسل لکھنے کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں تا کہ تحریر میں روانی آئے،''اس کار

محبت میں'' حنا اصغر کا مکمل ناول، اس سے پہلے حنا اصغر کی چھوٹی چھوٹی تحریریں نظر سے گزری ہیں، یہ ناول ان کی محنت کی عکاسی کر رہا تھا یقیناً آگے چل کر حنا اصغر، حنا میں اچھا اضافہ ثابت ہوں گی، ہما راؤ بھی کافی عرصے بعد یہ کہتی ہوئی آئیں ''بچھڑ جانا ضروری تھا'' ٹھیک کہا ہے آپ نے آپ کی تحریر بھی دلچسپ تھی، اس کا بقیہ حصہ بھی پڑھ کر ہی مکمل رائے دی جا سکتی ہے، سمیرا گل گواہی دیتی نظر آئیں کہ ان کا شمار بھی اچھے لکھنے والوں میں ہوتا ہے، بہت خوب سمیرا گل، آپ کی تحریر بھی بہترین تھی، افسانوں میں فرح طاہر، طیبہ مرتضیٰ اور عزہ خالد کی تحریریں پسند آئیں، مریم ماہ منیر اور ثمینہ بٹ نے بھی اچھی کوشش کی، اب بات ہو جائے سلسلے وار ناولوں کی، سدرۃ المنتہٰی اب تک میں نے آپ کی جو تحریریں پڑھی ہیں مختلف ماہناموں میں ان میں سے حنا میں شائع ہونے والا یہ ناول ''اک جہاں اور ہے'' آپ کی بہترین تحریر ہے، ہر قسط انتہائی شاندار اور سسپنس سے بھرپور واقعات پر مبنی ہوتی ہے، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ چلے۔

نایاب جیلانی کا ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' جوں جوں آگے بڑھ رہا ہے دلچسپ ہوتا جا رہا ہے، ویلڈن نایاب۔

مستقل سلسلوں میں سب سے بہترین ہمیں دستر خوان لگا، اس میں بتائی گئی ریسپیز انتہائی سادہ ہوتی ہے مگر جب ان کو بنایا تو ذائقہ سے بھرپور ہوتی ہیں، اتنی بہترین ترکیب شائع کرنے پر افراح طارق مبارک باد کی مستحق ہیں، بقیہ تمام سلسلے بھی بہترین ہیں، کس قیامت کے یہ نامے میں تمام دوستوں کے تبصرے اور فوزیہ آپی کے جواب بڑے مزے کے ہوتے ہیں۔

پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں اور اگر آپ نے میرا تبصرہ شائع نہ کیا تو بھی ہم اپنی اس محفل میں آتے رہیں گے۔

غزالہ رحیم اس محفل میں آپ کو دل و جان سے خوش آمدید، ستمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ، ہم آپ کی محبتوں اور تبصرے کے ہمیشہ منتظر رہیں گے شکریہ۔

شہلا عارف خان: کی ای میل خان پور سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

ماہنامہ حنا میرا پسندیدہ رسالہ ہے میں نویں کلاس سے اسے پڑھ رہی ہوں اس کی تمام تحریریں لاجواب ہوتی ہیں، سات سال ہو گئے مجھے حنا پڑھتے مگر پہلی بار ای میل کے ذریعے اس میں شرکت کر رہی ہوں اگر آپ رسالے میں ستاروں کا حال بھی بتایا کریں تو اچھا ہوگا۔

میں ایک کہانی بھیجنا چاہتی ہوں اگر آپ کو پسند آ جائے تو پلیز شامل کر لیجیے گا۔

شہلا عارف خان، خوش آمدید، سات سال سے آپ حنا پڑھ رہی ہیں، یہ جان کر خوشی ہوئی، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ اپنی تحریر ہمیں ضرور بھجوائیں قابل اشاعت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور شائع ہوگی۔

سونیا حنیف: شرقپور شریف سے لکھتی ہیں۔

پہلی مرتبہ حنا کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں، میں سیکنڈ ائیر کی سٹوڈنٹ ہوں، پچھلے چار سال سے حنا کو پڑھ رہی ہوں، سب سے پہلے ''وہ ستارہ صبح امید کا'' پڑھنا شروع کیا تب سے حنا سے جڑا رابطہ آج تک قائم ہے اور انشاء اللہ آگے بھی قائم رہے گا، میٹرک کی طالبہ تھی جب دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی کچھ تحریر کروں، تب کچھ غزلیات لکھیں، اب میں اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھ کر افسانے، ناولٹ یا ناول کی صورت میں کچھ تحریر کرنا چاہ رہی ہوں، امید کرتی

ہوں کہ آپ مجھے اپنے رسالے میں جگہ دیں گے۔

سونیا حنیف، خوش آمدید، حنا کے لئے آپ کی محبت کا شکریہ، آپ اپنی تحریریں ہمیں ضرور بھجوائیں، اگر قابل اشاعت ہوئی تو نوک پلنک سنوار کر ہم ضرور شائع کریں گے شکریہ۔

ثمینہ بٹ: لاہور سے ایک عرصے بعد تشریف لائی ہیں وہ لکھتی ہیں۔

17 ستمبر سردار سر کی اہلیہ کا یوم وفات تھا، اللہ پاک سے دلی دعا ہے کہ مرحومہ کے درجات بلند کرے اور انہیں جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے، آمین۔

میری فیملی کو آج کل شاید دعاؤں کی زیادہ بلکہ بہت زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ میرا چھوٹا بھائی عامر منصور بٹ، آج کل ہسپتال ہیں، اسے تیسرا ہارٹ اٹیک ہوا اور اس کی وجہ سے ہم بے حد پریشان ہیں، فوزیہ جی! پلیز آپ دعا کیجئے کہ اللہ میرے بھائی کو اس کے بچوں کے سر پر سلامت رکھے آمین، قارئین کرام سے بھی دعا کی گزارش ہے، بہت شکریہ، جزاک اللہ۔

اور اب میں آتی ہوں اپنے پیارے حنا کی طرف جو مجھے چھ ستمبر کو مل گیا اور سب سے پہلے ہمیشہ کی طرح سردار سر کی باتیں پڑھیں اور ان سے سو فیصد متفق ہوتے ہوئے، بے ساختہ دل کی گہرائیوں سے اپنے وطن کی حفاظت اور اپنے حکمرانوں کی ہدایت کے لئے دعا نکلی۔

اس کے بعد اسلامیات والے حصے سے دل و روح کو منور کیا، خالد بزمی صاحب کی حمد باری تعالیٰ اور کوکب مظہر خان صاحب کا نعتیہ کلام بہت عمدہ بہت اعلیٰ تھا، سیدھا دل میں اتر گیا، ماشاءاللہ، جزاک اللہ۔

اس کے بعد پہنچے ابن انشاء سے ''موسم کا حال سنیئے'' اور انشاء جی کے مخصوص انداز میں موسم کا احوال خوب مزہ دے گیا، پھر معصومہ منصور کے ساتھ ایک بھرپور اور خوشگوار دن گزار کر بہت اچھا لگا، معصومہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔

مصباح نوشین، فوزیہ جی، قیصرہ آپا، سب بہت اچھی اور مخلص ہستیاں ہیں۔

سلسلے وار ناولز ''پربت کے اس پار کہیں'' نایاب جیلانی، ''اک جہاں اور ہے'' سدرۃ المنتہیٰ، دونوں رائٹرز بہت اچھے انداز سے ناولز کو آگے لے جا رہی ہیں، ہر ماہ اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔

ناولٹ اس بار ایک ہی تھا، ''اب گواہی دو'' سمیرا اگل نے اچھے اور حساس موضوع پر قلم اٹھایا، واقعی آج کل کی نوجوان نسل خاص طور سے عینا جیسی لڑکیاں جو اپنی عزت و ناموس کو تو خطرے میں ڈالتی ہی ہیں، سندس جیسی شفاف کردار اور خالص سوچ رکھنے والی لڑکیوں کی راہ بھی کھوٹی کر دیتی ہیں۔

سمیرا کی کوشش اچھی تھی، جو پیغام وہ دینا چاہتی تھیں میرے خیال سے اچھی طرح سب تک پہنچ گیا۔

مکمل ناولز اس بار تین تھے، حنا اصغر کا ''اس کار محبت میں'' ایک پر اثر تحریر تھی، بیروت جیسے خوبصورت شہر کی حسین جگہوں کی سیر کروانے کے ساتھ ساتھ حنا نے ایک بہت خوبصورت اور سنجیدہ پیغام سب بیٹیوں کے والدین کو دینے کی کوشش کی جو اپنی بیٹیوں کو دور دراز کے علاقوں اور ملکوں میں اس آس اور امید پر رخصت کر دیتے ہیں کہ ان کی لاڈلیاں وہاں راج کریں گی، مگر عموماً ایسا ہوتا نہیں۔

ہما راؤ کا ''بچھڑنا بھی ضروری تھا'' آغاز سے ہی ناول پر مصنفہ کی گرفت کافی مضبوط نظر

آئی، پہلی قسط اچھی لگی، اب اگلی کا انتظار ہے اور مکمل تبصرہ انشاءاللہ ناول مکمل ہونے کے بعد۔

''دل محبت کا طالب'' تیسرا ناول شازیہ رفیق کے قلم کا شاہکار، ناول کا پلاٹ بھی عمدہ تھا اور کہانی کی بنت بھی اچھی رہی، محبت کے سفر میں انا کی کوئی جگہ نہیں ہوتی اور میاں بیوی کا رشتہ تو اعتبار اور اعتماد پر ہی کھڑا ہوتا ہے، روحان اگر غلطی پر تھا تو ٹھیک سامیہ نے بھی نہیں کیا، ویل ڈن شازیہ، اتنا اچھا اور مکمل ناول لکھنے پر میری طرف سے مبارک باد۔

اور جی افسانے اس بار پانچ تھے اور سب اچھے رہے، (میرے افسانے کے بارے میں دوسرے قارئین ہی ٹھیک بتا سکتے ہیں) میں تو باقی چار افسانوں کا ذکر کروں گی اور سب سے پہلے ذکر کروں گی، میرم ماہ منیر کے ''م سے موتیا کا'' کہانی کا کانسیپٹ بہت اچھا تھا، مومو کی دادی نے مومو کو میمونہ بنا ہی دم لیا، مگر اس سفر میں مومو کے ہاتھوں موتیا کی خوب درگت بنوائی مریم نے، اوو آل افسانہ پڑھ کے مزہ بہت آیا، ویری ویل ڈن مریم۔

عزہ خالہ کا ''صبح کا بھولا'' بہت اچھا لگا، واقعی اگر ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی، بات صرف سوچ اور نظریئے کی ہے، جہاں سوچ پوزیٹو ہوگی، وہاں سب اچھا ہوتا چلا جائے گا اور یہ زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔

فرح طاہر کا ''ع سے عورت'' وہی عورت کی مجبوریوں اور نادیدہ زنجیروں میں جکڑی زندگی اور آخر میں، طیبہ مرتضیٰ کا ''تحفظ کا احساس'' بہت یچی کہانی، اس معاشرے کی بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ ہم سب کی اجتماعی بے حس کی کہانی اگر ہمارے حکمران بھنے ہرنوں، تیتر، بٹیروں، بریانی قورموں سے نیچے نہیں آتے، غریب عوام کی بھوک مرتے دیکھ کر بھی شکم سیر ہو کر میز سے اٹھتے ہی تو کچھ کم ہم بھی نہیں، جس کا جہاں داؤ چلتا ہے، بڑی مہارت سے گیم کر ہی جاتا ہے، اللہ ہم سب کو ہدایت دے، شکریہ طیبہ، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

بس فوزیہ جی! کہانیوں پر تبصرہ تو ہو گیا مکمل اور اب آتی ہوں آپ کی محفل کی طرف، واہ کیا حسین محفل ہوتی ہے ماشاءاللہ اور کتنی پر رونق بھی، مگر صفحات بہت کم ملتے ہیں اس محفل کو، پلیز اس طرف کچھ توجہ فرمائیں۔

خطوط سارے اچھے تھے، ماشاءاللہ ہماری قارئین بہت ذہین ہیں، وہ حنا کا لفظ لفظ غور سے پڑھتی ہیں اور پھر کھلے دل سے تعریف کرتی ہیں تو اچھے اصلاحی انداز سے تنقید بھی، آپ تمام قاری بہنوں اور رائٹرز ہستیوں کا دل سے شکریہ، باقی کے سلسلے بھی سب بہت اچھے اور بے مثال رہے، بڑی عید کے حوالے سے دستر خوان بھی خوب پر رونق رہا اور عین غین کی محفل بھی زبردست رہی۔

ثمینہ بٹ، کیسی ہیں آپ کافی عرصے بعد آپ آئیں اور بہت خوب آئیں، آپ کے اس تفصیلی تبصرے کی کمی بے حد محسوس ہوتی ہے ہمیں آتی رہا کریں، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کے والد محترم کے لئے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور بھائی کی صحت کے لئے دعا کی اپیل شائع کی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جلد از جلد صحت عطا کرے آمین۔

آپ کی رائے کے آئندہ بھی منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆